

مقام ابی حنیفہ رح

تالیف

امام اہلسنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

مکتبہ صفدریہ

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (الآیۃ) (قرآن حکیم)

وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ (الحدیث) (حدیث شریف)

خدا رکھے بہت اُونچا ہے معیار نظر اُس کا ——— بوقت فیض جس نے اپنے بیگانے نہیں دیکھے

مقام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور علماء اسلام کے ٹھوس حوالجات سے فقہ اور فقہا کی فضیلت اور اس کی ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے اور فقہاء صحابہؓ اور اہل کوفہ کی حدیث دانی اور فقہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقام فقہ، حدیث اور علم کلام میں صریح حوالوں سے بتایا گیا ہے۔ نیز ان کی دیانت، امانت، استقامت اور ثقاہت پر واضح حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ ان پر مرجیہ، اہل الرائی، مخالف اسلام و حدیث اور قلت عربیت وغیرہ کے جتنے اصولی اعتراضات قدیماً و حدیثاً کیے گئے ہیں ان کے اصولی جوابات دیئے گئے ہیں اور اس میں معترضین کا تعصب، عناد اور اجتہادی غلطی بھی آشکارا کی گئی ہے نیز ہدایہ، فقہ حنفی کی دیگر کتب اور احنافؒ پر کیے گئے بعض اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی بیسیوں ضمنی ابحاث ہیں جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ

احقر ابو الزاہد محمد سرفراز خاں صفدر
خطیب جامع گکھڑ منڈی و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر: مکتبہ صفدریہ مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ

طبع یازدھم .... جنوری ۲۰۰۷ء

نام کتاب ———— مقامِ ابی حنیفہؒ

مصنف ———— ابوالزاہد حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم

کتابت ———— محمد امان اللہ قادری

ناشر ———— مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

مطبع ———— فائن بکس پرنٹرز، لاہور

قیمت ———— ۱۲۰/- (ایک سو بیس) روپے

ملنے کے پتے

- مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
- مکتبہ امدادیہ ملتان
- مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
- مکتبہ حقانیہ ملتان
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- مکتبہ مجیدیہ ملتان
- مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ اڈا کاکی ایبٹ آباد
- مکتبہ العارفی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
- مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ
- دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ
- کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ
- مکتبۃ العلم اردو بازار لاہور

فہرستِ مضامین

دیباچہ
طبع سوم

مُبَسْمِلاً وَّ مُحَمِّدِ لاً وَّ مُصَلِّیاً: اَمَّا بعد : اللہ تعالیٰ کا ارب اور کھرب دفعہ شکر ہے کہ اُس نے مجھ جیسے بے بضاعت اِنسان کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ سراج الاُمّت ، نادرۂ زمان محدّث کبیر، حافظ حدیث ، سیدالفقہاء ، مجاہدِ عظیم ، رأس الاتقیاء ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا علمی اور عملی مقام بیان کرنے کے علاوہ ان پر قدیماً و حدیثاً کیے گئے اہم اعتراضات کے باحوالہ ٹھوس اور مسکت جوابات اِس پیشِ نظر کتاب میں ضبطِ تحریر میں لائے ، راقم کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ اس کو ایسی اعلیٰ مقبولیت حاصل ہوگی کہ اکابر علماء کرام اس کو بے حد پسند کریں گے ، اور اس پر دادِ تحسین دیں گے لیکن قارئین کرام "تصدیقاتِ علماء کرام" میں اس کتاب کے بارے پاک وہند کے اکابر ملت کے بیانات اور تصدیقات پڑھیں گے تو ضرور یہ محسوس کریں گے کہ اس موضوع پر یہ کتاب بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی معلومات افزاء اور تحقیقی ہے حتیٰ کہ مؤلف نتائج التقلید (جن کے ردّ میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور جو اَب مرحوم ہو چکے ہیں ، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے گناہوں اور لغزشوں سے درگذر فرمائے آمین) یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ :۔ ان میں ایک تو مولانا مولوی محمد سرفراز صاحب گکھڑوی ہیں جو اپنی علمی قابلیت ، وسعت معلومات اور تدریسی و تصنیفی شہرت کے اعتبار سے دیوبندیوں میں خاصے معروف و مشہور ہیں بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ عہد حاضر کے فن مغالطہ (یعنی فن تحقیق کیونکہ

رکھ لیا ہے نام اُس کا آسماں تحریر میں۔ صفدر صاحب کے امام مجدد ہیں تو درست وصحیح ہے چنانچہ ان کی تصنیف احسن الکلام ان کی مجددیت اور فنی کمالات پر شاہد ہے نہ صرف یہی بلکہ نتائج التقلید کے جواب میں مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ اور طائفہ منصورہ میں جس انداز سے فنی کمالات کا مظاہرہ کیا ہے وہ ان کا ایسا شاہکار ہے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر شائد ہی پیدا ہو (بلفظہٖ مقام الحدیث ص۳) موصوف نے آگے اپنی اس کتاب میں چند مقامات میں گکھڑوی صاحب کا عنوان التقیا لکھ کے مقام ابی حنیفہؒ کی کچھ نامکمل اور ادھوری عبارتیں بھی نقل کی ہیں اور پھر بزعم خویش ان پر تنقید کرنے کی بے جا سعی بھی کی ہے لیکن پوری دیانت کے ساتھ عرض ہے کہ اس تنقید میں بجز دل کی بھڑاس نکالنے کے کوئی علمی اور تحقیقی جان نہیں ہے اور ہمارے پاس اتنی فرصت نہیں کہ ہم پہلے ان کی پیش کردہ تنقید میں جان ڈالیں اور پھر اس کی تردید کریں، ہم ہر منصف مزاج سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان کی بے وزن تنقید کا خود ہی انصاف سے جائزہ فرمالیں کہ کیا علمی اور تحقیقی طور پر اس کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے؟ ہاں ان کی اس کتاب میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو عوام کے لیے موجب شبہات ہوسکتی ہیں اور ان کا جواب بھی ضرور ہونا چاہیئے لیکن ان باتوں کا تعلق اس پیش نظر کتاب مقام ابی حنیفہؒ سے نہیں بلکہ تقلید وغیرہ دیگر پہلوؤں سے ہے انشاء اللہ العزیز ان کا جائزہ الکلام المفید وغیرہ میں لیا جائے گا، اس کتاب میں غیر متعلق امور چھیڑ کر ہم قارئین کرام کے اذہان کو بلاوجہ مشوش نہیں کرنا چاہتے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیں حق اور اہل حق سے وابستہ رکھے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وجمیع متبعیہ الی یوم الدین۔

احقر الناس ابوالزاہد

۹؍ ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ

۱۶؍ فروری ۱۹۷۰ء

پاک و ہند کے مشہور و مقتدر اور جلیل القدر علمائے کرام کی

تصدیقات

①

استاذ العلماء، رأس المحققین سابق وزیر معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان و شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل وحالاً شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حضرت مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

کتاب مندرجہ صدر حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز صاحب کی تصنیف ہے جو "نتائج التقلید" کے جواب میں لکھی گئی ہے، یہ حقیقت ہے کہ جو شخصیت جس قدر باکمال اور مقبول عند اللہ ہوتی ہے، اسی تناسب سے ان کے حاسدوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے، صبحی محمصانی نے اپنی کتاب "فلسفۃ التشریع فی الاسلام" میں لکھا ہے کہ حنفیوں کی تعداد جملہ عالم اسلام کی دو تہائی ہے، مالکیوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے، شافعیوں کی تعداد دس کروڑ، حنبلیوں کی تعداد تیس لاکھ ہے، یہ ایک شافعی مصنف کی رائے ہے، اس سے امام موصوفؒ کی مقبولیت عند اللہ کا اندازہ لگائیے، امام ابن تیمیؒ شارح بخاری نے امام صاحبؒ پر امام بخاریؒ کے اعتراض کے سلسلے میں بالکل درست لکھا ہے کہ لا یرمی شجر الا ذو ثمر۔ امام ابو حنیفہؒ پر مخالفین کے جملہ اعتراضات کا خلاصہ تین امور ہیں۔ (۱) فقہ اور رائے کی طرف ان کا انتساب (۲) دوئم قلت حدیث کا الزام (۳) قیاس و رائے کو حدیث پر ترجیح دینا اور فقہ پر اعتراض۔ زیر نظر کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے تین ابواب میں تفقہ کا شرعاً محمود اور مطلوب ہونا ثابت کیا گیا جس کے لیے قرآنی آیات و

احادیث و تعامل صحابہؓ سے استدلال کیا گیا اور نقول کا پورا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں زور دار دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مقام علم کلام و فقہ میں تمام آئمہؒ سے بلند تھا۔ باب ششم و هفتم و ہشتم میں مخالفت حدیث اور رائے مذموم سے امام ابوحنیفہؒ کی برأت مدلل طریقہ سے ثابت کی گئی ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ کتاب مخالفین کے تمام اعتراضات کی جڑ کاٹنے اور امام ابوحنیفہؒ کے اصلی مقام کو واضح کرنے میں لاجواب ہے، ان امور کے علاوہ ضمنی طور پر یہ کتاب دیگر نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہے جس کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ امام موصوفؒ پر اعتراض کرنا آفتاب پر تھوکنے کا مترادف ہے، خداوند تعالےٰ اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ / ۱۶ ستمبر ۱۹۶۲ء

شمس الحق افغانی عفا اللہ اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ

(۲)

استاذ الاساتذہ، سند العلماء، سید المناظرین علامہ دوراں

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ

مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان (مغربی پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ

الی یوم الدین، اجمعین،

امّا بعد!

سیدنا امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف مخصوصہ، علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت، امانت و اجتہاد وغیرہ جس طرح تمام اہل ایمان میں مسلّم ہیں، اسی طرح آپ کی شان محدثیت، حدیث دانی، حدیث فہمی بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ اس لیے ایک شخص کی علمی خوبیوں کے لیے اس کی درس گاہ، نصاب تعلیم، اس کے فہم و فراست، اس کے شیوخ و اساتذہ، جلیل القدر تلامذہ، امت مسلمہ کی شہادت پر نظر کرنا اس کی جلالت شان کے لیے کافی ثبوت ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ دار العلوم کوفہ محترمہ تھا۔ جس کے سرپرست اعلیٰ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور اس کے صدر مدرس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ اور دونوں حضرات کے علوم حدیث وفقہ پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی بنیاد تھی۔ چنانچہ سراج الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۶/۱ میں فرماتے ہیں وکان ابوحنیفہ الزمھم بمذھب ابراھیم النخعی واقرانہ اھ یعنی حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے اقران کے مذہب کو امام ابوحنیفہؒ زیادہ لازم پکڑنے والے تھے۔ اور ص ۱۱۵/۱ میں فرماتے ہیں۔ واصل مذھبہ فتاوی عبداللہ بن مسعود وقضایا علی وفتاواہ وقضایا شریح وغیرہ من قضاۃ الکوفۃ اھ۔ یعنی ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے فتوے اور حضرت علیؓ کے فیصلے اور فتوے اور قاضی شریحؒ وغیرہ کے فیصلے تھے۔

اور حضرت علی وحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق علامہ ابن قیمؒ اعلام الموقعین ص ۱۸/۱ میں امام مسروقؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

عن مسروق شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمھم ینتھی الی ستۃ علیؓ وعبداللہ وعمر وزید بن ثابت وابی الدرداء وابی بن کعب۔ ثم شاممت الستۃ فوجدت علمھم انتھی الی علی وعبداللہ۔ اھ

یعنی حضرت مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو دیکھا تو سب کا علم (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوا تھا۔) چھ صحابہؓ میں موجود پایا۔ پھر ان چھ کو جانچا تو ان کا علم حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ میں پایا۔

حضرت علیؓ تو باب علم ہی ہیں۔ ان کا تو کہنا ہی کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم وفضل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعتماد تھا کہ آپ نے ان کو چار سندوں سے نوازا تھا۔ سندِ قرآن، سندِ حدیث، سندِ فقہ، سندِ سیاست، اور لوگوں کو ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کی فقہ اور مسائل تمام حدیث کے مطابق ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اپنے مکاشفات میں لکھتے ہیں۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق

الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ولقحت في زمان البخاري واصحابه (فیوض الحرمین)

یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں مجھے خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کرایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ وہ زیادہ موافق ہے سنت نبوی مشہور کے جو جمع کی گئی ہیں امام بخاریؒ اور ان کے زمانہ میں۔

اس زمانہ میں نصاب تعلیم بھی قرآن و حدیث تھا۔ فنون کا رواج بعد میں درس گاہوں میں ہوا ہے اور فہم و فراست امام ابوحنیفہؒ کا معروف ہے۔ یحییٰؒ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں:۔

لا نکذب بالله ما سمعنا احسن من رائ ابي حنيفة اھ۔ یعنی اللہ کی قسم ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے کوئی اعلیٰ رائے والا سنا بھی نہیں۔ ایسی حدیث کی جامع اور ماہر شخصیتوں کی درس گاہ جس کا نصاب تعلیم قرآن و حدیث ہو کبھی حدیث سے خالی ہو سکتی ہے؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسی درس گاہ میں پڑھا و پڑھایا۔ بھلا اس بابرکت درس گاہ کے طالب علم اور مدرس حدیث سے ناواقف ہو سکتا ہے؟۔ فیا للعجب۔

شیوخ و اساتذہ امام ابوحنیفہؒ اکابر محدثین تابعین، امام شعبیؒ، سلمہؒ بن کہیلؒ، محاربؒ بن دثارؒ، امام باقر وغیرہ جیسے تھے، حسنؒ بن زیادہؒ کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ چار ہزار احادیث روایت کرتے تھے دو ہزار حمادؒ سے دو ہزار باقی شیوخ سے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔ صرف وہ مشاہیر محدثین جن کو امام صاحبؒ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، وہ بھی کافی ہیں۔ حافظ ابوالمحاسن شافعیؒ نے ۹۱۸ شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ جن میں بعض کے نام یہ ہیں: یحییٰؒ بن سعید القطانؒ، عبداللہؒ بن المبارکؒ، یحییٰؒ بن زکریاؒ، وکیعؒ بن جراح، یزیدؒ بن ہارونؒ، حفصؒ بن غیاثؒ، ابوعاصم النبیلؒ، عبدالرزاقؒ بن الہمامؒ، وغیرہ وغیرہ۔

بھلا مشاہیر محدثین اساتذہ کرام اور نقاد حدیث تلامذہ عظام رکھنے والا اور خود صاحب فہم و فراست حدیث سے خالی ہو سکتا ہے؟ فیا للعجب۔ جس کی حدیث دانی اور حدیث فہمی کی ہزاروں شہادتیں موجود ہوں۔ مگر ہم ان میں سے ایک شہادت مذہب اہلحدیث کے مجدد نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجیؒ کی امام اعظمؒ کے کبار محدثین میں سے ہونے کی دلیل خود علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں:۔

ويدل على انه من المجتهدين في علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم والتعويل عليه واعتباره

ردّا وقبولاً۔ اھ (المحطہ ص ۳۴) یعنی امام ابُوحنیفہؒ کبار محدثین میں شمار ہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ اُن کے مذہب پر اعتماد و اعتبار کر کے موافق و مخالف ردّ اور قبول کی طرف متوجہ ہیں۔

غیر مقلّدین نے حسد و عداوت یا ان کے مدارک علمیہ سے ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ پر قلّت حدیث کا اعتراض کیا۔ اور ان کے احتیاط فی الروات کو دیکھ کر ان کے ہنر کو عیب سمجھا۔ جس کے جواب میں یہی کہنا کافی ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم!
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ!

مکرم محترم ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ علامۃ الدھر حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب خطیب جامع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ نے (مقام حضرت امام ابُوحنیفہؒ) لکھ کر ایک طرف تو امام ابُوحنیفہؒ کے ساتھ عقیدت مندی اور محبّت ومودت کا اظہار کیا۔ تو دوسری طرف غیر مقلّدین کے تمام اعتراضات اور شبہات ومناقشات کا دندان شکن نہایت متانت اور تسلی سے عالمانہ جواب دے کر عام احناف پر احسان کیا۔ فجزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔ اللّٰہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ اور دنیا و آخرت میں ان کی صدق نیّت اور اخلاص سے بڑھ کر اپنی رضاء و قرب عطاء فرماوے۔ آمین۔

آخر میں موافقین اور مخالفین سے التجا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ بنظر انصاف ایک مرتبہ ضرور کریں اور تعصب مذہبی کو اس میں دخل نہ دیں۔ امید ہے کہ ان شواہد شمسیہ کے ہوتے کوئی انصاف پسند سراج الامۃ امام الائمہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے متعلق غلط فہمی یا ناواقفیت سے خیالات فاسدہ جمائے ہوئے ہیں، سب کافور ہو جائیں گے۔ اور حق واضح ہونے کے بعد فوراً اس کو قبول کریں گے اور اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کرنے میں عار نہیں محسوس کریں گے ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو از نصیحت من پند گیر وخواہ ملال!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

(۳)

شیخ المعقول والمنقول ماہر علم حدیث وطبقات الرجال محقق دوراں ———

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ

فاضل محترم مولانا سرفراز خان صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ وعافاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں نے مرسلہ رسالوں کو بغور پڑھا، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، ماشاء اللہ، آپ حضرات علم اور مذہب کی خدمت کا فرض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں، سبھی رسالے قابلِ قدر ہیں، مگر "مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ" شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، امام عالی مقام سے بغض رکھنے والوں کی الزام تراشیوں کا ایسا دندان شکن ومسکت جواب آپ نے دیا ہے، اور اس سلسلہ میں ان کی فریب کاریوں کا پردہ اس طرح چاک کیا ہے، کہ اس کے بعد کسی حیادار کو اس قسم کی حرکتوں کی جرأت نہیں ہو سکتی، پھر بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سخت مرحلہ پر بھی سنجیدگی ومتانت کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی صحت وتندرستی کو برقرار رکھے، اور خدمت دین ومذہب کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

مئو۔ اعظم گڑھ، ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۸۲ھ

———

(۴)

فقیہہ دوراں مفتی اعظم پاکستان وسابق مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ

علامہ محترم مولانا ابوالزاہد سرفراز صاحب ادام اللہ تعالیٰ بقاءہ بالخیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ محترم کی کتاب مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ وصول ہوئی اور ساتھ ہی گرامی نامہ بھی بہت افسوس ہے کہ جواب بہت دیر سے دے رہا ہوں، اتنی دیر کہ اعذار کا ذکر بھی اب فضول معلوم ہوتا ہے۔

آنمحترم کی تصنیفِ لطیف احسن الکلام اس سے پہلے نظر نواز ہو چکی تھی اس لیے اس کے معاملہ میں کچھ زیادہ تنقید و مطالعہ کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ میں ایسے ہنگامی مشاغل میں شب و روز مبتلا ہو گیا ہوں کہ پہلی کتاب کو بھی جستہ جستہ کہیں کہیں سے دیکھا تھا اور اس کو بھی اسی طرح، مگر اس کتاب پر کوئی تبصرہ لکھنے کے لیے دل نے یہ چاہا کہ پوری طرح دیکھ کر لکھا جائے وجہ یہ تھی کہ میں خود امام اعظم ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک ایسی کتاب کی ضرورت عرصہ سے محسوس کر رہا تھا اور اس کے لیے کچھ علمی مواد بھی جمع کر رکھا تھا مگر انہیں وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا کہ اس کو کتابی صورت میں مرتب کر سکوں اس لیے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت یوں پڑی کہ اگر اس کتاب نے وہ مقصد پورا کر دیا تو اپنے قلب و دماغ کو اس سے فارغ کر لوں اور سب کو اسی کے مطالعہ کا شوق دوں، مطالعہ کے لیے وقت ملتا نہیں۔ اس لیے میں نے اپنے دارالعلوم کے ایک فاضل عالم مدرس حدیث مولانا سلیم اللہ صاحب کو سپرد کیا کہ پورا مطالعہ کر کے مجھے کیفیت سے مطلع فرما دیں۔ آج انہوں نے پورے مطالعہ کے بعد جس اطمینان کا اظہار کیا اس سے بیحد مسرت ہوئی۔ اب خود بھی کتاب کو مختلف مقامات سے پڑھا بار بار دل سے دعا نکلی، بحمداللہ میری آرزو پوری ہو گئی بلا مبالغہ عرض ہے کہ میں خود لکھتا تو ایسی جامع کتاب نہ لکھ سکتا۔ اس موضوع پر یہ کتاب بالکل کافی شافی ہے، مولانا موصوف سے بھی احقر نے ان کی رائے لکھوالی ہے، وہ بھی مرسل ہے مجھے اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔

خدا کرے یہ کتاب زیادہ سے زیادہ شائع ہو کر مفید خلائق بنے۔ والسلام

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

(۵)

عالم علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا **محمد سلیم اللہ صاحب** دامت معالیہم مہتمم جامعہ فاروقیہ ڈرگ کالونی کراچی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم :۔ احقر نے مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ کو از اوّل تا آخر بغور مطالعہ کیا ہے، اس کے مصنف مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز کی بعض دوسری کتب بھی احقر کے مطالعہ میں رہی ہیں، مولانا موصوف کا تصنیفی انداز بہت سلجھا ہوا اور تحقیقی ہوتا ہے، وہ عام طور پر دقیق علمی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں اور نہایت سلیقہ اور خوبصورتی کے ساتھ اہل حق کی تائید میں قرآن وسنت اقوال صحابہؓ و ائمہ تابعینؒ و فقہاءؒ سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

"مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ" میں مصنف کا روئے سخن غیر مقلدین کی طرف ہے۔ اس جماعت کی دریدہ دہنی فقہائے امت کی شان میں گستاخی اور استہزاء، ان پر بے بنیاد الزامات کے حملے روزمرہ کی بات ہو گئی ہے، پھر چونکہ سرتاج فقہاء سید الطائفہ امام الائمہ حضرت ابوحنیفہؒ کی فقہ ہمارے دیار میں رائج اور معمول بہ ہے، اس لیے غیر مقلدین کا زور طعن و تشنیع زیادہ اسی بزرگ امام پر صرف ہوتا ہے، اس لیے مصنف نے امام اعظمؒ کی شان تقویٰ و ورع اور علمی مقام ان کی مجتہدانہ خصوصیات، اور علم فقہ وحدیث و کلام میں ان کی امامت کو نہایت مستند اور ناقابل انکار شواہد اور حوالجات کے ساتھ پیش کیا ہے، اسی ضمن میں متعدد اصولی و فروعی دقیق مباحث پر بھی سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، مثلاً فقہ و اجتہاد کی اہمیت فقہاء کوفہ اور وہاں کے محدثین تفصیلی تعارف "رائے" کا صحیح مفہوم اور اس کی شرعی و عرفی حیثیت امام اعظمؒ کے یہاں رائے و قیاس کے اعتبار کا صحیح معیار اور حدیث کا خواہ وہ ضعیف ہی ہو رائے پر رجحان جیسے بہت سے مسائل زیر بحث آ گئے ہیں۔ مخالفین نے امام ابوحنیفہؒ پر جس قدر اعتراضات کئے ہیں، ان کے کافی و شافی جوابات دیئے گئے ہیں، ہر جگہ علماء اہل حدیث کے اقوال کو بھی تائید میں پیش کیا گیا ہے معترضین کے تعصب اور کج فہمی کو آشکارا کرتے ہوئے

قدرتی طور پر مصنف کا لہجہ تیز ہو جاتا ہے مگر وہ سنبھل سنبھل کر اس سے بچ نکلتے ہیں اور عام طور پر غیر مقلدین کی زبان میں گفتگو کرنے ہی سے پرہیز کرتے ہیں لیکن احقر کے ذوق کے مطابق اگر لہجہ میں بالکل بھی تیزی نہ ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا بہرکیف ان کا یہ علمی شاہکار قابل صد آفریں ہے، حق تعالیٰ اس کو ان کے لیے ذخیرہ آخرت اور دوسروں کے لیے سامانِ ہدایت فرمائیں، آمین۔ فقط

محمد سلیم اللہ عفی اللہ تعالےٰ عنہ

۱۵/۴/۸۲ھ

(۶)

عالم نحریر۔ جامع اصول و فروع۔ مصنف بارع۔ فائق علی الاقران نمونۂ اکابر

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری نوراللہ مرقدہٗ

سابق مہتمم المدرسۃ العربیہ۔ بنوٹاؤن کراچی ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد سید الانبیاء والمرسلین وصحبہ وتبعہ اجمعین

امّا بعد

اس پُرآشوب دَور میں جہاں شعائر اسلام اور شعائر دین کا استخفاف روزمرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دین اسلام داخلی وخارجی فتنوں سے ہمکنار ہو اسلام کے نام سے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی ہو، کتاب وسنّت واحادیث نبوّیہ کی تحریف وانکار کے فتنے زور وشور سے ملک میں پھیل رہے ہوں اور اسلام کے نام سے پورا کفر مسلّط کیا جارہا ہو، اس قسم کے پُرفتن دور میں بعض حضرات اور ناعاقبت اندیش افراد کا یہ مشغلہ کتنا تکلیف دہ ہے کہ امام دین حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو ہدف طعن وتشنیع بنانے میں پوری قوت وتوانائی خرچ ہو رہی ہو یا صدیقؓ وفاروقؓ کی تکفیر وسب وشتم میں طبع آزمائی ہو رہی ہو، گویا مدعیان اسلام اور خیرخواہان دین محمدی کے جہاد کے لیے یہی میدان رہ گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دردناک داستان کی ایک کڑی وہ کتاب ہے جو نتائج التقلید کے نام سے تصنیف

کی گئی ہے جس میں عرصہ دراز کے متعفن و غلاف واقعہ اکاذیب کو جدید سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک عرصہ سے علماء امت ان کا استیصال کر کے دفنا چکے تھے، اور ایک ہزار برس تک ان پر خاک افشانی کرتے رہے اسلام کے اس نازک دور میں کفر والحاد و کمیونزم کے دور میں ان غیر واقعی افسانوں کو علمی تحقیقات کا رنگ دے کر اس کی اشاعت کرنا کتنا دردناک منظر ہے۔

لمثل ھذا یذوب القلب عن کمد ان کان فی القلب اسلام و ایمان

جناب محترم مولانا محمد سرفراز صاحب بارک اللہ فی حیاتہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے ان خرافات کا عالمانہ و محققانہ جواب دیا اور "مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ" تالیف فرما کر امت محمدیہ کی طرف سے فرض کفایہ کا حق نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا مولانا کا اسم گرامی تو عرصہ سے کانوں میں پڑتا رہا، لیکن ان کو سمجھنے کا موقع اس کتاب سے ملا۔ اکثر حصہ حرفاً حرفاً دیکھا ماشاء اللہ امام اعظم رحمہ اللہ کے مختلف گوشے فقہ میں نادرہ عالم اور فقیہ امت ہونے کے نقول حفظ حدیث و دقت نظر کثرت مرویات، قلت روایت کا منشاء اور احتیاط فی الروایۃ اہل الرائے کی تحقیق وغیرہ وغیرہ سب ہی موضوعات پر موثوق ماخذ سے غرر النقول آ گئے اور تقریباً اکثر ابحاث پر استیفاء کے ساتھ سیر حاصل تبصرہ بصیرت افروز محققانہ انداز سے ہو گیا اور معترضین و ناقدین کے شکوک و شبہات و وساوس و اوہام کا نہایت خوش اسلوبی سے استیصال کیا گیا انداز تحریر عالمانہ ہے، اردو شگفتہ ہے، اسلوب بیان مؤثر ہے، کہیں کہیں ادیبانہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ خدمت قبول فرمائے، اور مثمر و نافع بنائے، اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ

۲۸ صفر الخیر ۱۳۸۲ھ

(۷)

استاذ العلماء المحققین۔ محقق نبیل، محدث جلیل، ماہر علوم اسلامیہ
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ
سابق شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، سندھ پاکستان

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ:۔

آپ کی کتاب "مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ" موصول ہوئی، اسی وقت سے اس کو پڑھنا اور دیکھنا شروع کیا، تمام تو نہیں دیکھ سکا، مگر اہم مقامات کو دیکھا ماشاء اللہ آپ نے خوب لکھا ہے اور معترضین کے اعتراضات کا کھوکھلا پن اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے، امام عالی مقام کا علم حدیث میں مرتبہ علیا اور رائے اور اہل الرائے کا صحیح درجہ خوب واضح فرمایا ہے، جزاک اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو آلہ یار سندھ
۲۸ صفر ۱۳۸۲ھ

(۸)

شیخ المشائخ۔ عالم نبیل۔ ماہر اسرار شریعت، پیر طریقت
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ وکفی والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء، وعلی آلہ المجتبی واصحابہ النجباء وائمۃ الھدی خصوصاً علی ابی حنیفۃؒ المبشر بحدیث لو کان العلم بالثریا

امابعد:۔

احقر نے کتاب مستطاب "مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ" کو بغور وبنظر امعان مطالعہ کیا بے ساختہ زبان سے نکلا لمثل ھذا فلیعمل العاملون، جوں جوں کتاب کو آگے دیکھا شوق مطالعہ دامنگیر ہوتا گیا کذالک یفعل الرجل البصیر۔ حضرت مصنف دامت معالیہ دورِ حاضر کے محققین مصنفین میں سے شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اس لاجواب کتاب میں جو عرق ریزی اور جانفشانی سے خداداد قابلیت کا اظہار فرمایا، چنانچہ باید و مصنف را شاید، بآب زر باید نوشت خصوصاً باب ششم و

باب ہفتم باب کوثر باید نوشت۔ ایسے جواہر پارے جمع فرمائے ہیں جو اسفار کے دیکھنے سے کم نصیب ہوں، جس موضوع میں کتاب لکھی گئی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، ردّ مطاعن میں وہ دندان شکن جواب ہیں۔ کہ قلم توڑ کر رکھ دی جائے۔ علاوہ ازیں افادیّت کتاب کی شان یہ ہے کہ گویا تاریخ و اسماء الرجال کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اہل علم حضرات اس کتاب سے مستغنی نہ ہوں۔ بہت معلومات عجیبہ و انکشافات غریبہ پائیں گے۔ دعا ہے کہ خدائے قدوس اس محنت کو منظور فرماویں اور حضرت مصنّف کے لیے باعث رفع درجات ہو۔ جزاه الله عنّا خير الجزاء وجعل لمحات حياته فى تقوية شريعته العُليا۔ وَلَلْآخِرَةُ خيرًا من الأولى۔ وما ذٰلك على الله بعزيز

احقر خادم الطلبه

محمد شفیع عفی عنہ از سرگودھا

⑨

عالم باعمل، نمونۂ سلف حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

از احقر عبد اللہ غفرلہٗ مدرس مدرسہ رشیدیہ ساہیوال

مکرّم محترم حضرت علّامہ مولانا صاحب دامت برکاتہم

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ:۔ والا نامہ اور ہدیہ کتاب مقام حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسرور فرمایا، میں حیران تھا کہ میں کیا اور میری رائے کیا، میں نے تو کبھی کوئی تقریظ یا کوئی مضمون کبھی نہیں لکھا مجھ کو لکھنے کا سلیقہ ہی نہیں، اور میں کوئی عالم بھی نہیں، یونہی بزرگوں اور احباب کی شفقتیں ہیں کہ پردہ پوشی ہو رہی ہے کتاب کا مطالعہ کیا، بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کتاب کے مطالعہ نے میری بہت اصلاح کی۔ میں خود بعض گھنجلکوں میں تھا، گو بحمد اللہ بدظنی تو کبھی نہ ہوئی مگر جواب تفصیلی سے جاہل تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماوے، آپ کے لیے دل سے دعا نکل رہی ہے۔

احقر عبد اللہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

---

(۱۰)

استاذ العلماء۔ قائدِ جماعت حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الحدیث جامعہ صدیقیہ مجاہد پورہ۔ گوجرانوالہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــــــ امابعد

احقر حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب (مقام امام ابوحنیفہؒ) اپنی کم فرصتی کے باعث بالاستیعاب تو نہ دیکھ سکا اس کے کچھ حصص دیکھے جس سے یہ عرض کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ صاحب موصوف نے اہلِ علم کو اس کی باحسن طریق رہنمائی کر دی کہ امامنا امام ابوحنیفہؒ نوّر اللہ مرقدہٗ علم و فضل، زہد، تقویٰ، اخلاص عمل، خوف آخرت، اجتناب عن العیوب والذنوب اور تبعّد عن ابناء الدنیا والملوک اور خشیۃ اللہ والتوکل علی اللہ الغرض ہر علمی اور عملی خوبی جو ایک اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے میں بعد الانبیاء پائی جا سکتی ہے، آپ اس سے موصوف ہیں (آفتاب آمد دلیل آفتاب) اور امام موصوف پر زبان طعن دراز کرنے والے آفتاب کی طرف تھوک رہے ہیں۔ ؎

حسدوا الفتیٰ اذ لم ینالوا فضلہٗ ۔۔۔ فالناس اعداء لہٗ وخصوم

کضرائر الحسناء قلن لوجہہا ۔۔۔ حسدا وبغیاً انہ لدمیم

سو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب ہٰذا کی سعی مشکور اور عمل ماجور اور لغزشیں مستور فرمائے اور آپ کو اپنے امثال میں اسی طرح روشن کرے جس طرح انہوں نے سراج الامۃ کی روشنی لوگوں پر واضح کی ہے خصوصاً اس زمانے میں جب کہ کئی ایک لوگوں نے یہ دستور بنا رکھا ہے کہ نحومیر اور ہدایۃ النحو پڑھ کر صحیح بخاری اور مسلم میں مہارت کے مدعی بن بیٹھتے ہیں اور ائمہ دین و جبال علوم کی وہ توہین اور مذمت کرتے ہیں کہ کوئی نیک دل مسلمان اس کے سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

فالی اللہ المشتکیٰ۔

(العبد شمس الدین عفی عنہ ناظم و مدرس جامعہ صدیقیہ محلہ مجاہد پورہ گوجرانوالہ)

---

(۱۱)

عالمِ حقانی، محققِ جلیل حضرت مولانا سید امین الحق صاحب مدظلہ العالی خطیب جامع شیخوپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد:۔ بندہ احقر نے کتاب مقام ابوحنیفہؒ مصنفہ محترم المقام فاضل جلیل صاحب بصیرۃ صاحب التحقیق حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر کو از اوّل تا آخر ایک ایک سطر دیکھا کتاب مذکور متلاشیانِ حق کے لیے بصیرت اور مشعل ہدایت ہے حضرت مولانا موصوف نے کتاب و سنّت میں فقہ اور فقہار کی ضرورت اور خصوصاً فقہ حنفیہؒ کی ترجیح اور تقدیم کی وجوہ پر بہتر، لطیف اور مبسوط بحث فرمائی ہے متقدمین اور متاخرین فقہار اور محدثین میں سراج الامت امام ابوحنیفہؒ کی علم حدیث میں امامت و عظمت اور علم فقہ میں فضل و تقدم کو امت مسلمہ کے معروف اور مقبول ائمہ حدیث اور فقہ کے مستند اور صحیح اقوال و آراء سے ظاہر فرمایا ہے، اور علم حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کے فضل و تفوق کے متعصب بدزبان معاند کو نہایت متین سنجیدہ زبان میں مسکت اور دندان شکن آخری جواب دیا ہے، اور نتائج التقلید کے مؤلف اور دیگر اس قسم کے اندھے اور بدمزاج غیر مقلدین کی تلبیسات کا پردہ چاک کر دیا ہے، حضرت مولانا موصوف نے مقام امام ابوحنیفہؒ میں علم اور فہم وحزم کی بلندیوں میں دوسرے متعلقہ اہم اوراق مباحث پر جس شان سے کلام کیا ہے وہ حضرت مولانا ہی کی شان کے شایان ہے اور میرے دل میں سلف صالح کی علمی وسعت احتیاط اور سادگی کی یاد کو تازہ کر دیا ہے، مقام امام ابوحنیفہؒ مذکورہ تمام مباحث کی سند اور صحت کے التزام کے ساتھ ان کی جامعیت حضرت مولانا کے فوق العادۃ علم و بصیرت اور اخلاص و محبّت کے بےلوث توجیہات اور ہمدردانہ جذبات کے روشن دلائل ہیں، مقام امام ابوحنیفہؒ اپنے موضوع میں بےنظیر اور بہترین تازہ تصنیف ہے اور اُردو زبان میں ایک بیش بہا علمی خدمات کے ایک مجموعہ کا اضافہ کر دیا، اہل علم طبقہ عموماً اور فقہ حنفی سے دینی راہنمائی لینے والے خصوصاً مقام امام ابوحنیفہؒ کے افاضات سے ضرور استفادہ فرمائیں اللہ تعالیٰ اس تالیف کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے موجب بصیرت و ہدایت بنائے اور فاضل مؤلف

کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین یارب العالمین۔

(امین الحق خطیب جامع شیخوپورہ)

(۱۲)

فاضل نوجوان، عالم جری، قائم علی الحق حضرت مولانا ابوالاعجاز محمد نذیر اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب جامع حیات النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) گجرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

الحمد للّٰہ الذی جعل فی کل زمان بقایا من اھل العلم۔ یدعون من ضل الی الھدیٰ ویبصرون بنور اللّٰہ اھل العمیٰ والھوی۔ وینصرون بالبراھین القاطعۃ الطریقۃ الحنفیۃ البیضاء۔ ویرشدون بالدلائل الواضحۃ اھل الجھالۃ والردیٰ وجعل طائفۃ من العصابۃ الحنفیۃ بالحق قائمین ولاھل الھویٰ والضلالۃ مجاھدین لا یضرھم من خالفھم حتیٰ یاتی امر اللّٰہ وھم الغالبون۔ اولئک حزب اللّٰہ الا ان حزب اللّٰہ ھم المفلحون۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام خاتم الانبیاء محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔ اما بعد

نہ من بر آں گل عارض غزل سرائم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ھزار انند

اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان علیہ الرحمۃ والرضوان اور فقہ حنفی کی شان و توصیف میں آج تک کثیر التعداد رسائل اور کتب معرض وجود میں آئیں۔ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی اپنی بساط کے مطابق طائفہ منصورہ اہل السنت والجماعت کے ائمہ کرامؒ نے امانت اور ثقاہت اور فقاہت امام اعظمؒ میں شہادتیں دیں مگر ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است !

نادرۃ الدھر۔ انموذج العلماء حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صاحب لازالت شموس فیوضاتہ بازغۃ نے اپنی کتاب مستطاب میں فقہ حنفی کی قدر و قیمت اور فقہ و حدیث و کلام میں مقام امامؒ کو جس نرالے اور عام فہم انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ جناب ہی کا حصہ ہے۔ کم ترک الاول للاخر کے اصول کے ماتحت اس کتاب کا وجود ضروری تھا جس میں دورِ حاضر کے فتنے کی سرکوبی کی گئی

اور ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ پر بھی عمل کیا۔ اہل ھوٰی (اہل حدیث بزعم خویش) نے فقہ حنفی سے متنفر کرنے کے لیے امام صاحبؒ پر نہایت سوقیانہ انداز میں رکیک حملے کیے اور منکرین حدیث نے امام موصوفؒ کو منکرین حدیث کی سر فہرست شامل کیا ؎

کم من عائب قولا صحیحا   وآفتہ من الفہم السقیم

ان فتنوں کا ظہور نتائج التقلید اور دیگر کتب کی شکل میں ہوا۔ خصوصاً نتائج التقلید کی صورت پر شنائی اور روپڑی تصدیقات کا غازہ لگایا گیا تاکہ دلدادگان ھوٰی خریدار ہوں۔ اور اہل حق اس کی ہرزہ سرائی سے بیزار کانوں پر ہاتھ رکھ کر گریز پاتے۔ چونکہ تحریف غالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاہلین سے حق وصداقت کی صیانت اور حفاظت ضروری تھی۔ اس لیے یہ سعادت حضرت شیخ الحدیث صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خاں صاحب کو نصیب ہوئی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مقام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تفقہ فی الدین اور فقہ حنفی کی افادیت اور حقانیت کو مدلل اور مبرہن طریق سے بیان فرمایا۔ قال الشافعیؒ :-

کل العلوم سوی القرآن مشغلۃ   الا الحدیث والا الفقہ فی الدین

یہ کتاب مولانا کی تبحر علمی اور وسعتِ مطالعہ اور فہم و ذکا کا خلاصہ ہے، نیز معترضین کے اعتراضات کا خوب تعاقب کیا، بلکہ یہ کتاب بہت سے علوم کا ذخیرہ ہے۔ خداوند کریم مولانا کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے جنہوں نے اپنا قیمتی وقت اس عظیم الشان کام کے لیے صرف کیا۔ واللہ سمیع علیم۔ (آمین ثم آمین)

حضرت کے تعمیل ارشاد کے لیے اظہار خیال کیا ہے، ورنہ مولانا کی کتاب میری تقریظ و تبصرے کی محتاج نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابو الاعجاز حفیظ الرحمٰن محمد نذیر اللہ خاں (فاضل دیوبند)
سرپرست جامع مسجد حیاۃ النبی گجرات (المتوطن پنجوڑیاں
تحصیل کھاریاں)

---

(۱۳)

اسوۂ علماء، رئیس المحققین حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی جامعہ اشرفیہ، نیلا گنبد۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و محمداً لا و مصلیاً و مسلماً

اما بعد :۔

معلوم نہیں کیوں ہمارے غیر مقلد بھائی جو اپنے کو "اہل حدیث" کہہ کر دوسرے تمام مسلمانوں کو حدیث پاک سے انحراف کے اشارہ سے پراپیگنڈہ پر تلے ہوئے ہیں، تقلید ائمہ اربعہؒ کو شرک قرار دیتے ہیں حالانکہ شرک صفات خاصہ الٰہیہ میں غیر کو شریک ماننا ہوتا ہے ورنہ اگر قرآن و حدیث کے ناسخ و منسوخ راجح و مرجوح قوی ضعیف ظاہر و باطن اور منشا شارع میں کوئی کسی بزرگ کی تحقیق کو حضور کے زمانہ سے قرب علم و حافظہ کے سمندر کی غوطہ زنی تقویٰ و دیانت، دین داری کے اعلیٰ مدارج پر ہونے کی وجہ سے اپنی کم مائیگی، غلبہ ہوا و ہوس کے زمانہ اور عہد خیر سے دوری کی بنا پر قبول کرتا ہے یہ شرک ہوتا ہے تو ہر انسان استادوں ماں باپ اور تمام علوم خصوصاً علم حدیث و رجال کے بتلانے والوں کی باتیں قبول کرنے سے مشرک بنے گا اور کم سے کم یہ حضرات تو اپنے مسلمہ قاعدہ میں آکر مشرک قرار پا ہی جائیں گے، دوسرے لوگ تو اس اصل کے ہی منکر ہیں وہ ہر جگہ بری رہیں گے۔ اور گو ائمہ مجتہدینؒ بہت بڑی تعداد میں ہوئے اور بہت بہت، لوگ ان کی تقلید سے سرفراز ہوئے ہاں مکمل فروع و جزئیات پر صرف چار مذہب مدون ہوئے اور اب انہی تحقیقات پر مسلمانوں کی اکثریت عمل کی بنیاد رکھتی ہے، ان سب کو مشرک کہہ کر اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور خصوصیت سے تمام ائمہؒ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ پر طرح طرح کے الزامات تراشتے رہتے ہیں، جن کا بے بنیاد، دغا فریب اور دھوکہ ہونا صدیوں سے تالیفات میں آیا ہوا ہے مگر علم دین اور متعلقات سے ناواقفی یا کم واقفی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پھر ان باتوں کو دھرا کر مسلمان کو دھوکہ دیا جاتا ہے، قریبی زمانہ میں "نتائج التقلید" نام سے ایک کتاب اسی گندے پروپیگنڈا کی شاہکار کسی غیر مقلد صاحب نے لکھ ماری ہے، گو بات اس میں کوئی نئی نہیں اور نہ ہو سکتی تھی وہی فرسودہ الزامات جن کی حقیقت صدیوں سے واشگاف

ہوچکی ہے، ناواقف یا کم واقف یا علوم دین سے بے پروا لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنی طرف منسوب کر کے شائع کی گئیں اور تہذیب سے حد درجہ گری ہوئی مجتہدانہ گالیوں سے اس کو مزین کیا گیا، شاید اپنے خیال باطل میں اس کو بھی اسلام کی کوئی خدمت قرار دیا ہوگا، ہاں ایک خدمت اپنی ذات کی یہ ضرور کی الغیبۃ اشد من الزنا حدیث پاک کی رو سے بدکاری سے بڑھ کر گناہِ غیبت کا ارتکاب کیا اور کروڑوں مسلمانوں کو مشرک فاسق گردان کر اپنے لیے ایک راہ طریقہ ہائے آخرت میں سے بدترین انتخاب کر لی۔ اور چونکہ ائمہ اربعہؒ میں سے صرف امام اعظمؒ تابعی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن صحابہؓ کے قرن اور تابعینؒ کے قرن کو خیر ہی خیر فرمایا ہے، بعد میں کذب جھوٹ کے پھیلنے کی پیش گوئی فرمائی ہے، اس قرن خیر کے کسی بزرگ کے خلاف ہرزہ سرائی "آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے" کا مصداق ہونی ضروری ہے اور کذب وجھوٹ کا مرقع۔

اس دور میں اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر نے جیسے اور بہت سی تحقیق اور عجیب تحقیقات کی کتابیں لکھی ہیں "مقام امام ابو حنیفہؒ" نام سے نہایت محنت اور بے حد تحقیقات پر مشتمل وہ کتاب لکھی ہے کہ پڑھنے والا حیرت میں رہ جاتا ہے اور آجکل کے دریدہ دہن لوگوں کی دیانت و علمیت کا راز فاش ہو جاتا ہے، ہر بات پر تحقیق کا انبار اسلاف سے تحقیق اور خود فرقہ مدعی اہلحدیث کے بزرگوں سے تحقیقات کر کے ہر ہر بات کی اصلیت اور اس میں بددیانتی یا غلط فہمی کی راہوں کی نشان دہی موجود ہے۔ اس کے مطالعہ سے حضور کے ارشاد خیر القرون پر ایمان تازہ ہوگا، بدگمانی و غیبت اور مسلمانوں کو مشرک و فاسق بنانے سے نجات حاصل ہوگی۔ قرآن وحدیث کے مفہومات میں سے ناسخ و منسوخ، قوی و ضعیف ظاہر و باطن راجح و مرجوح میں ہزار سالہ تنقیح شدہ تحقیقات یعنی ائمہ اربعہؒ کے فقہ میں تابعی فقہ اور راجح ترین فقہ معلوم ہو کر صحیح راہِ ہدایت معلوم ہوگی، اس فقہ کی دوسرے فقہوں سے فوقیت سمجھ میں آئیگی اور راہِ دین میں ایک بصیرت حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو اجر جزیل عطا فرمائیں اور ایسے کاموں کی مزید توفیق بخشیں اور قبولِ خاص سے سرفراز فرمائیں۔

(جمیل احمد تھانوی، محرم ۱۳۸۳ھ)

———

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخنہائے گفتنی

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر خلقہ وخاتم النبیین وعلی اٰلہ واصحابہ الذین ھم ھداۃ الدین وعلی من تبعہ من الفقہاء والمحدثین۔

امّا بعد ۔

جوں جوں قیامت قریب ہوتی جارہی ہے فتنوں اور مصیبتوں کا دروازہ کشادہ تر ہوتا جارہا ہے، اور دینی و دنیوی ہر قسم کے فتنوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہوتا جارہا ہے جو کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا اور زمانہ بزبانِ حال گویا یوں کہہ رہا ہے کہ ؎

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

اور اس نازک دور میں ہر صاحب ہوس کی یہ خواہش ہے کہ مذہب اسلام کی پابندی سے رستگاری حاصل کرلی جائے اور مذہبی قیود و حدود کو خیرباد کہہ کر جی چاہی اور من مانی زندگی بسر کی جائے اور اپنی ناقص اور نارسا عقل و رائے ہی کو اپنا امام تسلیم کرلیا جائے اور اعجاب کُلّ ذی رائے برایہ کا مظاہرہ کیا جائے اور سلف کے علمی کارناموں پر ہوس کی گرد ڈال دی جائے اور ان پر سے اعتماد و اعتبار ہٹا کر لوگوں کو مادر پدر آزاد کردیا جائے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ۔

فَاِلَی اللہِ الْمُشْتَکیٰ ۔

(۱) منکرین حدیث نے مطلب برآری کے لیے محض اپنے بائیں ہاتھ کے کرتب اور شعبدہ بازی سے جن حضرات کو منکرینِ حدیث کی مد میں لا کھڑا کیا ہے ان میں ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ذات گرامی بھی ہے۔ چنانچہ (مقام حدیث جلد اوّل ص۲۵۶ میں) تین بڑے بڑے منکرینِ حدیث کی سرخی قائم کر کے نیچے لکھا ہے:۔ "امام ابو حنیفہؒ، شاہ ولی اللہؒ، اور علامہ اقبالؒ"۔ اور "طلوعِ اسلام" کی ایک اشاعت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ایک ذمہ دار شخصیت کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بیس سے کم حدیثوں کا عالم اور مالک گردانا تھا، اس لیے بھی اشد ضرورت تھی کہ تاریخی طور پر حضرت امام صاحبؒ کا علم حدیث میں مقام اور رتبہ عرض کیا جائے، اور منکرین کے دجل و تلبیس کو آشکارا کیا جائے تاکہ کسی کو مغالطہ نہ رہے اور صحیح بات ذہن نشین ہو سکے۔

(۲) غیر مقلدین حضرات نے جو بخیالِ خویش بلا شرکت غیرے اہلحدیث ہونے کے واحد ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں، عوام کو یہ باور کرانے کا جماعتی منصوبہ تیار کر رکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ اور کتبِ فقہ حنفی پر تحریراً و تقریراً ہر طرح خوب برس کر یہ سطح ہموار کی جائے کہ امام ابو حنیفہؒ تو حدیث میں ضعیف اور کمزور تھے ان کا سرمایہ ہی صرف سترہ ۱۷ حدیثیں تھیں اور ان کو آئمہ حدیث میں شمار کرنا غلط ہے وغیرہ وغیرہ اور شمع محمدی، حقیقت الفقہ وغیرہ کتابیں اس پر عرصہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب بے بنیاد دعاوی ان میں مذکور ہیں۔ مگر نتائج التقلید کے نام سے ان کی ایک مرکزی کتاب اب کچھ عرصہ سے شائع ہوئی ہے جس پر ان کی ثنائی اور روپڑی پارٹی کے تقریباً سبھی حضرات کی تصدیقات موجود ہیں، چونکہ فریق ثانی اس طرز و طریق سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے، اور حضرت امام ابو حنیفہؒ آپ کے اصحابؒ اور کتبِ فقہ حنفی سے عوام کو متنفر کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے، اس لیے ہم نے اس کتاب کا نام مقام ابی حنیفہؒ تجویز کیا ہے اور پورے بسط کے ساتھ ہم نے اپنے دعاوی پر ٹھوس حوالجات نقل کئے ہیں اور فریقِ ثانی سے ہم نے محض علمی مناقشہ کیا ہے۔ مؤلفِ نتائج التقلید اور اس کے اکثر تصدیق کنندگان حضرات کی طرح سوقیانہ اور دِل آزار زبان اور لب ولہجہ اختیار نہیں کیا۔ شاید اس انداز میں بھی کوئی زندہ دِل جواب دینے کے لیے میدان میں نکل آئے مگر ہم اس کو پسند نہیں کرتے۔ فریق ثانی کی بعض تعصب آمیز باتوں کا جواب ہم نے "طائفہ منصورہ" اور "الکلام المفید" میں دے دیا ہے (جو انشاء اللہ العزیز عنقریب

طبع ہونے والی ہے)

(۳) لفظ فقہ اگر علم اور فن کی صفت ہو تو بلا شک یہ مذکر ہے اور اگر یہ درایت اور سمجھ کے معنی میں استعمال کیا جائے تو یہ مؤنث ہے۔ ہم نے ایک خاص مصلحت کے پیشِ نظر ثانی شق ہی اختیار کی ہے اور پوری کتاب میں (اِلّا ماشاء اللہ) ہم نے لفظ فقہ کو مؤنث ہی استعمال کیا ہے، اس لیے ادباءِ طرزِ جدید سے ہم معذرت چاہتے ہیں کہ اس پر کوئی گرفت نہ فرمائیں وَلَا مُشَاحَۃَ فِی الْاِصْطِلَاحِ۔

(۴) اس کتاب میں جتنے حوالجات درج ہیں ان میں اکثر براہِ راست راقم السطور نے خود کتابوں میں دیکھے ہیں، اور بعض کتابیں مثلاً الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ للسخاویؒ عقود الجمان للعلامۃ الصالحیؒ، مناقب ابی حنیفۃؒ وصاحبیہ للعلامۃ الذھبیؒ، الرواۃ الثقات المتکلم فیھم بما لا یوجب ردھم للذھبیؒ وغیرہ بعض حوالے ہم نے حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی کی کتاب "ابنِ ماجہ اور علمِ حدیث" اور "ما تمس الیہ الحاجۃ" سے لیے ہیں کیونکہ براہِ راست یہ کتابیں ہمیں دستیاب نہیں ہو سکیں، اور وقفۃ علی اہل الحدیث کا مسکہ جو درِّ مختار اور ردّ المحتار کے حوالے سے آئے گا وہ ہم نے حضرت مولانا محمد علی صاحب صدیقی کاندھلوی کی کتاب "مذہب اہلِ سنت والجماعت" سے لیا ہے اور بقیہ حوالجات اکابر ہی کی کتابوں کی رہنمائی میں ہم نے اصل کتابوں سے نقل کیے ہیں، اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ چونکہ اس ضخیم کتاب کی پوری تسوید ایامِ تعطیلاتِ سالانہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ یعنی تقریباً ۱۰ رجب ۱۳۸۱ھ سے لے کر ۲ رمضان ۱۳۸۱ھ تک میں ہوئی ہے اور گھر کی تمام مصروفیات کے علاوہ علالت بھی ساتھ ساتھ ہی رہی ہے اس لیے اگر کسی مقام میں کوئی سقم نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ طبعِ جدید میں اصلاح کر لی جائے بعض اکابر کی طرف سے اور خصوصاً حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی طرف سے کچھ اصلاحات بھی موصول ہوئی ہیں جن کو اس طبع میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۵) چند مقامات میں حوالجات کا کچھ تکرار بھی ہو گیا ہے، مگر اہلِ علم بخوبی سمجھ لیں گے کہ ایسا کرنا بھی ناگزیر تھا، اور ان شاء اللہ العزیز یہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم

سے راقم کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کو دُور کرے اور اپنی مرضی پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔
آمین ثم آمین !

ابُوالزاہد محمّد سرفراز خاں صفدرؔ،
۲ر رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ
مطابق ۸ فروری ۱۹۶۲ء

بابِ اوّل

تفقہ فی الدین

عقل وخرد اور فہم وفراست خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر و منزلت کو صرف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کو ربِّ قدیر کی طرف سے اس دولتِ عظمیٰ سے کچھ نصیبہ حاصل ہوا ہو۔ بے عقل عقل کی کیا قیمت جانے؟ اور بے خرد، خرد کی شان کیا سمجھے! حقیقت یہ ہے کہ عقل وفہم ایک روشن چراغ ہے، اور قرآن وحدیث اس کے لیے مصفّٰی روغن ہے جو روشنی دینے میں چراغ کا ممد ومعاون ہے، اور اس خالص روغن کے بغیر چراغ ایک بے کار ظرف ہے جس کی سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں جیسا کہ فلاسفہ ومناطقہ اور اس قسم کے دجاجلہ وابالسہ اور ملاعنہ و مراندہ کی عقل وحی الٰہی کے روغن سے حرماں نصیب ہو کر وادیٔ ضلالت میں بھٹک رہی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے چراغ و روغن دونوں ہی کی ضرورت ہے اور رشد واصلاح کے لیے دونوں ہی لازم وملزوم ہیں اور وحی الٰہی اور عقل صحیح میں کوئی مخالفت اور تضاد نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عقل بینائی ہے، اور وحی الٰہی روشنی ہے جس طرح بغیر بینائی کے روشنی کام نہیں دیتی اسی طرح روشنی کا احساس اور شعور بھی بغیر بینائی کے نہیں کیا جاسکتا اور صریح قسم کے دلائلِ شرعیہ سے تفقّہ و تدبّر اور تعقّل کی بڑی تعریف ثابت ہے، اور فہم وفراست کی توصیف قرآن وحدیث سے ہویدا ہے اور اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن وحدیث کے ٹھوس ومربوط مضامین اور محکم وقوی دلائل وبراہین کی باریکیوں سے بھلا ایک نرا لایعقل، بیوقوف یا ایک سطحی اور خام عقل والا کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ ان کی تہ اور لِم

تک تو صرف وہی حضرات رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن کو قسامِ ازل نے فہم و عقل اور بصیرت کی نعمت سے نوازا ہے جو قرآن و حدیث کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زنی کر کے تفقہ فی الدین کے انمول موتیوں اور جواہر ریزوں سے امّت مرحومہ کی جھولیاں بھرتے رہے ہیں اور انقلابِ زمانہ کی انتہائی نزاکتوں اور نامساعد حالات میں وہ اپنے اس چراغ کو روشن ہی کرتے رہے ہیں سے

ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

قرآنِ کریم میں تفقہ کی فضیلت

جس چیز کا ثبوت قرآنِ کریم میں ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے حاصل کرنے کی رغبت اور شوق بھی دلایا ہو، اس کے عمدہ اور خوب ہونے میں کیا تردّد باقی رہ سکتا ہے اور اس کے مقبول و محمود ہونے میں کیا شبہ پیدا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ ایک خاص مقام پر اللہ تعالیٰ کا یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

(پ۱۱۔ التوبہ۔ ۱۵)

اور مومنوں کو یہ مناسب نہ تھا کہ وہ سب ہی کوچ کر لیتے سو کیوں نہ کوچ کیا اُن میں ہر فرقہ سے ایک طائفہ نے تاکہ وہ دین میں تفقہ پیدا کر لیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ اُن کی طرف لوٹیں تاکہ وہ بچ جائیں۔

قطع نظر اس سے کہ یہ آیت جہاد کے لیے کوچ سے متعلق ہے جیسا کہ اکثر اربابِ تفسیر کا خیال ہے یا طلبِ علم کے سفر سے وابستہ ہے جس طرح کہ مشہور مفسّر علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی (المتوفی ۷۴۵ھ) وغیرہ کی رائے ہے اور صرفِ نگاہ اس سے کہ ایک طائفہ تفقہ فی الدین کے لیے سفر اختیار کر کے یہ کمال پیدا کر کے واپس آکر قوم کو آگاہ کرے یا گھر ہی میں رہ کر یہ حاصل کرے اور جب مجاہدین یا غیر حاضر افراد رجوع کریں تو ان کو یہ احکامِ خداوندی سے باخبر کر دے، یہ دونوں تفسیریں منقول ہیں۔ ہمارا مدّعا اس سے بالکل روشن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کی ترغیب دی اور بصورتِ دیگر اس کو ترک کرنے پر فَلَوْلَا نَفَرَ کے ساتھ ملامت اور تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی قباحت اور بُرائی بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد

فرمایا ہے کہ :۔
بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ (پ۱۰، الانفال ۹) بے شک وہ ایسی قوم ہے جو سمجھتی نہیں۔
اور ایک اور موقع پہ اللہ تعالیٰ نے فقاہت سے تہی دست لوگوں کا حال ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :۔
فَمَالِ ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا ۝ (پ۵۔ النساء۔ ۱۱ع) سو کیا ہو گیا ہے اِس قوم کو جو بات سمجھنے کے قریب نہیں لگتی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ فہم و عقل اور فقہ و خرد اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو اس کے مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے اور جو لوگ اِس سے محروم رہتے ہیں وہ تعریف و ستائش کے کیا مستحق ہو سکتے ہیں، البتہ وہ ملامت اور مذمت کے سزاوار ضرور ہیں۔ یہ یاد رہے کہ عقل و خرد اور فہم و فقہ سے مراد عام سمجھ نہیں بلکہ وہ فہم و فراست مراد ہے جو دین سے متعلق ہو، عام اس سے کہ اس کا تعلق روایت سے ہو یا درایت سے۔ قرآن و حدیث اور اقوالِ علماءِ اُمّت میں جہاں بھی فقہ و عقل کا لفظ آتا ہے، اس سے یہی مراد ہوتی ہے نہ یہ کہ خدا و رسول، مذہب و دین اور قرآن و حدیث سے بے نیاز ہو کر انسانوں کی تباہی و بربادی اور اللہ میاں کے سرسبز و شاداب اور لہلہاتے ہوئے چمن کو نیست و نابود کرنے کے لیے عقل و سمجھ استعمال کی جائے اور راکٹ و میزائل وغیرہ تباہ کن اور موذی آلات ایجاد کیے جائیں۔ یا ایسے محیّر العقول جہاز ایجاد کیے جائیں جن کی بدولت چاند پر انسان کی رسائی ہو جائے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ایسے لوگ اُولُوا الالباب نہیں کہلا سکتے بلکہ وہ لوگ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ کا مصداق ہیں اور ان کے حق میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ

فروغِ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد ۔۔۔ رہے نہ اہلِ بصیرت تو بے خرد چمکے

حدیث میں فقہ کا درجہ

فقہ و اہلِ فقہ کی فضیلت و منقبت کے لیے ایک دو نہیں بیسیوں صحیح اور صریح حدیثیں موجود ہیں۔ ہم صرف مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند صحیح احادیث کا یہاں باحوالہ ذکر کرتے ہیں، غور فرمائیے :۔
حضرت امیر معاویہؓ (المتوفی ۶۰ھ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں کہ :۔

من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہہ فی الدین (الحدیث) (بخاری جلد ۱ ص۱۶ واللفظ لہٗ ومسلم جلد ۲ ص۱۴۳ والدارمی جلد ۱ ص۷۳ طبع دمشق)

جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اُس کو دین کی سمجھ اور فقاہت عطا فرماتا ہے۔

یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ حبرالامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ (المتوفی ۶۸ھ) سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (مسند دارمی ج ۲ ص۲۹۷ طبع دمشق)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے متعلق خیر اور بہتری کا ارادہ فرماتا ہے، تو اس کو تفقہ فی الدین کی لازوال دولت اور نعمت سے حظِ وافر مرحمت فرماتا ہے، اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے اس کے اعلیٰ و افضل اور عمدہ ترین ہونے میں کیا کسر باقی رہ جاتی ہے؟ حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ:-

وفی ذالك بیان ظاہر لفضل العلماء علی سائر الناس ولفضل التفقہ فی الدین علی سائر العلوم اھ (فتح الباری ج ۱ ص۱۴۴ طبع مصر)

اس حدیث میں وضاحت کے ساتھ علماء کی سب لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ (المتوفی ۵۷ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر یوں ارشاد فرمایا کہ:-

خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا۔ (بخاری جلد ۱ ص۴۷۹ واللفظ لہٗ و مسلم جلد ۲ ص۲۷۰ ومشکوٰۃ ج ۲ ص۵۴۳)

جو اُن سے جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہی رہیں گے جب کہ وہ فقہ سے موصوف ہوں۔

اس حدیث میں آپ نے نسب و خاندان کی شرافت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ جو لوگ ایامِ جاہلیت میں بہتر تصور کیے جاتے تھے اسلام اُن کی قدر و منزلت کو گھٹانے کے لیے تیار نہیں بشرطیکہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد فقاہت سے متصف ہوں۔ اس میں اسلام کے اندر اُن کی خوبی اذا فقھوا کی شرط سے مشروط ہے۔ اگر یہ کوئی عمدہ خصلت نہ ہوتی یا اس سے بہتر کوئی اور خصلت آپ کی نگاہِ پاک میں قابلِ ذکر ہوتی تو آپ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (المتوفی ۵۲ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو ہدایت و علم دے کر مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے زور کی بارش جو زمین پر برسی ہو، اور زمین کا ایک وہ بہترین اور قابلِ زراعت ٹکڑا ہے جس نے پانی کو خوب جذب کر لیا اور ساگ پات اور گھاس و چارہ بکثرت اُگایا (جس سے انسانوں اور جانوروں کی اکثر ضرورتیں پوری ہوگئیں) اور زمین کا ایک حصّہ وہ ہے جو سخت ہے، اس سے کوئی چیز اُگتی تو نہیں لیکن اس حصّہ میں پانی خوب جمع ہوگیا اور اس جمع شدہ پانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع بخشا کہ وہ خود بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور کھیتی کو سیراب کرتے ہیں اور زمین کا ایک اور قطعہ ہے جو بالکل چٹیل ہے، نہ تو وہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ گھاس و سبزہ وغیرہ اُگانے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:-

فذالك مثل من فقه فی دین الله فنفعه بما بعثنی الله به فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذالك رأسا ولم یقبل هدی الله الذی ارسلت به۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸ و مسلم جلد ۲ ص ۲۴۷ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸)

پس یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ تعالےٰ کے دین میں فقاہت حاصل کی اور اللہ تعالےٰ نے اس کو اس چیز سے نفع عطا فرمایا جو چیز مجھے اللہ تعالےٰ نے دیکر مبعوث کیا ہے جس کو اس نے سیکھا اور سکھلایا اور مثال ہے اس کی جس نے ہدایت خداوندی کی طرف جس کو میں لے کر آیا ہوں مطلقاً سر ہی نہ اٹھایا۔

آخری چٹیل زمین کی مثال تو ما و شما کی ہے کہ نہ تو محدّث ہیں نہ فقیہ کہ نہ روحانی بارش کو محفوظ رکھا اور نہ اس کو جذب کر کے اس سے کوئی خوشگوار نتائج ہی برآمد کئے اور دوسری مثال محدثین کرامؒ کی ہے جنہوں نے حدیثِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی موسلا دھار بارش کو بحفاظت تمام اصلی شکل میں مصون رکھا، لوگ آآکر اُن سے اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں لوگوں کو وہ مصفّٰی پانی پلا پلا کر سیراب کرتے ہیں اپنے تو کیا جو غیر مسلم اور بیگانے اور اُولٰئك كالانعام کا مصداق ہیں۔ ان کو بھی وحی الٰہی کی بارش سے وہ سیراب کرنے کے درپئے ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کی اُجڑی ہوئی بے آباد اور خشک کھیتوں کو اس پانی کے ذریعہ سرسبز و شاداب کرنے کی فکر میں رہتے ہیں غرضیکہ فشربوا، وسقوا، وزرعوا کے ایک ایک لفظ پر پورا عمل کرتے ہیں۔ اور پہلی مثال فقہاء کرامؒ کی ہے جن کے دلوں کی سرزمین طائفۃٌ طیبۃٌ کا مصداق ہے، اور وہ اپنے سینوں اور

دلوں میں اس روحانی بارش اور وحی الٰہی کو اچھی طرح جذب کرتے ہیں اور اگرچہ وہ بارش اس قطعۂ ارضی پر اصلی شکل پر تو نہیں رہتی مگر اسی کی وجہ سے اس عمدہ زمین سے ساگ پات، گھاس و اناج، سبزی و ترکاری، پھل و پھول اور دیگر مختلف اجناس کی شکل میں متعدد چیزیں اُگتی اور پیدا ہوتی ہیں جن کو انسان بھی اور حیوان بھی استعمال کرتے اور اپنے مصرف میں لاکر اپنی مختلف قسم کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ پانی بھی اپنے مقام میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے مگر نرے پانی سے تمام ضرورتیں تو ہرگز پوری نہیں ہوسکتیں۔ اسی پانی کے ذریعے جب مختلف قسم کے سبزہ زار اور لہلہاتی ہوئی کھیتیاں معرضِ وجود میں آئیں گی تو اس سے جو فائدہ مرتب ہوگا وہ اظہر من الشمس ہے، اسی طرح فقہائے کرام بھی اس وحی الٰہی کو جذب کرکے اس سے سینکڑوں اور ہزاروں مسائل استنباط کرتے ہیں جن سے پوری دنیا کو عظیم فائدہ نصیب ہوتا ہے، اب اگر کوئی شخص زمین کے اس قطعہ پر یوں اعتراض اور حرف گیری کرے کہ اس نے تو پانی کو محفوظ ہی نہیں رکھا، یہ تو بڑی ناکارہ زمین ہے، تو اس اعتراض کی نقلی و عقلی دنیا میں ہرگز کوئی وقعت نہ ہوگی، بلکہ یہ کہنا عین انصاف ہے کہ اس زمین کی قدر و منزلت باقی حصوں سے بہت زیادہ ہے کیونکہ اس نے مختلف قسم کی ضروریات کی کفالت کی ہے اور یہی حال فقہاء کرام کی بے لوث خدمات کا ہے کیونکہ نصوصِ صریحہ تمام مسائل و نوازل کی جزئیات کے لیے ناکافی ہیں، چنانچہ اسی ضرورت اور اہمیت فقہ پر بحث کرتے ہوئے مؤرخِ اسلام علامہ عبدالرحمٰنؒ بن محمدؒ بن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والوقائع المتجددة لا توفی بها النصوص	نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے لیے نصوص (صریحہ)
(مقدمہ ص ۴۴۵ طبع مصر)	ناکافی ہیں۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم (المتوفی ۵۴ھ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
اللہ عبدًا سمع مقالتی فوعاها ثم اداها	خوش و خرم رکھے۔ اس بندہ کو جس نے میری بات سنی
الی من لم یسمعها فرب حامل فقه لا فقه	اور خوب یاد کی پھر وہ بات ان لوگوں کو سنائی جنہوں نے
له ورب حامل فقه الی من هو افقه منه	(براہِ راست مجھ سے) نہیں سنی کیونکہ بسا اوقات خود
الحدیث (دارمی جلد ا ص ۷۵ طبع دمشق واللفظ له)	حامل فقہ کو فقاہت حاصل نہیں ہوتی اور بہت

و ابن ماجہ ص۲۱ و مستدرک جلد ۱ ص۸۶ و مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۳۹ و الترغیب و الترہیب ص۶۲ قال الهیثمیؒ رجالہ موثقون - وقال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح علی شرطهما۔

دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حامل فقہ اعلیٰ درجہ کا فقیہ نہیں ہوتا اور وہ اس طریقہ سے اس کو پہنچا دے گا جو فقیہ تر ہوگا۔

امام حاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) اور علامہ ذہبیؒ (شافعی المذہب و حنبلی المعتقد المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ یہ روایت نضّر اللہ امرأ الخ (مختلف الفاظ کے ساتھ) متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے (مستدرک جلد ۱ ص۸۸ و تلخیص المستدرک ج ۱ ص۸۷) بلکہ امام حاکمؒ اس کو مشہور حدیثوں میں شمار کرتے ہیں (معرفت علوم الحدیث طبع قاہرہ ص۹۲) اور امام سیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) اس کو متواتر کہتے ہیں (مفتاح الجنّۃ فی الاحتجاج بالسنّۃ ص۵ طبع مصر)۔ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ۲۴ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ (الحرز المکنون من لفظ المعصوم المامون ص۹ طبع بھوپال ۱۲۹۰ھ)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث کی تبلیغ کا اصل مقصد اُن سے فقہ حاصل کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ کسی ایسی حدیث کو اٹھانے والا جس حدیث میں فقہ ہو خود صاحب فقہ نہ ہو لا فقہ لہ اس لیے وہ حدیث دوسروں کو پہنچا دے تاکہ وہ اس کی فقہ سے خود بھی متمتع ہوں اور دوسروں کو بھی فائدہ بخشیں اور اگر وہ خود تو صاحب فقہ ہے مگر ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ فقیہ ہو اور وہ اس سے زیادہ سے زیادہ استنباطِ مسائل اور استخراجِ احکام کرکے اُمّت کو نفع پہنچا سکے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ نرے محدّث جو فقہ حدیث سے بہرہ ور نہیں محض ہرکارے ہیں۔ اور فقہاء کرامؒ جو قرآن و حدیث کی روشنی میں اہل اجتہاد ہو کر فقہ و اجتہاد سے کام لیتے ہیں وہی صاحب منزل اور اہل دولت ہیں اگر ڈاکیا جو قیمتی پارسل اور منی آرڈر اٹھاتے ہوئے ہے، یہ دعویٰ کرے کہ یہ چیز ہی میری ہے کیونکہ میں اس کو اُٹھانے والا ہوں تو کون اِس کے بے بنیاد دعوے کو قبول کرے گا۔ اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ امانت اس کے مالک کو پہنچا دے اور بس۔ آخر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوامع الکلم کے ساتھ یہ ارشاد فرب حامل فقہ لا فقہ

لہ" الخ بلا وجہ تو ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ آپ کے ارشادات عالیہ ہی سے دنیا کو ہر قسم کی ہدایت واصلاح اور رشد و فلاح نصیب ہوئی ہے اور جن حضرات کو مقصدِ زیست ہی معلوم نہ تھا وہ اسی سے زندگی کے اُتار چڑھاؤ اور اونچ نیچ سے بخوبی باخبر ہو گئے ہیں، سچ ہے کہ ؎

جنہیں شعور نہ تھا عقدۂ حیات سے کیا
وہ اِک نگاہ کے صدقے سے رازداں ٹھہرے

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ (المتوفی ۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

تفقهوا قبل ان تسودوا وقال ابو عبد الله وبعد ان تسودوا (بخاری جلد ا ص۱۷)

تم سردار بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سردار بننے کے بعد بھی اس کو حاصل کرو۔

یعنی تفقہ فی الدین ایک ایسی ضروری اور اعلیٰ ترین نعمت ہے جس کو سرداری حاصل ہونے سے قبل اور بعد کسی موقع پر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

بابِ دوم

فقہ و درایت

قرآن کریم کے بعد حدیث شریف کا جو مقام ہے وہ کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہے وہ مسلمانوں کا مذہبی اثاثہ بھی ہے اور مدارِ دین بھی مسلمانوں کے بیشتر مذہبی مسائل بھی اس پر موقوف ہیں اور سیاسی بھی۔ ان کی دُنیا بھی اس سے وابستہ ہے اور آخرت بھی۔ اس میں روحانی بیماریوں کا علاج بھی ہے اور جسمانی کا بھی مگر حدیث کے سلسلہ میں دو اہم اور بنیادی چیزوں کی سخت ضرورت ہے اور ان کے بغیر حدیث سے استفادہ کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ ایک چیز سند اور روایت ہے اور دوسری معنی و درایت۔ اوّل چیز کی حفاظت محدثین کرامؒ نے کی ہے، اور دوسری کی فقہائے عظامؒ نے۔ جس طرح ہم حدیث کے صحت و سقم کے معلوم کرنے میں مثلاً امام بخاریؒ وغیرہ کے اور ان کے قائم کردہ اصولوں کے محتاج ہیں اور ان پر ایسا اعتماد نہ تو کفر و شرک ہے اور نہ بدعت ہے بعینہٖ ہم حدیث کے معنی و درایت میں مثلاً امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے مفتقر ہیں۔ پھر بھلا ان پر اعتماد کیونکر شرک، ناروا اور بدعت قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر ایک طبقہ اور گروہ نے راستہ کی حفاظت کی ہے تو دوسرا گروہ اور طائفہ منزل کا نگہبان رہا ہے۔ اگر ایک جماعت نے چھلکے اور پوست کی نگرانی کی ہے تو دوسرا حزب میوہ اور مغز کا پاسبان رہا ہے۔ اگر ایک کی محنت و جانفشانی تحسین کے قابل ہے تو دوسرے کی کاوش و سعی بھی صد آفرین کی مستحق ہے اور یہ دونوں طبقے عالمِ اسباب میں دین کی حفاظت کا محافظ دستہ ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) ان دونوں ضرورتوں پر بحث کرتے

ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

"پس لازم آمد در تحصیل ایں علم از دو چیز یکے ملاحظۂ حال رواۃ ، دوم احتیاطِ عظیم در فہم معانی آں زیرا کہ اگر در امرِ اوّل مساہلہ رود کاذب باصادق ملتبس شود و اگر در امرِ ثانی احتیاط نباشد مراد باغیر مراد مشتبہ گردد و علی التقدیرین فائدہ کہ ازیں علم متوقع است میسّر نگردد بلکہ ضدِ آں فائدہ بحصول انجامد و موجبِ ضلال و اضلال باشد معاذ اللہ من ذالک" (عجالۂ نافعہ ص۲)

اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ سند اور روایت کی حفاظت اور نقد و پرکھ بھی دین کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جس کی جتنی بھی تعریف و توصیف کی جائے بالکل کم ہے۔ مگر یہ بات بھی کسی طرح اور کسی لحاظ سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ درایت و فقہ کو ترک ہی کر دیا جائے اور اس کو ناقابلِ اعتماد قرار دینے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے اور اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو درایت و فقہ کا مقام اور اہلِ درایہ اور فقہاء کا رتبہ محض طرق و اسانید کے جمع کرنے والے اور فقہ و درایت سے تہی دست محدثین سے کہیں بلند اور ارفع ہے۔

امام ابوبکرؒ بن عبدانؒ سے دریافت کیا گیا کہ :-

ایش الفرق بین الدرایۃ والحفظ ؟ فقال — درایت اور حفظ میں کیا فرق ہے ؟ تو انہوں نے

الدرایۃ فوق الحفظ (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص۲۳۳) — فرمایا کہ درایت حفظ سے اوپر ہے۔

علامہ خطیب بغدادی الشافعیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی سند کے ساتھ احمدؒ بن محمدؒ بن خالد البراثیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک سائل حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال و حرام کے ایک مسئلہ کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پوچھ لے۔ سائل نے کہا کہ حضرت ہم تو آپ ہی سے اس کا جواب سننا چاہتے ہیں۔ امام احمدؒ بن حنبلؒ نے ارشاد فرمایا کہ :-

سل عافاک اللہ غیرنا سل الفقہاء سل — اللہ تعالیٰ تجھے عافیت سے رکھے کسی اور سے پوچھ

ابا ثورؒ اھ (بغدادی جلد ۶ ص ۶۶) فقہا سے پوچھ، امام ابوثورؒ سے پوچھ۔

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ سرخیل محدثین مقتدائے ملت اور امام اہل سنت ہیں مگر بایں ہمہ وہ پیچیدہ مسئلہ کی بابت یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تم فقہائسے پوچھو اور ابوثورؒ سے پوچھو۔ (ابوثورؒ المتوفی سنہ ۲۴۰ھ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ مامون اور احد الفقہاء تھے بغدادی جلد ۶ ص ۶۶۔ علامہ ذہبیؒ اُن کو الامام المجتہد اور الحافظ لکھتے ہیں تذکرہ جلد ۲ ص ۸۷ امام سُبکیؒ ان کو الامام الجلیل لکھتے ہیں طبقات جلد ۱ ص ۲۲۷) حضرت امام احمدؒ محدث ہونے کے علاوہ فقیہہ اور مجتہد بھی تھے مگر ان کا اجتہاد جیسا کہ علامہ ابن خلدونؒ اور نواب صاحبؒ کے حوالہ سے آئے گا کہ اجتہاد او قلیل بلکہ اقل بلکہ نیست کے درجہ میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابوعمرؒ بن عبد البرؒ المالکی (المتوفی سنہ ۴۶۳ھ) نے تین آئمہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے فضائل پر کتاب الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء تصنیف فرمائی ہے، لیکن حضرت امام احمدؒ کا ذکر ان میں نہیں کیا۔ علامہ خطیبؒ اور امام سبکیؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ ہمارے الفاظ میں یوں ہے کہ محدثین کرامؒ کی ایک جماعت تشریف فرما تھی، جن میں خصوصیت سے امام یحییٰؒ بن معینؒ، ابوخیثمہؒ، زہیرؒ بن حربؒ اور خلفؒ بن سالمؒ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ مُردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اُس نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا حیض والی عورت مُردہ کو نہلا سکتی ہے یا نہیں؟ پوری جماعت سے اُس کا جواب نہ بن پڑا اور ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ اتنے میں امام ابوثورؒ سامنے سے آ نکلے۔ سب نے اس عورت سے کہا کہ یہ مسئلہ اس آنے والے شخص سے دریافت کرو۔ جب اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ بحالتِ حیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک میں پانی ڈال کر سر میں مانگ نکالا کرتی تھیں۔ جب اس حالت میں زندہ آدمی کے سر پہ پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مُردے کو کیوں ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا؟ اور اس کو کیوں غسل نہیں دیا جا سکتا؟ امام ابوثورؒ کا یہ فتویٰ جب ان محدثینؒ نے سُنا تو اِس حدیث کی اسانید اور طرق کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا کہ یہ روایت

فلاں سے بھی مروی ہے اور فلاں سے بھی مروی ہے۔ اس غاسلہ نے ان سے تخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:۔
واین کنتم الی الآن (بغدادی ج ۱ ص ۶۱ و طبقات الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۲۹ سبکیؒ) تم اب تک کہاں تھے؟

اس واقعہ سے ایک تو یہ امر ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے جملہ پیش آمدہ مسائل محض طرق حدیث اور اسانید کو جمع کر لینے ہی سے ہرگز حل نہیں ہوتے، ورنہ امام یحییٰؒ بن معینؒ جیسے پختہ کار محدث سے اس میدان میں کون بڑھ سکتا ہے؟ مگر اس جماعت کے اندر وہ بھی لاجواب ہو کر رہ گئے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ محدثین کرامؒ کی باوقار جماعت بھی فقہاء عظامؒ کی اس فوقیت و برتری کو تسلیم کرتی ہے اور ان پر اعتماد و اعتبار رکھ کے لوگوں کو اُن سے اخذِ مسائل میں محتاج گردانتی ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔
وکذالک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۸) اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

مشہور محدث حضرت سلیمانؒ بن مہران الاعمشؒ (المتوفی ۱۴۸ھ) جو الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۵) نے ایک موقع پر فرمایا کہ:۔
یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۱، ذیل الجوہر جلد ۲ ص ۴۸۵ و مناقب موفق ج ۲ ص ۱۶۳، الخیرات الحسان ص ۶۱ واللفظ لہٗ) اے فقہاء کے گروہ تم طبیب ہو اور ہم پنساری ہیں۔

پنساری کے پاس اگرچہ مختلف قسم کی قیمتی جڑی بوٹیوں اور ادویہ کا تو کافی سٹاک ہوتا ہے مگر وہ نہیں جانتا کہ یہ کس بیماری کا علاج ہیں؟ مقدار خوراک کیا ہے؟ پرہیز کیا ہے؟ مفرد قابلِ استعمال ہیں یا مرکب وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو طبیب اور حکیم ہی جانتا اور بتا سکتا ہے، اسی طرح محدثین کرامؒ کے حافظہ میں ہزارہا بیش بہا حدیثوں کا خزانہ تو ہوتا ہے مگر وہ ان سے استنباطِ احکام اور استخراجِ مسائل پر قادر نہیں ہوتے یہ کام فقہاء کا ہے اور وہی حدیث کے معنی کو بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی پیشِ نظر ہے کہ فقہاء کرامؒ کے مقابلہ میں وہ محدثینؒ مراد ہیں جو نرے محدث ہیں اور فقاہت کا ملکہ اُن کو حاصل نہیں ہے۔ باقی رہے وہ محدثینِ عظامؒ جو جامع بین الحدیث والفقہ ہیں یا بالفاظ دیگر جو فقہاءِ محدثین میں شامل ہیں

مثلاً امام بخاریؒ وغیرہ تو ایسے حضرات محلِ بحث نہیں ہیں۔

محدث شہیر علیؒ بن حشرمؒ (المتوفی ۲۵۷ھ) مسلمہؒ بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابنِ حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ نسائیؒ کہتے ہیں وہ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص۳۱۶) فرماتے ہیں کہ ہم وکیعؒ بن الجراحؒ کی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک ان دونوں سندوں میں سے کون سی سند بہتر ہے؟ اعمشؒ عن ابی وائلؒ عن عبداللہؓ بن مسعود؟ (اس میں صحابی تک صرف دو واسطے ہیں اور سند عالی ہے) یا سفیانؒ عن منصورؒ عن ابراھیمؒ عن علقمۃؒ عن ابن مسعودؓ (اس میں صحابی تک چار واسطے ہیں اور سند سافل ہے) ہم نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو اعمشؒ عن ابی وائلؒ کی سند بہتر ہے۔ امام وکیعؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ، اعمشؒ تو نرے شیخ اور محدث ہیں اور ابو وائلؒ بھی شیخ ہیں برعکس اس کے دوسری سند میں سفیانؒ فقیہ ہیں، منصورؒ فقیہ ہیں، ابراہیمؒ فقیہ ہیں اور علقمہؒ بھی فقیہ ہیں۔

وحدیث یتداولہ الفقہاء خیر من ان یتداولہ الشیوخ (معرفت علوم الحدیث ص۱۱ طبع قاہرہ وکتاب الاعتبار ص۱۵ طبع حیدرآباد دکن)	اور وہ حدیث جس کو فقہاء روایت کرتے ہوں اس سے زیادہ بہتر ہے جس کو نرے شیوخ بیان کرتے ہوں۔

علامہ ابوبکر محمدؒ بن موسیٰ الہمذانی الشافعیؒ (المتوفی ۵۸۴ھ) جو الامام الحافظ اور البارع تھے، تذکرہ جلد ۴ ص۱۵۱ اور امام متقن اور مبرز تھے۔ طبقات سبکی جلد ۴ ص۱۸۹) دو مختلف حدیثوں میں تطبیق و ترجیح کے وجوہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ لکھتے ہیں کہ:۔

ان یکون رواۃ احد الحدیثین مع تساویہم فی الحفظ والاتقان فقہاء عارفین باجتناء الاحکام من ثمرات الالفاظ فالاسترواح الی حدیث الفقہاء اولیٰ اھ (کتاب الاعتبار ص۱۵)	دو حدیثوں میں سے ایک حدیث کے راوی دوسری حدیث کے راویوں کے ساتھ حفظ و اتقان میں مساوی ہونے کے علاوہ فقہاء ہوں اور الفاظ کے میووں سے احکام چننے اور حاصل کرنے کے عارف ہوں تو انکی حدیث کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے

اس سے اندازہ فرمایئے کہ دو متضاد حدیثوں کی ترجیح میں بھی جو خالص فنِ حدیث کا مسئلہ ہے محدثین کرامؒ نے فقہاءؒ کی برتری کو نظر انداز نہیں کیا اور ایسی حدیث کو جس کے راوی حافظ

اور متقن ہونے کے علاوہ فقہا بھی ہوں اس حدیث پر ترجیح دی ہے جس کے راوی فقیہ نہ ہوں۔

امام حاکمؒ اپنی بے نظیر کتاب معرفت علوم الحدیث میں حدیث کی صحت و اتقان کے بعد اس کی فقہی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

معرفة فقه الحديث اذ هو ثمرة هٰذه العلوم وبه قوام الشريعة فاما فقهاء الاسلام اصحاب القياس والرأى والاستنباط والجدل والنظر فمعروفون فى كل عصر واهل كل بلد۔ اھ (معرفت علوم الحدیث ص۶۳)	فقہ حدیث کا پہچاننا کیونکہ وہ ان علوم کا ثمرہ ہے اور اسی کے ساتھ شریعت کا قوام ہے، بہرحال فقہائے اسلام جو قیاس والے، استنباط و جدل اور نظر و فکر سے کام لیتے رہے وہ ہر زمانہ اور ہر شہر میں مشہور و معروف رہے ہیں۔

امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ ہلالؒ بن العلاء الرقیؒ (المتوفی ۲۸۰ھ ابوحاتمؒ ان کو صدوق اور نسائیؒ صالح اور لیس بہ باس کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص۸۳) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر چار شخصیتوں کو پیدا کر کے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایک ان میں سے ا۔

بالشافعي بفقه احاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم	امام شافعیؒ ہیں جنہوں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فقاہت سے کام لیا۔

اور دوسرے۲ امام ابو عبیدؒ (المتوفی ۲۲۴ھ جو الامام المجتہد اور البحر تھے تذکرہ جلد ۲ ص۵ ثقہ اور مامون تھے۔ ایضاً ج ۲ ص۶) ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غریب حدیثوں کی شرح و تفسیر کی ہے، اور تیسرے۳ امام یحییٰؒ بن معینؒ (المتوفی ۲۳۳ھ) ہیں جنہوں نے آپ کی حدیثوں کو جھوٹ سے پاک و صاف کیا ہے، اور چوتھے۴ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) ہیں جنہوں نے آڑے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل دین اور حکم پر باوجود انتہائی صعوبتیں برداشت کرنے کے ثابت قدمی کا اظہار کیا۔ لولا هم لذهب الاسلام (معرفت علوم الحدیث ص۸۸) اگر یہ نہ ہوتے تو اسلام رخصت ہو جاتا۔ بلاشک اسلام ایک سچا مذہب ہے اور یہ تاقیامت رہے گا اور حقیقۃً اس کا محافظ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر عالم اسباب کی طرف نگاہ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اپنے وقت میں یہ چاروں حضرات اسلام کے بہترین محافظ

تھے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ نے بھی یہ واقعہ اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے، اور آخر میں لکھا ہے کہ:۔

لولا ذالك كفر الناس (بغدادی ج ۱۲ ص۴۱۰) اگر یہ نہ ہوتے تو لوگ کافر ہو جاتے۔ (معاذ اللہ)

ملاحظہ کیجیے کہ جہاں اسلام کی حفاظت وبقاء کے لیے دیگر امور قابلِ ستائش سمجھے گئے ہیں وہاں تفقہ فی الحدیث کی صفت اور خوبی کو بھی پس پشت نہیں ڈالا گیا اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بغیر تفقہ کے حدیث کی باریکیاں اور نکات سمجھے بھی نہیں جا سکتے۔ یہی ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعہ سند و معنیٰ، روایت و درایت کی پیچیدگیاں ناخن تدبیر کے ساتھ سلجھائی جا سکتی ہیں، چنانچہ امام عبدالرحمٰنؒ ابن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اعلم ان فی الحدیث دقائق وآفات لا یعرفها الا العلماء الفقهاء تارة فی نقلها وتارة فی کشف معناها۔ (دفع شبه التشبیه ص۲۶)

تو جان لے کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو فقہاء ہوں۔ کبھی تو اُن کی روایت ونقل میں اور کبھی اُن کے معانی کے کشف میں یہ دقائق وآفات ہوتی ہیں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فقہاء کرامؒ کا اصل میدان تو درایت وفقہ ہے مگر بایں ہمہ وہ سند و روایت کے پُرخطر اور ناہموار راستہ سے بھی بے خبر نہیں رہتے۔

حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فان علم الحلال والحرام انما یتلقی من الفقهاء (فتح الباری جلد ۹ ص۳۱ طبع مصر)

حلال وحرام کا علم ومسائل تو فقہاء ہی سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ حافظ موصوفؒ متاخرین محدثین میں اپنی نظیر صرف آپ ہیں اور علمِ حدیث کے علاوہ دیگر بیسیوں علوم میں ان کی گہری نگاہ ہے لیکن وہ فقہاء کرامؒ کے اس صحیح منصب سے جو سچ مچ ان کے شایانِ شان ہے تسلیم کرنے سے نہ چارہ پاتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر فقہ وفقہاء کی فضیلت ومنقبت اور کیا ہو سکتی ہے؟

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) نواب صاحبؒ لکھتے ہیں: شیخ الاسلام المجتهد المطلق شیخ الحنابلة اھ (الجنہ ص۱۳۱) محدثینؒ اور فقہاءؒ کے مراتب اور خدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قال احمد بن حنبلؒ معرفة الحديث والفقه فيه احب الي من حفظه

الى ان قال

وقال علي بن المديني اشرف العلم الفقه في متون الاحاديث ومعرفة احوال الرواة اه (منهاج السنة جلد ۴ ص۱۱۵ طبع مصر)

امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت اور اس میں تفقہ پیدا کرنا مجھے اس کے صرف یاد کر لینے سے زیادہ محبوب ہے ۔

اور امام علیؒ بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ اشرف تر علم احادیث کے متون میں تفقہ پیدا کرنا اور احوال رواۃ کی معرفت حاصل کرنا ہے ۔

مؤرخِ اسلام علامہ ابن خلدون المغربیؒ نے فقہ کی ضرورت اور اس کی افادیت پر مبسوط علمی بحث کی ہے ، (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدونؒ از ص۴۴۵ تا ص۴۵۲ طبع مصر)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

" وبعد از قرآن وحدیث مدار اسلام بر فقہ است " اھ (قرۃ العینین ص۱۲۱ طبع مجتبائی)

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے فقہ و درایت کا مقام آسانی کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ نظر شریعت اور علماء امت کے اقوال کے آئینہ میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، اور فقہ اسلامی کی توہین و انکار کرنا سلامت روی کے سراسر خلاف ہے ۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :۔

الحفظ غير الملكة العلمية ومن كان عنايته بالحفظ اكثر من عنايته الى تحصيل الملكة لا يحصل الى طائل من ملكة التصرف في العلم ولذلك ترى من حصل الحفظ لا يحصل شيئا من الفن و تجد ملكة قاصرة في علمه ان فاوض او ناظر ومن ظن انه المقصود من الملكة العلمية فقد اخطأ وانما المقصود هو ملكة الاستخراج والاستنباط وسرعة الانتقال

حفظ کا درجہ اور ہے اور ملکۂ علمیہ کا مقام اور ہے جس شخص کا اہتمام ملکہ حاصل کرنے کی بجائے حفظ میں زیادہ ہو اس کو تصرف فی العلم کے ملکہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ جو شخص حفظ کو پا لیتا ہے وہ فن کی کوئی چیز حاصل نہیں کر سکتا اور اس کا علمی ملکہ قاصر رہتا ہے جب کہ وہ گفتگو اور مناظرہ کرے اور جس شخص نے یہ گمان کر لیا کہ ملکۂ علمیہ سے صرف حفظ ہی مقصود ہے سو اس نے بیشک خطا کی کیونکہ مطلوب تو دراصل

من الدوال الى المدلولات ومن اللازم الى الملزوم وبالعكس فان ضم اليها ملكة الاستحضار فنعم المطلوب وهذا لا يتم بمجرد الحفظ اه

(الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص۸)

استخراج اور استنباط اور الفاظ سے معانی کی طرف اور لازم سے ملزوم کی جانب اور بالعکس انتقال کرنے کا ملکہ حاصل کرنا ہے، اور اگر اس کے ساتھ ملکۂ حفظ و استحضار بھی حاصل ہو جائے تو پھر نورٌ علیٰ نورٌ ہے مگر یہ ملکہ محض حفظ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

غور فرمایئے کہ نواب صاحبؒ کیا ارشاد فرما گئے ہیں! سچ ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام کہ مقصود بالذات تو ایسا ملکۂ علمیہ حاصل کرنا ہے جس کے توسط سے استخراج احکام اور استنباط مسائل کی گتھی سلجھائی جا سکے۔ محض حفظ سے بھلا یہ ملکۂ علمیہ کب اور کس کو حاصل ہو سکتا ہے؟ اسی کا نام فقہ اور درایت اور رائے واجتہاد ہے۔ جو شخص اس سے موصوف ہوگا گویا وہ ملکۂ علمیہ کی سدرۃ المنتہیٰ پہ فائز ہوگا۔ امت کے لیے جس سے اوپر کوئی اور مقام تصور نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابوالحسن منصورؒ بن اسمٰعیل الشافعیؒ (المتوفی ۳۰۶ھ جو احد الائمۃ المذہب تھے) فرماتے ہیں کہ:

عَابَ التَّفَقُّهَ قَوْمٌ لَا عُقُوْلَ لَهُمْ — وَمَا عَلَيْهِ إِذَا عَابُوْهُ مِنْ ضَرَرٍ

مَا ضَرَّ شَمْسَ الضُّحٰى وَهِيَ طَالِعَةٌ — اَنْ لَّا يَرٰى ضَوْءَهَا مَنْ لَيْسَ ذَا بَصَرٍ

(طبقات سبکیؒ ج۲ ص۳۱۷)

ترجمہ: یعنی فقہ حاصل کرنے کو ان لوگوں نے معیوب قرار دیا ہے جو عقل سے محروم ہیں اور ایسے لوگوں کے علم فقہ پہ عیب لگانے سے کوئی ضرر نہیں ہے۔

اگر کوئی نابینا آفتاب نیمروز کو جو آب و تاب سے طلوع ہو چکا ہو، نہیں دیکھتا تو اس سے آفتاب کی روشنی کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

فقہ سے کوئی چارہ نہیں

کم ظرف کوتاہ فہم اور متعصب لوگ تو ہمیشہ فقہ کی اہمیت کو گھٹانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور فقہاء کرامؒ اور کتب فقہ کی تنقیص و توہین میں بلا وجہ اپنا قیمتی وقت صرف کر دیتے ہیں لیکن ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت کے بعد فقہ و قیاس اور اجتہاد کی حاجت ایسی اہم اور ضروری ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں اور زمانۂ حال کے غیر مقلدین حضرات کو بھی اس کی افادی حیثیت تسلیم کرنے سے کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ (المتوفی ۱۳۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ آئمہ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں۔ تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآنؑ، سنتؐ، اجماعؒ امت اور قیاسؒ ان میں بھی اصل قرآن و سنت ہے اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن اور سنت ہے، کتاب و سنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ قیاس الخ (پیش لفظ معیار الحق ص ز) اور نیز مولانا موصوفؒ تفقہ فی الدین کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ قرآن و سنت کی حفاظت کے باوجود دنیا کے حوادث لامتناہی ہیں اور کتاب و سنت کی راہنمائی کے سوا ان حوادث سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں اس لیے لا محالہ اہل علم اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا قرآن عزیز کا ارشاد ہے:۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ، (نحل) — جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انما شفاء العیّ السوال۔ انجان آدمی کے لیے صحت مند طریقہ یہی ہے کہ وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے یہ ایک فطری جذبہ تھا ہر زمانہ میں اہل علم نے اس ذمہ داری کا احساس فرمایا وقت کی ضرورت اور ماحول کے مطابق کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا فرمایا، آوارگی سے بچتے ہوئے غیر منصوص حوادث کے فیصلے نصوص یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں کئے اور اس کے ساتھ وقت کے مصالح اور ضرورتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا اھ (پیش لفظ معیار الحق ص ط) الغرض فقہاء کرامؒ نے جو کچھ کیا ہے اسی فطری جذبہ کے تحت آوارگی سے بچانے کے لیے اور وقتی ضرورتوں اور مصالح کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے۔

باب سوم

فقہاء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اِس بات میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ صحابہ کرامؓ شرفِ صحبتِ نبوی کے فیض اور برکت سے سب کے سب عادل، ثقہ، متقی، خدا پرست اور پاکباز تھے مگر فہم قرآن، تدبرِ حدیث اور تفقہ فی الدین میں سب یکساں نہ تھے بلکہ اس لحاظ سے ان کے آپس میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب تھے، چنانچہ امام مسروق رہ (المتوفی ۶۳ھ جو الامام الفقیہ اور احد الاعلام تھے، تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۴۶) فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ سے فیضِ صحبت اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان سب کا علم سمٹ سمٹا کر چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابوالدرداءؓ، اور حضرت زیدؓ بن ثابت، پھر میں نے ان چھ حضرات سے شرفِ صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ اِن سب کا علم حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود پر ختم ہو گیا ہے۔ طبقات ابنِ سعد ج ۲ ص۲۵۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۲۴ ومقدمۃ ابن الصلاح ص۲۶۲ مع شرح العراقی)۔

امام حاکمؒ نے بھی امام مسروقؒ سے یہ روایت نقل کی ہے، اس میں انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت ابنِ مسعودؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت زیدؓ بن ثابت حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کا نام ذکر کیا ہے۔ مستدرک جلد ۳ ص۴۶۵ وسکت عنہ الحاکمؒ ثم الذہبیؒ)

اور امام شعبیؒ (المتوفی ۱۰۳ھ) جو امام، حافظ، فقیہ، متقن اور علامۃ التابعین تھے (تذکرہ ج۱ ص۷۴)
کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ میں دینی مسائل کے بارے فیصلہ صادر کرنے والے چھ حضرات تھے، مدینہ
طیبہ میں حضرت عمرؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت زیدؓ بن ثابت اور کوفہ میں حضرت علیؓ
حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (مستدرک ص۶۵ وسکتا عنہ)

حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ اُمّتِ مرحومہ میں بالعموم دین فقہ اور علم اصحابِ
عبداللہؓ بن مسعودؓ، اصحابِ زیدؓ بن ثابت، اصحاب عبداللہؓ بن عمرؓ اور اصحاب عبداللہؓ بن عباسؓ
کے ذریعہ پھیلا ہے۔ اہلِ مدینہ کا علم اصحابِ زیدؓ بن ثابت اور اصحاب عبداللہؓ بن عمرؓ کے ذریعہ
اور اہلِ مکہ کا علم اصحاب عبداللہؓ بن عباسؓ کے ذریعہ پھیلا ہے۔

واما اھل العراق فعلمھم عن اصحاب عبداللہؓ بن مسعود۔	اور اہلِ عراق کا علم اصحاب عبداللہؓ بن مسعود کے توسط سے پھیلا ہے۔

(اعلام الموقعین جلد ۱ ص۱۸ اشرف المطابع دھلی)

اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ جن صحابہ کرامؓ سے
دین، علم اور فقہ کی اشاعت ہوئی ہے، ان میں حضرات ابنؓ مسعود، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت
عبداللہؓ بن عباسؓ، اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ پیش پیش تھے (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۵)
مولانا مبارک پوری صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ دینی مسائل کی ترویج و اشاعت
کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ کے تین طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جس سے مسائل کی ترویج تو ہوئی
ہے مگر نسبتاً کم اور دوسرا طبقہ متوسط رہا ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے دین کی بہت زیادہ اشاعت
ہوئی ہے، ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زیدؓ بن
ثابتؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عمرؓ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۱۱)
امام شعبیؒ (عاصم الاحولؒ کا بیان ہے کہ مجھے اہلِ کوفہ، بصرہ اور حجاز کی حدیثوں کا امام شعبیؒ
سے بڑا کوئی عالم معلوم نہیں تذکرہ جلد ۱ ص۷۹ محمدؒ بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ شعبیؒ صحابہ کرامؓ
کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے ایضاً ص۷۵، ابوحصینؒ کا بیان ہے کہ میں نے شعبیؒ سے بڑا
فقیہ کوئی نہیں دیکھا ایضاً ص۷۶ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وھو اکبر شیخ لابی حنیفۃؒ تذکرہ ج۱ ص۷۵

کہ امام ابو حنیفہؒ کے بڑے شیخ اور استاد یہی تھے) کا ارشاد ہے کہ :۔

كان الفقهاء بعد اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بالكوفة فى اصحاب عبد اللهؓ بن مسعود۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص۲۹۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے بعد فقہا کا طبقہ کوفہ میں اصحاب عبد اللہؓ بن مسعود میں بٹا ہوا تھا۔

اور پھر اُن کے نام یہ بیان کیے ہیں۔ علقمہؒ بن قیس النخعیؒ، عبیدہؒ بن قیس المرادیؒ، شریحؒ بن الحارث الکندیؒ اور مسروقؒ بن الاجدع الہمدانیؒ۔

اور امام ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کے اصحاب جو قرآن پڑھتے پڑھاتے اور جن کی رائے پر لوگ مطمئن ہو کر تشفی حاصل کرتے تھے، یہ چھ حضرات تھے، علقمہؒ، اسودؒ، مسروقؒ، عبیدہؒ، عمروؒ بن شرحبیلؒ اور الحارثؒ بن قیسؒ۔ (ایضاً)

اور امام شعبیؒ ہی سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ :۔

ماكنت اعرف فقهاء الكوفة الا اصحاب عبد اللهؓ اھ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۴۸)

میں کوفہ میں اصحاب عبد اللہؓ بن مسعود کے سوا اور کسی کو فقیہ نہیں جانتا۔

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اصحاب عبد اللہؓ بن مسعود لوگوں میں دین اور تفقہ کا جذبہ پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں اور مسجدِ کوفہ میں جب چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہوئی دیکھیں جن سے طلبۂ کرام کتابتِ علم میں مصروف تھے، تو ان سے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ :۔

لقد ترك ابن ام عبد يعنى ابنؓ مسعود هؤلاء سرج الكوفة (مناقب موفق ج ۲ ص۱۴۰)

عبد اللہؓ بن مسعود نے ان کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑا ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ فقہ میں جن حضرات کو مقامِ بلند حاصل رہا ہے، ان میں خصوصیت سے حضرت عبد اللہؓ بن مسعود اور آپ کے اصحاب شامل ہیں اور ان کی فقہ تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم اور ان پر فائق ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

" قول زیدؓ بن ثابت اور فرائض مقدم باید ساخت بر اقوال مجتہدین و قول عبد اللہؓ بن مسعود را در قرآت و فقہ " (ازالۃ الخفاء ص۱۵ طبع صدیقی، بریلی)

کوفہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کا ورود

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب اہل حل وعقد نے حضرت علیؓ (المتوفی سنہ ۴۰ھ) کو خلیفۂ راشد تسلیم اور منتخب کر لیا تو کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات اٹھ کھڑے ہوئے جن کی وجہ سے خلیفہ چہارم کو خاصی پریشانی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور عراق کے اندر اس انداز سے شورش اور فتنہ برپا ہوا کہ حضرت علیؓ نے سیاسی طور پر خلافت کے استحکام کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ مدینہ طیبہ سے دار الخلافہ منتقل کر کے عراق کے کسی موزوں شہر کو مرکز بنا لیا جائے۔ چنانچہ یہ شرف کوفہ کو حاصل ہوا۔ اور انہوں نے اپنی خلافت کا بیشتر حصہ جو چار سال تھا (حاشیۂ نفح الطیب جلد ۲ ص ۱۷ طبع مصر لابن حجر عسقلانیؒ) وہیں گزارا تھا اور اس اثناء میں علاوہ دیگر علمی ضیاء پاشیوں کے جو ان کی اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی وجہ سے خوب پھیلیں جتنے بھی اہم قضایا اور فیصلے ان کے ذریعے صادر ہوئے وہ کوفہ ہی میں ہوتے رہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:-

وانما ظهر علم علیؓ وفقهه فی الکوفة بحسب مقامه فیها عندهم مدة خلافته اھ — یعنی حضرت علیؓ کا علم اور ان کی فقہ کوفہ میں ان کی خلافت کی مدت میں ظاہر ہوتی رہی۔

(منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۳۷ طبع مصر)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:-

کان اغلب قضایاه بالکوفة — ان کے بیشتر فیصلے کوفہ ہی میں صادر ہوتے رہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۳۲ طبع مصر)

اور یہ کوئی معدودے چند فیصلے نہ تھے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:-

"قضایائے بسیار در ایام خلافت بر دست او ظاہر شدند" (قرۃ العینین ص ۱۴۰ طبع مجتبائی دہلی)

مگر یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ کے کوفہ جانے سے پہلے بھی وہاں علم وعرفان کی بارش برستی رہی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:-

"حضرت علیؓ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا تاہم اہل کوفہ حضرت علیؓ کے وقت تو کیا حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے بھی پیشتر قرآن وسنت کا علم رکھتے تھے۔" (منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۳۹)

اور لکھتے ہیں کہ "جب حضرت علیؓ کوفہ تشریف لے گئے تو ان سے پہلے ہی اہل کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت حذیفہؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ وغیرہ سے جن کو حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیجا تھا، دین وعلم حاصل کر چکے تھے۔" (ایضاً ج ۴ ص ۱۵۷)

اور جو جو علوم اہل کوفہ نے حاصل کیے تھے وہ بھی سن لیجیے کہ :۔

فان اهل الكوفة التى كانت داره كانوا قد تعلموا الايمان والقران وتفسيره والفقه والسُّنَّة عن ابنؓ مسعود وغيره قبل ان يقدم علىؓ على الكوفة اھ	اہلِ کوفہ نے جو حضرت علیؓ کا دار الخلافہ تھا حضرت عبداللہؓ بن مسعود وغیرہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، فقہ اور سنّت کا علم حضرت علیؓ کی کوفہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔

(منہاج السنّۃ ج ۴ ص ۱۴۲)

اور ان اکابر صحابہؓ کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرامؓ عراق کے اس بابرکت شہر کوفہ میں تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ امام حاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ جو الحافظ الکبیر امام المحدثین تھے۔ تذکرہ ج ۳ ص ۲۲۷) نے انچاس ۴۹ صحابہ کرامؓ کے نام مع ولدیت بیان کیے ہیں جو کوفہ میں نزیل ہوئے۔ (ملاحظہ ہو معرفت علوم الحدیث ص ۱۹۱ طبع القاہرہ)۔

علامہ ابن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ جو الحافظ العلامہ اور کثیر العلم تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۱۲) لکھتے ہیں کہ "ستر بدری اور تین سو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔" (طبقات ابنِ سعد ج ۶ ص ۴ طبع مصر)

اس سے اندازہ لگایئے کہ دیگر صحابہ کرامؓ جو کوفہ میں فروکش ہو کر اس کو بابرکت کر چکے ہوں گے ان کی تعداد کیا ہو گی؟

امام ابو بشر الدولابی الحنفیؒ (المتوفی ۳۱۰ھ جو الحافظ اور العالم تھے تذکرہ ج ۲ ص ۲۹۱) سند کے ساتھ مشہور تابعی حضرت قتادہؒ (المتوفی ۱۱۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ :۔

نزل الكوفة الف وخمسون رجلا من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم واربعة وعشرون من اهل بدر (كتاب الكنىٰ والاسماء	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے ایک ہزار اور پچاس (دیگر صحابہؓ) اور چوبیس ۲۴ بدری صحابہؓ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

جلد ۱ ص ۱۴ طبع حیدر آباد دکن)

امام احمدؒ بن عبداللہ العجلیؒ (المتوفی ۲۶۱ھ جو الامام الحافظ اور القدوہ تھے۔ تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۷ کا بیان ہے کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ نازل ہوئے تھے (بحوالہ فتح القدیر حافظ ابن ہمامؒ جلد ۱ ص ۲ طبع نول کشور و شرح نقایہ جلد ۱ ص ۲۰ ملا علی القاریؒ)۔

امام شمس الدین السخاوی الشافعیؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) کوفہ میں فروکش ہونے والے بعض صحابہ کرامؓ کے نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ:۔

وخلق من الصحابةؓ۔ (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۱۲۹ طبع دمشق) اور بھی بہت سے صحابہ کرامؓ وہاں اُترے۔

غور فرمایئے کہ جو مقام خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کا دار الخلافہ ہو اور جس میں عام صحابہ کرامؓ کے علاوہ بدری اور اصحاب الشجرہ (جن کو رضائے الٰہی کی سند بذریعۂ قرآنِ پاک اور مغفرت کا پروانہ بتوسط جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو چکا ہو) نازل ہوئے ہوں اور جس میں فقہاء صحابہؓ میں سے علی الخصوص حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ فصل خصومات اور تعلیم کے ذریعہ علم دین، ایمان اور فقہ سے لوگوں کے دلوں کو مالا مال کر چکے ہوں اس کی فضیلت کے لیے یہ مناقب و مزایا بھلا کیا کم ہیں؟

امام نوی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ جو الامام الحافظ الاوحد القدوۃ اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۰) لکھتے ہیں کہ:۔

وھی دار الفضل ومحل الفضلاء (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۵) کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ نے کوفہ کو معدن العلم والفقہ فرمایا ہے۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۵۶)

امام سفیانؒ بن عیینہؒ (المتوفی ۱۹۸ھ جو العلامہ الحافظ اور شیخ الاسلام تھے۔ تذکرہ جلد ۱ ص ۲۴۲) نے فرمایا کہ افعال حج اور مناسک تو تم اہلِ مکہ سے حاصل کرو، اور قرأت اہلِ مدینہ سے سیکھو لیکن:۔

وخذوا الحلال والحرام عن اھل الکوفة (معجم بلدان یاقوت حمویؒ لفظ کوفہ) حلال اور حرام کے مسائل تم اہلِ کوفہ سے لو۔

اور نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو مغازی اور جنگوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ اہلِ مدینہ سے حاصل کرے اور مناسکِ حج اہلِ مکہ سے سیکھے ۔

ومن اراد الفقه فالکوفة — اور جو فقہ چاہتا ہے تو اس کے لیے کوفہ ہی ہے۔

(مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۹۴)

حافظ ابوالقاسمؒ بن عساکرؒ (المتوفی ۵۷۱ھ) جو الحافظ الامام الحافظ الکبیر، فخر الائمہ اور ثقۃ الدین تھے، تذکرہ جلد ۴ ص ۱۱۸) اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تم نماز کے مسائل اہلِ مدینہ سے، مناسک حج اہلِ مکہ سے اور ملاحم و غزوات کے حالات اہلِ شام سے حاصل کرو۔ اور

والرائ عن اهل الکوفة — رائے و فقہ تم اہلِ کوفہ سے حاصل کرو۔

(تاریخ دمشق جلد ا ص ۳۱۷ طبع دمشق)

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ کوفہ صرف فقہ ہی کے لیے مشہور نہ تھا بلکہ وہ علمِ حدیث کا بھی اچھا خاصا مرکز تھا اور ہزاروں طلبہ حدیث وہاں حاضر ہو کر اپنی آتشِ شوق بجھایا کرتے تھے، چنانچہ مشہور تابعی حضرت محمدؒ بن سیرینؒ (المتوفی ۱۱۰ھ) جو الامام الربانی، فقیہ، امام، غزیر العلم، ثقہ، ثبت اور فنِ تعبیر کے علامہ تھے۔ تذکرہ جلد ا ص ۷۳) فرماتے ہیں کہ :-

قدمت الکوفة وبها اربعة آلاف یطلبون الحدیث (تدریب الراوی ص ۲۷۵ طبع مصر) — میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث موجود تھے۔

محدثِ بغداد عفانؒ بن مسلمؒ (المتوفی ۲۲۰ھ) ۔ ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور امام تھے ۔ بغدادی جلد ۱۲ ص ۲۶۹ اور عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور صاحبِ سنت تھے۔ ایضاً۔ اور یعقوبؒ بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور متقن تھے۔ ایضاً ص ۲۷۶ اور علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور محدثِ بغداد لکھتے ہیں۔ تذکرہ ج ا ص ۳۴۴) فرماتے ہیں کہ :-

فقدمنا الکوفة فاقمنا اربعة اشهر ولو اردنا ان نکتب مائة الف حدیث لکتبناها فما کتبنا الا قدر خمسین الف حدیث — ہم کوفہ پہنچے اور چار ماہ وہاں قیام کیا۔ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ حدیث لکھ سکتے تھے مگر ہم نے (کمال احتیاط کے ساتھ) صرف پچاس

الیٰ ان قال وما رأینا بالکوفۃ لحانا مجوزا اھ (شرح الفیۃ العراقی ج۳ ص۹ طبع مصر و تقدمۃ نصب الرایہ ص۳۵)

ہزار حدیثیں ہی لکھیں (پھر فرمایا) کہ ہم نے کوفہ میں عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اس کو روا سمجھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

امام ابوبکر عبداللہؒ بن ابی داؤدؒ (المتوفی ۳۱۶ھ) جو الحافظ العلامہ اور قدوۃ المحدثین تھے، تذکرہ جلد ۲ ص۲۹۸ اور وہ اپنے دور کے بڑے زاہد اور عابد تھے، تین لاکھ سے زیادہ لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ تذکرہ ج۲ ص۳۰۲) فرماتے ہیں کہ:-

وقال دخلت الکوفۃ ومعی درھم واحد فاشتریت بہ ثلاثین مدًّا باقلاء فکنت اکل منہ واکتب عن الاشج فما فرغ من الباقلاء حتی کتبت عنہ ثلاثین الف حدیث مابین مقطوع ومرسل (تذکرۃ الحفاظ جلد۲ ص۲۹۹ وتاریخ بغداد ج۲ ص۴۶۶ وطبقات سبکی ج۲ ص۲۳۰)

میں جب کوفہ میں داخل ہوا تو میرے پاس صرف ایک ہی درہم تھا جس کا میں تیس مُدّ (تقریباً ایک رطل اور پونڈ کا مدّ ہوتا ہے) باقلاء خریدلیا پھر میں اس کو کھاتا رہا اور محدث اشجؒ سے حدیثیں لکھتا رہا۔ اس طرح میں نے باقلاء کے ختم ہونے سے پہلے ہی تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل تھیں۔

اس عبارت میں جس الاشجؒ کا تذکرہ آیا ہے وہ ابوسعید عبداللہ بن سعیدؒ بن حصین الکندیؒ الکوفی (المتوفی ۲۵۷ھ) ہیں جو الامام شیخ الاسلام الحافظ اور محدث الکوفہ تھے۔ امام ابوحاتمؒ کا بیان ہے کہ ھو اعلم اھل زمانہ۔ تذکرہ ج۲ ص۸۶)

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے طلب حدیث کے سلسلہ میں بہت سے اسلامی شہروں کا سفر اختیار کیا تھا لیکن کوفہ اور بغداد میں تو وہ بار بار حاضر ہوتے رہے، چنانچہ خود ان کا اپنا ارشاد ہے کہ:-

لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ وبغداد مع المحدثین (ھدی الساری مقدمہ فتح الباری جلد۲ ص۴۷۹ طبع مصر)

میں یہ نہیں گن سکتا کہ میں محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا۔

امام عبداللہؒ بن احمدؒ (المتوفی ۲۹۰ھ) جو الامام الحافظ اور الحجہ تھے۔ تذکرہ ج۲ ص۲۱۳) نے

اپنے والدِ ماجد حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ طلبِ علم کے لیے ایک ہی استاد کی خدمت میں رہنا چاہیئے، یا دیگر مقامات میں بھی جا کر علم حاصل کرنا چاہیئے؟ تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

یرحل ویکتب من الکوفیین والبصریین واھل المدینۃ ومکۃ (تدریب الراوی ص۷۰ اوفتح المغیث ص۳۲۱)	سفر اختیار کرنا چاہیئے اور کوفیوں، بصریوں اہل مدینہ اور اہلِ مکہ سے علم لکھنا چاہیئے۔

ملاحظہ کیجئے کہ امام اہلِ سنّت اور مقتدائے ملّت نے جن مقامات اور جن حضرات سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے، ان میں اہلِ کوفہ کا ذکر سب سے پہلے نمبر پر کیا ہے، کیا خوب کہا گیا ہے کہ ؎

میری انتہائے نگارش یہی ہے ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

اہلِ کوفہ اور علمِ حدیث

چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کوفی تھے، اس لیے سابق زمانہ میں حاسدین اور متعصّبین اور کچھ حقیقت ناشناس حضرات نے اور اس دَور میں غیر مقلّدین حضرات نے خاصی قوّت صرف کر کے یہ مہم شروع کر رکھی ہے کہ اہلِ کوفہ کو تو حدیث کا علم ہی نہ تھا اور کوفہ والوں کی حدیث میں نُور ہی نہیں اور کوفہ والوں کی نقل ہی معتبر نہیں اور اگر جابر جعفی کذاب نہ ہوتا تو کوفہ والے علم حدیث ہی سے تہی دست ہوتے وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے وہ اس عنوان کو ادا کرتے ہیں چنانچہ مصنّف حقیقت الفقہ حصہ اوّل ص۸۰ میں یہ سُرخی قائم کرتے ہیں کہ اہلِ کوفہ کی حدیث دانی اور پھر کچھ تو دعوٰی سے بالکل غیر متعلق حوالے نقل کئے ہیں ہمیں ان کے جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں اور ایک حوالہ ابو داؤد ج ۲ ص۳۵۰ طبع مجتبائی کا یوں نقل کیا ہے۔ (ہم صرف ان کے ترجمہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں):- امام احمد فرماتے ہیں کہ اہلِ کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے" اھ

مگر صد افسوس ہے کہ مصنّف مذکور بات کو بالکل نہیں سمجھا اور اگر سمجھا ہے تو خیانت سے کام لیا ہے، ہم ابو داؤد کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

قال ابوعلی سمعت ابا داؤد قال قال النفیلی حیث حدث بھذا الحدیث واللہ انہ عندی	ابو علیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو داؤدؒ سے سنا کہ نفیلیؒ جب یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے تو یہ بھی فرماتے

احلی من العسل یعنی قولہ حدثنا وحدثنی قال ابوعلی سمعت ابا داؤد یقول سمعت احمد یقول لیس لحدیث اہل الکوفۃ نور قال ومارأیت مثل اہل البصرۃ کانوا تعلموہ من شعبۃ (انتہی) جلد ۲ ص ۳۴۱

تھے کہ بخدا یہ حدیث جسمیں حدثنا اور حدثنی کے (سماع کیلئے صریح) الفاظ آتے ہیں مجھے شہد سے بھی زیادہ لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ ابوعلیؒ نے ابوداؤدؒ سے یہ روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے احمدؒ سے سُنا انہوں نے فرمایا کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں اور میں نے اہل بصرہ کیطرح کوئی اور نہیں دیکھا جو یہ فرق ملحوظ رکھتا ہو کیونکہ انہوں نے شعبہؒ سے یہ حاصل کیا ہے۔

(باایں ہمہ حضرت شعبہؒ کا علم بھی اہلِ کوفہ کا فیض تھا چنانچہ بغدادیؒ لکھتے ہیں:۔ وعلمہ کوفی جلد ۹ ص ۲۵۷)۔

بات صرف اتنی ہے کہ اہلِ بصرہ حدثنا وحدثنی وغیرہ کے الفاظ میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور اہلِ کوفہ اس فرق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اور اسی عدم فرق پر قاضی عیاض المالکیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) اور حافظ عراقی الشافعیؒ (المتوفی ۸۰۶ھ) نے اجماع نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ فتح الملہم ص۵ وغیرہ) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ، مالکؒ، ابن عیینہؒ، یحییٰ القطانؒ اکثر اہلِ حجاز اور اہل کوفہ اور اسی طرح اہلِ مغاربہ کا یہ مسلک ہے اور اسی کو ابن الحاجبؒ نے مختصر میں ترجیح دی ہے اور امام حاکمؒ نے ائمہ اربعہؒ کا یہ مذہب بتایا ہے کہ ان الفاظ کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ اور بعض نے ان الفاظ کی پابندی کو صرف مستحسن قرار دیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۱۸ طبع مصر)

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ فنِ روایت کے اس دقیق فرق کے پیشِ نظر یہ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث اس فرق کو واضح کرنے کے لیے اتنی روشن نہیں جتنی کہ اہلِ بصرہ کی سند کے لحاظ روشن اور واضح ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ فرق امام شعبہؒ سے حاصل کیا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوفہ والوں کی حدیث متن کے لحاظ سے بے نور ہوتی ہے جیسا کہ مؤلف حقیقت الفقہ کا یہ باطل اور بے بنیاد مدعی ہے اور مؤلف نتائج التقلید نے تو اس سے بھی بڑھ کر غلط بیانی سے کام لیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ رئیس المحدثین امام ترمذیؒ کا قطعی وناطق فیصلہ بھی سنتے چلیے، لولا جابر الجعفی لکان اہل الکوفۃ بغیر حدیث ولولا حماد لکان اہل الکوفۃ بغیر فقہ (ترمذی ص ۲۹)

اگر جابر جعفی ایسا کذاب نہ ہوتا تو حنفی مذہب کے پاس کوئی حدیث نہ ہوتی اور اگر حضرت حماد کوفی نہ ہوتے تو حنفیت فقہ سے تہی دست ہوتی۔ جابر جعفی کو امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑا کذاب فرماتے ہیں اور حضرت حمادؒ بھی متکلم فیہ یعنی غیر معتبر ہیں۔ لطف یہ کہ فقہ حنفیہ کا سرمایۂ حیات لے دے کر بقول امام ترمذیؒ جابر جعفی اور حمادؒ کوفی ہی ہیں۔ (انتہیٰ بلفظہ ص۹۰ و ص۹۱)

مگر حیرت ہے کہ مؤلف مذکور بھی کئی وجوہ سے جہالت کا شکار ہوگیا۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ قول امام ترمذیؒ کا نہیں بلکہ وکیعؒ بن الجراحؒ کا ہے اور وہ جابرؒ بن یزید جعفیؒ کی توثیق کر رہے ہیں۔ (اگرچہ جمہور ان کی تضعیف کرتے ہیں) چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وقال وکیع مهما شککتم فی شیئ فلا تشکوا فی ان جابرًا ثقة حدثنا عنه مسعر وسفیان وشعبة وحسن بن صالح اھ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص۴۷)

وکیعؒ فرماتے ہیں کہ تم اگر کسی اور چیز میں شک کرتے ہو تو شوق سے کرو مگر اس میں بالکل شک نہ کرنا کہ جابر ثقہ ہے۔ ہم سے مسعرؒ، سفیانؒ، شعبہؒ اور حسنؒ بن صالح نے ان کی حدیث بیان کی ہے۔

اور ترمذی کی اس عبارت میں بھی مقصود بالذات یہی نکتہ ہے۔ وثانیاً مؤلف نے اہلِ کوفہ سے کیونکر علی التعیین حنفی ہی سمجھ لیے ہیں، کیا کوفہ میں اور حضرات نہ تھے؟ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو مولانا مبارکپوری صاحبؒ ہی کی سن لیجئے :۔

قلت الصحیح ان الترمذی اراد باهل الکوفة من کان فیها من اهل العلم کالامام ابی حنیفةؒ والسفیانین وغیرهم واراد ببعض اهل الکوفة بعضهم ولم یرد باهل الکوفة او ببعض اهل الکوفة الامام ابا حنیفةؒ وحدهٗ اھ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۰۹)

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ نے اہلِ کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہلِ علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، سفیانؒ بن عیینہؒ وغیرہ اور بعض اہلِ کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذیؒ نے اہلِ کوفہ یا بعض اہلِ کوفہ سے صرف امام ابوحنیفہؒ ہی مراد نہیں لیے۔

کیا اس حوالہ کے پیشِ نظر ہم یہی سمجھ لیں کہ جملہ اہلِ کوفہ کی حدیث دانی جابر بن یزید جعفی پر قائم ہے؟ اور بقول مؤلف نتائج التقلید لے دے کر اہلِ کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایہ حیات ہی جابر جعفی ہیں؟ وثالثاً امام حمادؒ کو علی الاطلاق متکلم فیہ سمجھنا اور متکلم فیہ کا معنیٰ غیر معتبر کرنا بالکل غلط ہے، ورنہ

اکثر روات متکلم فیہم مضمون گے۔ (مزید تحقیق تعلیق المغنی ج ا ص ۱۱۵ میں دیکھئے) اور کیا امام حمادؒ محمدؒ بن اسحاقؒ سے بھی زیادہ متکلم فیہ ہیں؟ جن کی روایت پر قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی عمارت کھڑی ہے اور غیر مقلدین حضرات کے دورِ حاضر میں سب سے بڑے محدث اور جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث ایک مقام پر یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

" پھر یہ مرسل کیسے حجت ہو سکتی ہے، جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت نہیں اھ" (بلفظہ خیر الکلام ص ۲۹۴)

لیجئے اہلِ کوفہ کی نقل اور روایت سے گلو خلاصی کے لیے کیا ہی تیر بہدف اور زود اثر نسخہ دستیاب کر لیا گیا ہے کہ جب اہلِ کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں تو پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟ بتایئے کہ اس جواب کے تریاق، مجرب اور اکسیر اعظم ہونے میں کیا کسر باقی ہے؟ جہاں سند میں کوئی کوفی راوی ملے وہاں جھٹ سے یہ اکسیر اس کی روایت کو سونگھا دو اور یقین جانیئے کہ کلوروفام سے بھی پہلے اس کا اثر نمایاں ہو گا اور اہلِ کوفہ کی حدیث و روایت جہاں بھی ہو گی وہیں خفتہ و بے ہوش ہو جائے گی۔ مگر یہ خیال رہے کہ مسئلہ رفع یدین، آمین بالجہر اور فوق الصدر وغیرہ میں کہیں سفیان ثوریؒ اور ایسے ہی دیگر کوفی نہ ہوں، ورنہ یہ سودا سراسر مہنگا پڑے گا اور یہ کہنا پڑے گا۔

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

راقم الحروف نے امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کے سن وفات ۲۵۶ھ تک جب محدثین کوفہ کی تلاش تاریخ خطیبؒ، طبقات سبکیؒ، تذکرۃ الحفاظ، معرفت علوم الحدیث تہذیب التہذیب اور البدایہ والنہایہ وغیرہ وغیرہ کتب اسماء الرجال وطبقات میں شروع کی تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز نکلی، خوفِ طوالت سے سب کو نظر انداز کر دیا، البتہ غیر مقلدین حضرات کو دعوت فکر دینے کے لیے تذکرۃ الحفاظ کی صرف پہلی جلد سے ان محدثین عظامؒ کا ذکر کرنا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کو علامہ ذہبیؒ نے الکوفی یا نزیل الکوفہ کے لقب سے یاد کیا ہے عام اس سے کہ وہ مولداً کوفی ہوں یا مسکناً۔ اور اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں مستقل عنوان صرف انہی حضرات کے ناموں سے قائم کئے ہیں جو حفاظِ حدیث ہیں۔ کسی کے نام کے ساتھ انہوں نے الامام، القدوۃ، المحدث اور کسی کے نام کے ساتھ الحافظ، الحجۃ، الثقۃ اور کسی کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام اور محدث

الکوفہ وغیرہ کے توصیفی کلمات لکھ کر اپنی حسن عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے، اور ان کا صحیح [illegible]ہ اور مقام بھی بتایا ہے۔ ہم صرف ان حضرات کا ذکر کریں گے جن کو مستقل عنوان کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے اور حتی الوسع ہر ایک کا سن وفات بھی عرض کر دیں گے۔

۱	علقمہؒ بن قیسؒ	المتوفی سنہ	۶۲ھ
۲	مسروقؒ بن الاجدعؒ	〃	۶۳ھ
۳	عبیدۃؒ بن عمرو المرادیؒ	〃	۷۲ھ
۴	اسودؒ بن یزیدؒ	〃	۷۵ھ
۵	سویدؒ بن غفلہؒ	〃	۸۱ھ
۶	زرؒ بن حبیشؒ	〃	۸۲ھ
۷	ربیعؒ بن الخثیمؒ	〃	۶۳ھ
۸	عبدالرحمنؒ بن ابی لیلیٰؒ	〃	۷۳ھ
۹	ابوعبدالرحمن السلمیؒ	〃	۷۴ھ
۱۰	شریحؒ بن الحارثؒ	〃	۷۸ھ
۱۱	ابووائل شقیقؒ بن سلمہؒ	〃	۸۲ھ
۱۲	قیسؒ بن ابی حازمؒ	〃	۹۷ھ
۱۳	عمروؒ بن میمونؒ	〃	۷۵ھ
۱۴	زیدؒ بن وہب الجہنیؒ	〃	۸۴ھ
۱۵	معرورؒ بن سویدؒ		
۱۶	ابوعمرو الشیبانیؒ	〃	۹۸ھ
۱۷	ربعیؒ بن خراشؒ	〃	۱۰۱ھ
۱۸	ابراہیم التیمیؒ	〃	۹۲ھ
۱۹	ابراہیم النخعیؒ	〃	۹۵ھ
۲۰	سعیدؒ بن جبیرؒ	〃	〃
۲۱	امام شعبیؒ	المتوفی سنہ	۱۰۳ھ
۲۲	ابواسحٰق السبیعیؒ		۱۲۷ھ
۲۳	حبیبؒ بن ابی ثابتؒ	〃	۱۱۹ھ
۲۴	الحکمؒ بن عتیبہؒ	〃	۱۱۵ھ
۲۵	عمروؒ بن مرۃؒ		۱۱۶ھ
۲۶	قاسمؒ بن مخیمرۃؒ		۱۱۱ھ
۲۷	عبدالملکؒ بن عمیرؒ		۳۶ھ
۲۸	منصورؒ بن معتمرؒ	〃	۱۳۰ھ
۲۹	مغیرۃؒ بن مقسمؒ	〃	۱۳۰ھ
۳۰	حصینؒ بن عبدالرحمنؒ	〃	
۳۱	ابواسحاق الشیبانیؒ	〃	۱۳۰ھ
۳۲	اسمٰعیلؒ بن ابی خالدؒ	〃	۱۴۰ھ
۳۳	سلیمانؒ بن مہران اعمشؒ	〃	۱۴۸ھ
۳۴	عبدالملکؒ بن سلیمان العرزمیؒ	〃	۱۴۵ھ
۳۵	محمدؒ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ	〃	۱۴۸ھ
۳۶	حجاجؒ بن ارطاۃ	〃	۱۴۹ھ
۳۷	مسعرؒ بن کدامؒ	〃	۱۷۵ھ
۳۸	المسعودیؒ	〃	۱۶۰ھ
۳۹	سفیانؒ بن سعید ثوریؒ	〃	۱۶۱ھ
۴۰	اسرائیلؒ بن یونسؒ	〃	۱۶۲ھ

(۴۱) زائدہؒ بن قدامہؒ المتوفی سنہ ۱۶۱ھ
(۴۲) الحسنؒ بن صالحؒ بن حیؒ 〃 ۱۶۷ھ
(۴۳) شیبانؒ بن عبدالرحمٰنؒ 〃 ۱۶۴ھ
(۴۴) قیسؒ بن الربیعؒ 〃 ۱۶۷ھ
(۴۵) ورقاءؒ بن عمروؒ بن کلیبؒ 〃 بعد ۱۶۰ھ
(۴۶) شریکؒ بن عبداللہ القاضیؒ 〃 ۱۷۷ھ
(۴۷) زہیرؒ بن معاویہؒ 〃 ۱۷۳ھ
(۴۸) قاسمؒ بن معنؒ 〃 ۱۷۵ھ
(۴۹) ابوالاحوص سلامؒ بن سلیمؒ 〃 ۱۹۷ھ
(۵۰) عبثرؒ بن القاسمؒ 〃 ۱۷۸ھ
(۵۱) سفیانؒ بن عیینہ 〃 ۱۹۸ھ
(۵۲) ابوبکرؒ بن عیاشؒ 〃 ۱۹۳ھ
(۵۳) یحییٰؒ بن زکریاؒ بن ابی زائدہ 〃 ۱۸۲ھ
(۵۴) عبدالسلامؒ بن حربؒ 〃 ۱۸۷ھ
(۵۵) جریرؒ بن عبدالحمیدؒ 〃 ۱۸۸ھ
(۵۶) ابوخالدؒ الاحمرؒ 〃 ۱۹۸ھ
(۵۷) ابواسحاق الفزاریؒ 〃 ۱۸۵ھ
(۵۸) عیسیٰؒ بن یونسؒ 〃 ۱۸۷ھ
(۵۹) عبداللہؒ بن ادریسؒ 〃 ۱۹۲ھ
(۶۰) یحییٰؒ بن یمانؒ 〃 ۱۸۹ھ
(۶۱) حمیدؒ بن عبدالرحمٰنؒ 〃 ۱۹۰ھ
(۶۲) علیؒ بن مسہرؒ 〃 ۱۸۹ھ
(۶۳) عبدالرحیمؒ بن سلیمانؒ 〃 ۱۸۷ھ
(۶۴) ابومعاویہؒ المتوفی سنہ ۱۹۵ھ
(۶۵) مروانؒ بن معاویہؒ 〃 ۱۹۳ھ
(۶۶) حفصؒ بن غیاث 〃 ۱۹۴ھ
(۶۷) وکیعؒ بن الجراحؒ 〃 ۱۹۷ھ
(۶۸) الاشجعیؒ 〃 ۱۸۲ھ
(۶۹) عبدۃؒ بن سلیمانؒ 〃 ۱۸۸ھ
(۷۰) المحاربیؒ 〃 ۱۹۵ھ
(۷۱) محمدؒ بن فضیلؒ بن غزوانؒ 〃 〃
(۷۲) ابواسامہؒ 〃 ۲۰۱ھ
(۷۳) محمدؒ بن بشرؒ 〃 ۲۰۳ھ
(۷۴) یحییٰؒ بن سعیدؒ بن ابانؒ 〃 ۱۹۴ھ
(۷۵) یونسؒ بن بکیرؒ 〃 ۱۹۹ھ
(۷۶) عبداللہؒ بن نمیرؒ 〃 〃
(۷۷) شجاعؒ بن الولیدؒ 〃 ۲۰۴ھ
(۷۸) محمدؒ بن عبیدؒ 〃 〃
(۷۹) یعلیٰؒ بن عبیدؒ 〃 ۲۰۹ھ
(۸۰) عبداللہؒ بن داؤد الخریبیؒ 〃 ۲۱۳ھ
(۸۱) حسینؒ بن علی الجعفیؒ 〃 ۲۰۳ھ
(۸۲) زیدؒ بن الحبابؒ 〃 ۲۰۳ھ
(۸۳) عبیداللہؒ بن موسیٰؒ 〃 ۲۱۳ھ
(۸۴) اسحاقؒ بن سلیمان القیسیؒ 〃 ۲۰۰ھ
(۸۵) ابواحمد الزبیریؒ 〃 ۲۰۲ھ
(۸۶) یحییٰؒ بن آدمؒ 〃 ۲۰۳ھ

(۸۷) داؤد بن یحییٰ بن یمان المتوفی ۲۰۳ھ
(۸۸) ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید " ۲۱۳ھ
(۸۹) ابو نعیم فضل بن دکین " ۲۱۹ھ
(۹۰) قبیصہ بن عقبہ " ۲۱۵ھ
(۹۱) موسیٰ بن داؤد الضبی " ۲۱۷ھ
(۹۲) خلف بن تمیم " ۲۰۶ھ
(۹۳) یحییٰ بن ابی بکیر المتوفی ۲۰۸ھ
(۹۴) زکریا بن عدی " ۲۱۲ھ
(۹۵) احمد بن عبداللہ بن یونس " ۲۲۷ھ
(۹۶) ابو غسان " ۲۱۹ھ
(۹۷) خالد بن مخلد قطوانی " ۲۱۳ھ

یہ یاد رہے کہ ہم نے تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ہی سے کوفہ کے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے اور ان میں بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ (المتوفی سنہ ۱۸۲ھ) کا (باوجودیکہ ان کو تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل میں مستقل عنوان دے کر علامہ ذہبیؒ نے بیان کیا ہے) تذکرہ نہیں کیا تاکہ ان کے نام سے مزاج یار کہیں برہم نہ ہو جائے۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ تذکرۃ الحفاظ کی بقیہ تین جلدوں اور بیسیوں دیگر اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کوفہ یا بالفاظِ دیگر کوفہ کے حدیث والوں کی تعداد اور گنتی کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم مصنفِ حقیقت الفقہ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ کیا ان محدثین کوفہ یا کوفہ کے حدیث والوں کی بیان کردہ حدیثوں میں نور کی کوئی کرن اور جھلک ہے یا نہیں؟ صحاح ستہ اور خصوصیت سے صحیحین میں تو ان میں سے اکثر حضرات کی حدیثیں آفتاب نیمروز کی طرح چمک رہی ہیں اور کیا ہم مؤلف نتائج التقلید اور ان کے جملہ مصدقین حضرات سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ان تمام حضرات کا نام جعفر جعفی ہے؟ اور کیا ان سب بزرگوں کو روائتیں صرف جابر جعفی کے طریق ہی سے حاصل ہوئی ہیں؟ اور کیا ان تمام حضرات کا سرمایۂ حیات لے دے کر جابر جعفی پر ہی ختم ہو جاتا ہے؟ اور کیا ہم جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے نزدیک ان اہل کوفہ حضرات کی نقل صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا ان اکابر حفاظِ حدیث کی روایت کی دوسرے رواتِ حدیث کی بیان کردہ حدیثوں سے تطبیق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی نقل اور پیش کردہ روایات واحادیث پر کوئی اعتماد واعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

قارئینِ کرام! آپ نے بخوبی یہ ملاحظہ کر لیا کہ غیر مقلدین حضرات کا اصل اختلاف تو صرف حضرت

امام ابُوحنیفہؒ کوفی ہے ۔ لہٰذا اُن کے لیے صرف یہی کہہ دینا کافی تھا کہ ہم نہ تو امام ابُوحنیفہؒ کو (معاذ اللہ) ثقہ مانتے ہیں اور نہ اُن کی نقل کو اور اگر اس سے بھی آگے نوازش کرنا چاہتے تھے ۔ تو یہ کہہ دیتے کہ اُن اہل کوفہ کی نقل کو بھی ہم نہیں مانتے جو حنفی ہیں ۔ اگرچہ کلّی طور پر یہ بھی قطعاً باطل ہے ۔ مگر صد افسوس تو یہ ہے کہ امام ابُوحنیفہؒ اور اُن کے متّبعین کی عداوت کے پردہ میں سب اہلِ کوفہ کو کوسا جا رہا ہے اور سب پر سے اعتماد ہٹایا جا رہا ہے ۔ اِس سے بڑھ کر تعصب کی مثال بھی دُنیا میں کوئی ہو سکتی ہے ؟ اور اگر کوئی یہ تاویل کرے کہ اہلِ کوفہ سے ہماری مراد ہی حنفی ہیں تو یہ بھی باطل ہے ، ہم مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے اس کی تردید لکھ آئے ہیں اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے ۔ تو کیا غیر مقلّدین حضرات کے نزدیک امام یحییٰؒ بن سعید القطانؒ ، امام یحییٰؒ بن معینؒ ، امام عبداللہؒ بن مبارکؒ ، امام وکیعؒ بن الجراحؒ ، امام لیثؒ بن سعدؒ اور امام یحییٰؒ بن زکریاؒ بن ابی زائدہؒ وغیرہ وغیرہ سب کی نقل صحیح نہیں ؟ اگر ان کی نقل صحیح نہیں تو محدّثین کرامؒ میں کس کی نقل صحیح ہے ؟ ہم نے اپنی کتاب "طائفۂ منصورہ" میں تاریخ کے ٹھوس حوالجات سے ان اکابر کا حنفی ہونا ثابت کیا ہے ۔ الغرض غیر مقلّدین حضرات کا اہلِ کوفہ کی حدیث دانی کا انکار کرنا چودھویں رات کے نصف السماء چاند اور آفتاب نیمروز کا انکار کرنا ہے جس کو کوئی بھی منصف مزاج تسلیم کرنے پر کبھی بھی آمادہ نہیں ہو سکتا ۔ ہاں البتہ متعصبین کی بات ہی الگ اور جدا ہے ۔ اس کا اس جہان میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں اور اس کے بارے میں ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں کہ :-

باش کہ تا طبل قیامت نزنند

آن تو نیک آید و یا ایں ما

باب چہارم

امام صاحبؒ کا مقام علم کلام اور فقاہت میں

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کی ولادت ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی، جب کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی بعض بزرگ شخصیتیں موجود تھیں اور انہوں نے اکابر تابعینؒ سے علم دین حاصل کیا اور فقہ میں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ اکثر محدثین عظامؒ، فقہاء کرامؒ اور جمہور اُمّت کیا موافق اور کیا مخالف سب اُن کے فقہی کمال پر متفق اور اُن کی اس خوبی اور کمال میں ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

ومن اراد الفقه فهو عیال علی ابی حنیفةؒ — فقہ چاہنے والا امام ابوحنیفہؒ کا خوشہ چین ہے۔ (الانتقاء ص۱۳۶ لابن عبد البرؒ) (الکی سند میں نہ تو احمد بن محمد بن الصلت ہے اور نہ الحارثی)

اور نیز فرماتے ہیں کہ:۔

کان ابو حنیفةؒ وقوله فی الفقه مسلّمٌ فیه — امام ابوحنیفہؒ کا قول فقہ میں مسلّم ہے۔

(الانتقاء ص۱۳۵)

نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں دیکھا ہے، وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کے سونا ثابت کرنے کے دلائل پیش کریں لقام بحجتہ (بغدادی جلد ۱۳ ص ۳۳۸ والکمال ص ۶۲۵) تو وہ ضرور اپنی حجت میں کامیاب رہیں۔

حضرت روحؒ بن عبادہؒ فرماتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں مشہور محدث ابن جریجؒ کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر آگئی۔ ابن جریجؒ نے اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھ کر صدمہ کے ساتھ

یہ فرمایا کہ :-

کتنا بڑا علم رخصت ہو گیا ہے۔

اتی علم ذھب۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۳۸)

حضرت مسعرؒ بن کدامؒ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں مجھے دو آدمیوں پر رشک آتا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ پر ان کی فقہ میں اور حسنؒ بن صالحؒ پر ان کے زہد میں۔ (ایضاً)

محدث اسرائیلؒ فرماتے تھے کہ نعمانؒ بن ثابتؒ کیا ہی خوب مرد تھے جو ہر ایسی حدیث کے حافظ تھے جس میں فقہ ہوتی تھی اور اس کی وہ خوب بحث و تمحیص کیا کرتے تھے اور اس میں فقہ کی تہ تک پہنچتے تھے۔

محدث عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت معمرؒ کے پاس حاضر تھے۔ اتنے میں امام عبداللہؒ بن المبارکؒ تشریف لائے۔ ہم نے امام معمرؒ سے یہ سُنا، وہ فرما رہے تھے کہ مجھے تو ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر فقہ کی مہارت رکھنے والا کوئی اور نظر نہیں آتا جو مخلوق کے لیے فقہ و قیاس کے ذریعہ راہِ نجات بتانے والا ہو اور میں نے ابو حنیفہؒ سے زیادہ محتاط کوئی شخص نہیں دیکھا جو خدا تعالیٰ کے دین میں شک کی کوئی چیز داخل کر کے اپنے نفس کے لیے وبال تیار کرنے پر آمادہ ہو۔

ابو جعفر رازیؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بڑا پرہیزگار اور کوئی نہیں پایا (بغدادی جلد ۱۳ ص ۳۳۹)

علامہ ذہبیؒ ان کو الامام الاعظم، فقیہ العراق، امام متورع، عالم، عامل، متقی اور کبیر الشان لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۸)

حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ علماء کی بڑی جماعت نے ان کی تعریف کی اور ان کو صاحبِ فضیلت تسلیم کیا ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ طبع مصر)

اور نیز فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام موصوفؒ سے روایت کی اور اُن کی توثیق و تعریف کی ہے، وہ ان لوگوں سے بدرجہا زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں (بلاوجہ) کلام کیا ہے۔ (مختصر کتاب العلم ص ۱۹۴)

علامہ خطیب بغدادیؒ باوجود امام صاحبؒ پر انتہائی جرح نقل کرنے کے ان کی ذاتی خوبیوں اور علمی قابلیتوں کا انکار نہیں کر سکے۔ ان کو امام اصحاب الرائے اور فقیہ اہل العراق فرماتے ہیں اور اپنی تاریخ میں امام صاحبؒ کے بہت سے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ج ۱۳

ص ۳۲۲ تا ۳۶۸) اور بحوالہ امام شافعیؒ یہ نقل کرتے ہیں کہ لوگ علم عقائد و کلام میں امام ابوحنیفہؒ کے خوشہ چیں ہیں۔ (بغدادی جلد ۱۳ ص ۱۶۱)

امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ علماء تو صرف چار ہیں، سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور اوزاعیؒ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۱۶)

امام صدر الائمہ مکی الحنفیؒ (المتوفی ۵۶۸ھ) اپنی سند کے ساتھ امام عبدالرحمٰنؒ بن مہدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں صرف نقّالِ حدیث تھا، اور سفیان ثوریؒ علماء کے امیر المومنین تھے، اور سفیانؒ بن عیینہؒ امیر العلماء تھے اور شعبہؒ عیّار الحدیث (یعنی حدیث کی تحصیل کے لیے طواف و حرکت کرنے اور سرگرداں رہنے والے بلکہ کسوٹی) تھے اور عبداللہؒ بن المبارکؒ صرّاف الحدیث تھے اور یحییٰؒ بن سعیدؒ قاضی العلماء تھے اور فرماتے ہیں کہ:-

وابا حنیفۃؒ قاضی قضاۃ العلماء ومن قال لك سوی ھذا فارمه فی کناسة بنی سلیم (مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۵ طبع حیدرآباد دکن)	ابوحنیفہؒ علماء کے قاضی القضاۃ تھے۔ جو شخص تجھے اس کے علاوہ کوئی اور بات کہے تو تم اس کو بنو سلیم کی غلاظت اور گندگی ڈالنے کی جگہ (یعنی کوڑی میں) ڈال دو

حسنؒ بن صالحؒ بن حیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ سمجھدار عالم اور متثبت فی العلم تھے۔ (الانتقاء ص ۱۲۸ و تانیب الخطیب ص ۱۵۴)

مشہور مؤرخ محمدؒ بن اسحاقؒ بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والعلم برًّا وبحرًا وشرقًا وغربًا بعدًا وقربًا تدوینه رضی اللہ عنه (فہرست ابن ندیم ص ۲۹۹ مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ بمصر)	علم بر و بحر، مشرق و مغرب اور بُعد و قُرب میں جتنا بھی مدون ہوا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کا مدون کیا ہوا ہے۔

علامہ مجدؒ بن اثیر الشافعیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص لطف اور بھید اس میں مضمر نہ ہوتا تو اُمتِ محمدیہ کا تقریباً نصف حصہ کبھی امام ابوحنیفہؒ کی پیروی نہ کرتا اور اس جلیل القدر امام کے مسلک پر عامل ہو کر اور ان کی تقلید اختیار کر کے کبھی تقرب خداوندی حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ (محصلہ جامع الاصول بحوالہ تقدمہ نصب الرایہ ص ۳۹)

حافظ ابن کثیر الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) امام صاحبؒ کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں کہ الامام، فقیہ العراق، احد الائمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام احد ارکان العلماء احد الائمۃ الاربعۃ، اصحاب مذاهب المتبوعۃ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص۱۰۷)

مؤرخِ اسلام علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ومقامہ فی الفقہ لا یلحق شھدلہ بذلک اھل جلدتہ وخصوصاً مالک والشافعیؒ اھ (مقدمہ ص۴۴۷ طبع مصر)

فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان کے ہم عصر علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خصوصاً امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے۔

امام ابن حجر مکی الشافعیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قال بعض الائمۃ لم یظھر لاحد من ائمۃ الاسلام المشھورین مثل ما ظھر لابی حنیفۃؒ من الاصحاب والتلامیذ ولم ینتفع العلماء وجمیع الناس بمثل ما انتفعوا بہ وباصحابہ فی تفسیر الاحادیث المشتبھۃ والمسائل المستنبطۃ والنوازل والقضاء والاحکام جزاھم اللہ خیراً (الخیرات الحسان ص۲۳،۲۴ طبع مصر)

بعض ائمہؒ نے کہا ہے کہ مشہور ائمہ اسلام کے مقلد اور شاگرد جتنے کہ امام ابو حنیفہؒ کے ہیں اتنے اور کسی کے نہیں اور علماء و اکثر لوگوں کو مشتبہ احادیث کی تفسیر اور مسائل قیاسی اور قضاء اور احکام میں جتنا فائدہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب سے حاصل ہوا ہے وہ اور کسی سے حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

مزید تائید: حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سبھی لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے خوشہ چین اور عیال ہیں۔ ان کو منجانب اللہ فقہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ:۔

من اراد ان یعرف الفقہ فلیلزم ابا حنیفۃؒ واصحابہٗ فان الناس کلھم عیال علیہ فی الفقہ۔ (تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۴۶ ومناقب موفق ص۳۱ ج۲)

جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے نقش قدم پر چلے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام صاحبؒ کے خوشہ چیں ہیں۔

امام حافظ الدین کردری الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) امام شافعیؒ سے اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:۔

ما رأیت افقہ منہ (مناقب کردری ص ۹۰ ج ۱)
اوکذا فی مفتاح السعادۃ ص ۲۷ و اکمال ص ۶۲۵) میں نے ابُوحنیفہؒ سے بڑھ کسی کو فقیہ نہیں پایا۔

حضرت فضیلؒ بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ابُوحنیفہؒ فقیہ تھے اور فقہ و ورع کے ساتھ مشہور تھے
امام ابُویوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابُوحنیفہؒ سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر جاننے والا اور فقہی نکات کو پرکھنے اور ان کے مواقع کا علم رکھنے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی امام ابُوحنیفہؒ سے کسی مسئلہ میں مخالفت کی ہے تو غور کرنے کے بعد ان کی رائے اور مسلک ہی آخرت کے سلسلہ میں زیادہ نجات دہندہ پایا۔ (تقویٰ تو اُنہی کے قول میں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے از روئے فتویٰ امام ابویُوسفؒ نے بہت سے مسائل میں امام صاحبؒ سے اختلافِ رائے بھی کیا ہے۔ صفدر) اور فرماتے ہیں کہ:۔

وکنت ربما ملت الی الحدیث وکان ھو ابصر بالحدیث الصحیح منی۔

میں بسا اوقات کسی حدیث کی طرف مائل ہو جاتا مگر معلوم ہوتا کہ امام ابُوحنیفہؒ صحیح حدیث کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

امام اعمشؒ نے قاضی ابویوسفؒ کو طعنہ دیتے ہوئے یہ کہا کہ تمہارے ساتھی ابُوحنیفہؒ نے حضرت ابنِ مسعودؓ کا یہ قول عتق الامۃ طلاقھا الخ (لونڈی کی آزادی ہی اُس کی طلاق تصوّر ہوگی) کیوں ترک کیا ہے؟ وہ فرمانے لگے۔ آپ کی بیان کردہ اس حدیث کی بنا پر جو آپ نے ابراہیمؒ عن الاسودؒ عن عائشہؓ کی سند سے امام ابُوحنیفہؒ سے بیان کی ہے کہ جب حضرت بریرہؓ آزاد ہوئیں تو اُن کو اپنے خاوند (حضرت مغیثؓ) کے نکاح میں رہنے یا علیحدہ ہو جانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس پر اعمشؒ فرمانے لگے کہ واقعی ابُوحنیفہؒ بڑے ہی سمجھدار ہیں۔

عبداللہؒ بن ادریسؒ ایک موقع پر امام ابُوحنیفہؒ کی آمد پر اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس پر اُن کے کچھ رفقاء نے جن میں امام ابُوبکرؒ بن عیاشؒ بھی تھے معترض ہوئے کہ آپ اس شخص کے لیے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ابُوحنیفہؒ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے اگر میں اُن کے علم کے لیے نہ کھڑا ہوتا تو اُن کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہوتا اور اگر عمر کا لحاظ بھی نہ کرتا تو قُمتُ لفقھہٖ (اُن کی فقہ کے لیے کھڑا ہوتا)۔ اگر فقہ کے لیے بھی نہ کھڑا ہوتا تو اُن زہد کے لیے کھڑا ہوتا۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۴۲)۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ جامع الکمالات ہیں اس لیے ان کی ایک ایک خوبی بزبانِ حال اُنکی تعظیم وتکریم کی دعوت دیتی ہے، اور حق یہ ہے کہ ع

یہ رُتبۂ بلند مِلا جس کو مِل گیا

ابو مطیع الحکمؒ بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی صاحبِ حدیث امام سفیان ثوریؒ سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا مگر ابوحنیفہؒ ان سے بھی بڑھ کر فقیہ تھے۔

ابوعاصم النبیلؒ سے سوال کیا گیا کہ سفیانؒ بڑے فقیہ ہیں یا ابوحنیفہؒ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور غلام بھی فقہ میں سفیانؒ سے بڑھ کر ہیں۔ (بغدادی جلد ۱۳ ص۳۴۲) نیز انہوں نے یہ فرمایا کہ ابوحنیفہؒ فقیہ اور تام الفقہ ہیں اور سفیانؒ تو متفقہ ہیں (ایضاً ص۳۴۳)۔

امام یزیدؒ بن ہارونؒ (المتوفی ۲۰۶ھ جو الحافظ القدوۃ اور شیخ الاسلام تھے اور وہ اپنے وقت کے عابد وزاہد حضرات میں شمار ہوتے تھے، چالیس سال سے زیادہ عرصہ انہوں نے عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے تذکرہ ج ۱ ص۲۹۲) سے سوال کیا گیا کہ سفیانؒ زیادہ افقہ ہیں، یا ابوحنیفہؒ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابوحنیفہؒ زیادہ افقہ ہیں۔ (بغدادی ج ۱۳ ص۳۴۲)

ابومسلم المستملیؒ نے امام ابوخالد یزیدؒ بن ہارونؒ سے دریافت کیا کہ آپ کی ابوحنیفہؒ اور اُن کی کتابیں دیکھنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ:۔

انظروا فیھا ان کنتم تریدون ان تفقھوا فانی ما رأیت احدا من الفقہاء یکرہ النظر فی قولہ۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۴۲)

اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کی کتابوں کو ضرور دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہیں پایا جو ان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو۔

نیز امام یزیدؒ بن ہارونؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر حلیم کوئی نہیں دیکھا، وہ صاحبِ فضل و دین اور متورع تھے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتے تھے اور صرف وہی کام اور باتیں کرتے تھے جو لایعنی نہیں ہوتی تھیں۔ (الخیرات الحسان ص۵۳)

امام یزیدؒ بن ہارونؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی فتویٰ دینے کا مجاز کب ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب ابوحنیفہؒ کی مثل اور ان کی طرح (فقیہ) ہو جائے۔ اُن سے سوال کیا گیا کہ اے ابوخالدؒ آپ ایسی بات کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں اس سے بھی زیادہ کہتا ہوں کیوں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑا فقیہ اور متورع کوئی

اور نہیں دیکھا۔ میں نے اُن کو دھوپ میں ایک شخص کے دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے سوال کیا کہ آپ دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں چلے جاتے، وہ کہنے لگے کہ مالک مکان پر میرا قرضہ ہے۔ میں نہیں پسند کرتا کہ مقروض و مدیون کے مکان اور دیوار کے سایہ کے نیچے بیٹھ کر اس سے منتفع ہوں۔" اس سے زیادہ تقوی اور ورع اور کیا ہوگا؟ (مناقب موفق ج ا ص ۱۴۱ و مناقب کردری جلد ا ص ۲۱۹)

امام یزیدؒ بن ہارونؒ ہی فرماتے ہیں کہ:۔

کتبت عن الف شیخ حملت عنهم العلم فما رأیت والله فیهم اشد ورعًا من ابی حنیفةؒ ولا احفظ للسانه (مناقب موافق ج ا ص ۱۹۵)

میں نے ایک ہزار استاد سے علم لکھا اور حاصل کیا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی قسم میں نے ان سب میں ابُو حنیفہؒ سے بڑھ کر صاحب ورع اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت یزیدؒ بن ہارونؒ بطریق مغیرہؒ امام ابراہیمؒ کا کوئی قول سنا رہے تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر یہ سوال کیا کہ اے شیخ ہم سے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیثیں بیان کیجئے، لوگوں کے قول چھوڑیئے، یزیدؒ بن ہارونؒ نے برہم ہوکر فرمایا، اے احمق، یہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث کی تفسیر ہے، اور تو آپ کی حدیث کو کیا کرے گا جب تو نے ان کا معنیٰ اور تفسیر ہی نہ سمجھی۔

ولکن همتکم السّماع والجمع لو کان همتکم العلم لطلبتم تفسیر الحدیث ومعانیه ونظرتم فی کتب ابی حنیفةؒ وفی اقاویله فیفسر لکم الحدیث وزبر الرجل واخرجه من مجلسه۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۴۸)

لیکن تمہارا مقصد تو صرف سُن لینا اور حدیثوں کو جمع کر لینا ہی ہے۔ اگر تمہارا مطلوب علم کا حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی بھی طلب کرتے اور ابُو حنیفہؒ کی کتابوں اور ان کے اقوال کو دیکھتے اور تمہارے سامنے حدیث کی تفسیر منکشف ہوتی، یہ کہتے ہوئے اس شخص کو جھڑک کر مجلس سے نکال دیا۔

یہی یزیدؒ بن ہارونؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اقاویل ابی حنیفةؒ لا یحبها الا الذکی من

امام ابُو حنیفہؒ کے اقوال کو صرف ذکی لوگ ہی پسند کرتے

الرّجال ولا یضبطھا الا الفھیم منھم۔ ہیں اور ان کے اقوال کو فقط وہی اشخاص ضبط کر سکتے ہیں جو فہیم ہوں۔ (مناقب موفق جلد ۲ صفحہ ۴۸)

علامہ تاج الدین السبکی الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وفقہ ابی حنیفۃؒ دقیق۔ ابو حنیفہؒ کی فقہ گہری اور باریک ہے۔

(طبقات الشافعیۃ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ طبع مصر)

یہی وجہ ہے کہ بعض کم سواد اور نااہل لوگ اس کی وقت اور باریکی تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور اس سے نالاں ہو کر اس میں کیڑے نکالتے ہیں۔ متنبیؔ نے ایک مقام پر کیا خوب کہا ہے۔

بِذِی الْغَبَاوَۃِ مِنْ اِنْشَادِھَا ضَرَرٌ ۔ کَمَا تَضُرُّ رِیَاحُ الْوَرْدِ بِالْجُعَلِ

ترجمہ:۔ یعنی غبی لوگوں کو ان (اشعار) کے پڑھنے سے ضرر پہنچتا ہے، جیسے گلاب کے پھول کی خوشبو سے غلاظت کی گولیاں بنانے والے کیڑوں کو ضرر پہنچتا ہے۔

امام یزیدؒ بن ہارونؒ ہی فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ ملاقات کی ہے لیکن میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو زیادہ عقلمند، افضل اور متورّع نہیں دیکھا۔ (بغدادی ج ۱۳ صفحہ ۳۶۴)

امام سفیانؒ بن عُیینہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے ابو حنیفہؒ جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔

ابو یحییٰ الحمانیؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔

امام ابو بکرؒ بن عیاشؒ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ افضل اہلِ زمانہ ہیں۔ (مناقب موفق جلد ۲ صفحہ ۲۶)

امام اوزاعیؒ اور عمریؒ دونوں فرماتے ہیں کہ:۔

ھو من اعلم الناس بمعضلات المسائل ۔ ابو حنیفہؒ پیچیدہ اور مشکل مسائل کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔

(مناقب کردری جلد ۱ صفحہ ۹۰ و تبییض الصحیفۃ صفحہ ۲۸)

حضرت امام عبد اللہؒ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں سب سے بڑا عابد، سب سے بڑا متقی، سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا فقیہ دیکھا ہے۔ اعبد الناس تو عبد العزیزؒ بن ابی روادؒ ہیں اور اورع الناس فضیلؒ بن عیاضؒ ہیں اور اعلم الناس سفیان ثوریؒ ہیں اور افقہ الناس امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ اور فرمایا کہ:۔

مارأیت فی الفقہ مثلہ ۔ میں نے فقہ میں ان کا کوئی نظیر نہیں دیکھا۔

عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ اگر حدیث اور اثر میں فقہ کی ضرورت پیش آئے تو اس میں امام مالکؒ، سفیانؒ اور ابوحنیفہؒ کی رائے معتبر ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ :۔

وابوحنیفۃ احسنھم وادقھم فطنۃ	ابوحنیفہؒ ان سب میں عمدہ اور باریک سمجھ کے مالک
واغوصھم علی الفقہ وھو افقہ الثلاثۃ	ہیں اور فقہ کی باریکیوں میں غائر نگاہ رکھنے والے اور
(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۳)	تینوں میں بڑے فقیہ ہیں۔

نیز انہوں نے فرمایا کہ جب امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کسی فتویٰ پر متفق ہوجائیں تو پھر ان کے فتویٰ کے آگے (علمی دنیا میں) کون ٹھہر سکتا ہے؟

اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ دونوں بزرگ کسی فتویٰ پر مجتمع ہوجائیں تو یہ قوی بات ہے، فذالک قوی، اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن المبارکؒ نے فرمایا، جب یہ دونوں بزرگ کسی قول پر اتفاق کرلیں تو میرا بھی قول ہوگا فذالک قولی (تاریخ بغداد ص ۳۴۳ ج ۱۳ وتبییض الصحیفۃ ص ۱۷)

عبداللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر فقہ میں اچھا کلام کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی شخص کے لیے اپنی رائے سے کوئی بات کرنی مناسب ہے تو ابی حنیفہؒ کے لیے یہ مناسب ہے۔ (بغدادی جلد ۱۳ ص ۳۴۳) امام ابن المبارکؒ نے یہ بھی فرمایا کہ :۔

افقہ الناس ابوحنیفۃؒ ما رأیت فی الفقہ	لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہؒ ہیں، میں نے
مثلہ وقال ایضا لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی	ان کی مثل فقہ میں کسی کو نہیں دیکھا نیز انہوں نے یہ
بابی حنیفۃؒ وسفیانؒ کنت کسائر الناس	بھی فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ کے ذریعہ
(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵۰)	میری امداد نہ فرماتا تو میں عام لوگوں کی طرح ہوتا۔

امام عبداللہؒ بن المبارکؒ کے سامنے کسی شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کی تو وہ شیر ببر کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے ویحک۔ تعجب ہے تجھ پر تو اُس شخص کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے پینتالیس سال پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور جو رات کو پورا قرآن کریم دو رکعتوں میں ختم کرتا رہا ہے، اور پھر فرمایا کہ :۔

وتعلمت الفقہ الذی عندی من ابی حنیفۃؒ	میں نے جو علم فقہ حاصل کیا ہے تو وہ ابوحنیفہؒ ہی سے

(بغدادی ص ۳۵۵/۱۳ و مناقب موفق ص ۳۶/۱ و تبییض الصحیفہ ص ۲۵) حاصل کیا اور سیکھا ہے۔

امام عبداللہؒ بن المبارکؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بڑی تعریف اور مدح کی ہے اور بہت سے اشعار بھی انہوں نے امام صاحبؒ کی تعریف میں کہے ہیں، چند یہ ہیں ۔

لقد زان البلاد ومن علیها — امام المسلمین ابوحنیفة

بلاشبہ شہروں اور ان پر بسنے والوں کو — امام المسلمین ابوحنیفہؒ نے زینت بخشی ہے

بآثار وفقه فی حدیث — کآثار الزبور علی الصحیفة

احادیث اور حدیث کی درایت کے ساتھ جو اپنے رموز اور اسرار میں نشانات کی طرح صحیفہ پر چمکتے ہیں۔

(تبییض الصحیفہ ص ۲۵ ومقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص ۳۲ لمولانا عبدالحیؒ)

عبداللہؒ بن داؤدؒ فرماتے ہیں کہ جب تم آثار یا حدیث و ورع حاصل کرنا چاہو تو سفیان ثوریؒ سے حاصل کرو ۔

واذا اردت تلك الدقائق فابوحنیفة — اور جب تم فقہ کی باریکیاں حاصل کرنا چاہو تو ابوحنیفہؒ سے حاصل کرو۔

محمدؒ بن بشرؒ کا بیان ہے کہ میں امام سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ تو جب میں سفیانؒ کے پاس حاضر ہوتا تو وہ فرماتے، تم کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ ابوحنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے کہ ۔

لقد جئت من عند افقه اهل الارض — واقعی تم تو زمین کے فقیہ تر انسان کے پاس سے آئے ہو۔

ابونعیمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ مسائل کے بارے میں نہایت ہی باریک بین واقع ہوئے ہیں۔ (صاحب غوص فی المسائل)۔

عبداللہؒ بن داؤد الخریبیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابوحنیفہؒ کے لیے دعا کریں کیونکہ انہوں نے حدیث وفقہ کو ان کے لیے محفوظ کیا ہے۔ (البغدادی ص ۳۴۴/۱۳)

عبداللہؒ بن یزید مقریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نوجوان ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

شدادؒ بن حکیمؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت مکیؒ بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ابُوحنیفہؒ اَعْلَمُ اہل زمانہ تھے۔

نضرؒ بن شمیلؒ فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ سے غافل اور بے خبر و خفتہ تھے۔ ابُوحنیفہؒ نے اُن کو جگایا ہے

امام یحییٰؒ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم نے امام ابُوحنیفہ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں سُنی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال لے لیے ہیں۔ (البغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۵)

امام یحییٰؒ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ قرأت میرے نزدیک حمزہؒ کی معتبر ہے اور فقہ ابُوحنیفہؒ کی۔ میں نے اسی پر لوگوں کو پایا ہے۔ (البغدادی جلد ۱۳ ص ۳۴۷ و مناقب جلد ۲ ص ۳۱ و مناقب کردری ص ۹۱ ج ۱)

امام سفیانؒ بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کے بارے میں میرا یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ کوفہ کے پل سے تجاوز کریں گی حالانکہ وہ تو آفاق تک پہنچ چکی ہیں ایک حمزہؒ کی قرأت اور دوسری ابُوحنیفہؒ کی فقہ۔

ابراہیمؒ بن عکرمہ المخزومیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابُوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو متورع اور بڑا فقیہ نہیں دیکھا (البغدادی ج ۱۳ ص ۳۴۷)

علامہ محمد طاہر الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام ابُوحنیفہؒ کی مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا تو امت کا ایک نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا۔ (تکملۃ مجمع البحار ج ۳ ص ۵۴۲)

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابُوحنیفہؒ کوفی ؒ چنانکہ در علمِ دین منصب امامت دارد ہمچناں در زہد و عبادت امام سالکان است" (تقصار جیوۃ الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۹۳)

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ امام ابُوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جنہیں فہم و فکر کا خارقہ کہنا چاہیئے ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اھ (الاعتصام ص ۲ کالم ۹ فروری ۱۹۶۱ء)

حضرت میاں سید نذیر حسین صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت امام ابُوحنیفہؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "کیونکہ آپ کا مجتہد متبع سنّت متقی اور پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فضیلت کے لیے کافی ہے اور آیۃ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کی بشارت آپ کے لیے خود قرآن مجید میں موجود ہے مگر اکثر اہلِ نقل حضرت کی تابعیت کے قائل نہیں اس لیے تابعیت کا دعویٰ کرنا فضول ہے۔ (الحیات بعد المماۃ ص ۵۹۳)

ہم نے البیان الازہر کے مقدمہ میں چوٹی کے محدّثین کرامؒ مثلاً امام خطیب بغدادیؒ، امام ابن عبدالبرؒ

علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ وغیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ رؤیت کے لحاظ سے تابعی ہیں، اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہاں روایت کے بارے میں انکار تابعیت الگ بحث ہے، لیکن صحابیت اور تابعیت کے ثبوت کے لیے صرف رُویت کافی ہے نہ کہ روایت۔ ہم نے اَحسَنُ الکَلَام میں بھی اس پر باحوالہ بحث کی ہے۔

حضرت ملّا علی ن القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ جمہور علماء اہلِ حدیث اس کے قائل ہیں کہ صرف صحابی کی ملاقات سے آدمی تابعی ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے طول صحبت اور نقل روایت شرط نہیں ہے۔ (ذیل الجواہر جلد ۲ ص۵۲۳)

مشہور مؤرخ محمدؒ بن اسحاقؒ بن ندیمؒ فرماتے ہیں کہ:

وکان من التابعین لقی عدة من الصحابة وکان من الورعین الزاهدین اھ	امام ابوحنیفہؒ تابعین میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے کئی صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی ہے اور وہ متورعین اور زاہدین میں شمار ہوتے ہیں۔

(فہرست ابن ندیمؒ ص۲۹۸)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علم وفضل، تقویٰ اور ورع وغیرہ صفات حمیدہ پر متعدد حوالے اور اقتباسات آئندہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ العزیز آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان تمام پیش کردہ حوالوں سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقاہت اور علمی برتری اور فوقیت کے گیت صرف احنافِ کرام ہی نہیں گاتے بلکہ موالک وشوافع، حنابلہ وغیر مقلدین محدّثین وفقہاء، عرفاء وصوفیاء وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) ہر مسلک اور ہر طبقہ کے حضرات ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اُمّت کی اکثریت نے جس طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علم ودیانت پر اعتماد کر کے ان کی خوشہ چینی کی ہے وہ حضرات صحابہ کرامؓ اور کبار تابعینؒ کے بعد اور کسی کو نصیب نہیں ہو سکا اور علم وعرفان اور حدیث وفقہ کی ہزاروں شمعوں کے ہوتے ہوئے جس طرح آتش علم بجھانے کے لیے پروانے ان کے گرد جمع ہوئے ہیں وہ اور کسی پر جمع نہیں ہوئے۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ سے

سرِ بزمِ فلک شب بھر ہزاروں شمعیں جلتی ہیں
مگر اس محفلِ گردوں میں پروانے نہیں دیکھے

بشارت :-

حضرت امام ابُوحنیفہؒ کے مناقب وفضائل کے سلسلہ میں بعض غلط کار اور نادان دوستوں نے کچھ جعلی حدیثیں بھی گھڑی اور پیش کی ہیں مگر امام موصوفؒ کے مزایا اور کمالات ثابت کرنے کے لیے ہمیں تنکوں کے اس پل کی ہرگز حاجت نہیں ہے اور نہ موصوفؒ کی فضیلت ومنقبت اس کی محتاج اور مُفتقر ہے کیوں کہ عیاں راچہ بیاں۔

حضرت ابُوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے سر پر دست مبارک رکھ کر پھر یہ ارشاد فرمایا کہ:-

لوکان الایمان عند الثّریا لناله رجال اورجل من ھٰؤلاء (بخاری جلد ۲ ص۷۲۷ واللفظ له، ومسلم ج ۲ ص۳۱۲)	اگر ایمان ثریا کے پاس بھی پہنچ جائے تو کئی مرد یا ایک مرد ان فارسی نسل کے لوگوں میں سے اس کو ضرور پالے گا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:-

لوکان الدین عند الثّریا لذھب به رجل من فارس اوقال من ابناء فارس حتّٰی یتناوله۔	اگر دین ثریا کے پاس بھی ہو تو لا محالہ فارسی نسل کا ایک آدمی اس کو حاصل کرے گا۔

(مسلم ج ۲ ص۳۱۲)

حضرت امام ابُوحنیفہؒ کا فارسی الاصل ہونا تاریخی طور پر ایک کھلی حقیقت ہے اور یہ صحیح حدیث جس طرح اور متعدد فارسی نسل کے علماء ربّانی اور خادمانِ دین کی فضیلت ثابت کرتی ہے (کیونکہ رجال من ھٰؤلاء بصیغۂ جمع آیا ہے) اسی طرح اس کا ایک مصداق یا بالفاظِ دیگر اوّلین مصداق حضرت امام ابُوحنیفہؒ بھی ہیں، چنانچہ امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

اقول قد بشر صلے الله علیه وآله وسلم بالامام ابی حنیفةؒ فی الحدیث الّذی اخرجه ابُونعیم فی الحلیة عن ابی ھریرةؓ	میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں امام ابُوحنیفہؒ کی بشارت دی ہے جس کو ابُونعیمؒ نے حلیہ میں حضرت ابُوھریرہؓ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوکان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس۔ واخرج الشیرازی فی الالقاب عن قیس ابن سعد بن عبادۃؓ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لوکان العلم معلقاً بالثریا لتناولہ قوم من ابناء فارس وحدیث ابی ھریرۃؓ اصلہ فی صحیح البخاری ومسلم اھ (تبییض الصحیفہ ص۳)

سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا میں بھی ہو تو لابدی ہے کہ ابناء فارس اس کو حاصل کریں گے اور شیرازیؒ نے القاب میں قیس بن سعد بن عبادہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم ثریا میں بھی لٹکا ہوا ہو تو ابناء فارس سے ایک قوم اس کو ضرور حاصل کریگی اور حضرت ابوہریرہؓ کی اصل حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔

موارد الظمآن اور مسند احمد کی روایت یوں آتی ہے کہ:۔

لوکان العلم بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس (مسند احمد ج ۲ ص۴۲۲ و موارد الظمآن ص۵۷۴)

اگر علم ثریا میں بھی ہو تو ضرور اس کو ابناء فارس میں سے کچھ لوگ حاصل کرلیں گے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر لفظ علم نہ بھی ہو یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کا ثبوت بھی نہ ہو تو بھی لفظ ایمان اور دین جو بخاری اور مسلم کی روایت میں موجود ہے کیا کم ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

الدین النصیحۃ قلنا لمن قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم (بخاری ج۱ ص۱۳ فی ترجمۃ باب ومسلم ج۱ ص۵۴)

دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے کہا کس کی خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور ائمۃ المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

(اور ابوداؤد ج۲ ص۳۲۰ میں ان الدین النصیحۃ تین مرتبہ آیا ہے)

الغرض دین کا لفظ اتنا اور ایسا جامع ومانع لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ہستی کتاب اللہ، ائمۃ المسلمین اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آنا ہی دین ہے، جس کو یہ دولت نصیب ہوگئی اس کو اور کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور یہ خوبی کتاب اللہ اور ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کیسے حاصل ہو سکتی

ہیں؟ اس کے بغیر علم اور کیا شے ہے؟ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ:-

وقد يتناول (وفي نسخة يتاول) ذالك على الائمة الذين هم علماء الدين وان من نصيحتهم قبول ما رووه وتقليدهم في الاحكام واحسان الظن بهم اهـ (شرح مسلم جلد ا ص۵۴)	اور کبھی اس کا مصداق وہ ائمہ دین ہوتے ہیں جو دین کے جاننے والے ہیں اور ان کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے روایت کیا ہو اس کو قبول کیا جائے اور احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے ساتھ حسن ظنی کی جائے۔

جو حضرات امام نوویؒ کو غیر مقلد ثابت کرتے ہیں وہ اس حوالہ کو پیش نظر رکھیں، مزید بحث طائفہ منصورہ اور الکلام المفید میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن حجر مکی الشافعیؒ ایک مستقل عنوان قائم کر کے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بشارت کی حدیث امام بخاریؒ، مسلمؒ، ابو نعیم شیرازیؒ اور طبرانیؒ وغیرہ کے حوالے سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ:

قال الحافظ المحقق الجلال السيوطي هذا اصل صحيح يعتمد عليه في البشارة بابي حنيفةؒ وفي الفضيلة التامة الى ان قال، قال بعض تلامذة الجلال وما جزم به شيخنا من ان الامام ابا حنيفةؒ هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه اهـ (الخيرات الحسان ص۱۳ ج)	حافظ محقق جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی بشارت اور فضیلت تامہ کے لیے یہ ایک صحیح اور قابل اعتماد اصل ہے (پھر فرمایا کہ) جلال الدینؒ کے بعض شاگرد فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد اور شیخ نے جزم کے ساتھ جو یہ فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ ہی اس حدیث سے مراد ہیں یہ بالکل واضح اور ظاہر بات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

فیض الباری ج۱ ص۲۰ میں ہے لم يكن مقلدًا الا انه لم يكن متعصبا۔ اھ اور پیر بدیع الدین شاہ صاحب لکھتے ہیں: نیز سندھ میں کئی اکابر علماء گزرے ہیں جو کہ تقلید سے بیزار تھے مثلاً شیخ معین الدین ٹھٹھوی مصنف دراسات اللبیب اھ ۔تنقید سدید ص۴۰ ۔

اور علامہ محمد معین السندی (المتوفی ۱۱۶۱ھ) باوجود شیعہ اور قیاس وتقلید کے منکر ہونے کے فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں متعصبین کی کوئی جرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ:-

وعظيم منقبته الذي نال بها العلم في	وہ تو اس عظیم منقبت کے مالک ہیں جس سے انہوں

الثریا علی ما یشیر الیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکان العلم فی الثریا لنالہ رجال من فارس اھ۔
(دراسات اللبیب ص۲۸۹ طبع لاہور)

نے ثریا سے علم حاصل کیا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر علم ثریا میں بھی ہو تو اس کو ضرور فارسی نسل کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔

حضرت شاہ احمدؒ بن عبد الرحیم ولی اللہ الدہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"ودروزے در حدیث لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجال او رجل من ھٰؤلاء یعنی اہل فارس وفی روایۃ لنالہ رجال من ھٰؤلاء بلاشک مذاکرہ کردیم فقیر گفت امام ابُوحنیفہؒ دریں حکم داخل است کہ خدائے تعالیٰ علم فقہ را بر دست وے شائع ساخت وجمع از اہل اسلام را بآں فقہ مہذب گردانید خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است وبس ودر جمیع بلدان جمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند وقضاۃ واکثر مدرسان واکثر عوام حنفی" (کلمات طیبات یعنی مجموعۂ مکاتیب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ص۱۶۸ طبع مجتبائی دھلی)

نیز حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"بلکہ امام ابُوحنیفہؒ ویاران ماوراء النہر وخراسان اونیز از اہل فارس اند ودرمیان این بشارت داخل"۔ (ازالۃ الخفاء ج۱ ص۲۷۱ طبع صدیقی دھلی)

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"صواب آنست کہ ہم امام (ابُوحنیفہؒ) دراں داخل است وہم جملہ محدثین فرس باشارۃ النص" (اتحاف النبلاء ص۴۲۴)

ان صاف اور صریح حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابُوحنیفہؒ لوکان الدین عند الثریا وغیرہ کے الفاظ سے جو حدیث آتی ہے، اس کا اوّلین مصداق ہیں اور یہ دروازہ کسی اور کے لیے بھی بند نہیں ہے، اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ دیگر خادمانِ دین اور علماء ربانی بھی اس میں شامل ہیں۔ جنہوں نے روایت ودرایت، لفظ ومعنی کی امانت کو سینوں اور سفینوں میں محفوظ کر کے امّت مرحومہ تک پہنچانے کی سعی کی اور جو بزبانِ حال یوں کہتے ہیں کہ ؎

اُٹھاتے کیا زمین و آسماں بارِ امانت کو !
ہمیں دونوں جہاں میں حاملِ بارِ گراں نکلے

دیانت

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خوبیاں اور کمالات انسان کو حاصل ہیں، ان میں ایک عمدہ خوبی اور خصلت دیانت بھی ہے، اور دیانت دار آدمی کو جس قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہ مخفی نہیں ہے، یہ خوبی بھی خالقِ کائنات نے حضرت ابُوحنیفہؒ کو علیٰ وجہ الاتم مرحمت فرمائی تھی۔ کتبِ تاریخ اور مناقب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ ہم صرف اپنے دعوے کی تنویر کے لیے چند مثالیں عرض کرتے ہیں:۔

امام وکیعؒ بن الجراحؒ فرماتے ہیں کہ میں امام ابُوحنیفہؒ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک عورت ریشمی کپڑا لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یہ کپڑا آپ فروخت کر دیں۔ امام صاحبؒ نے سوال کیا، کتنے میں؟ وہ کہنے لگی، سو میں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی قیمت سو سے زیادہ ہے۔ پھر فرمایا کہ کتنے میں یہ کپڑا چلا جائے؟ اُس نے ایک سو روپیہ اور زیادہ کیا حتیٰ کہ چار سو تک اُس نے قیمت بتائی۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اُس کی قیمت اِس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ کہنے لگی، آپ مجھ سے استہزاء نہ کریں کام کریں۔ فرمایا کہ سچ مچ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کپڑے کی صحیح قیمت پانچ سو پڑی اور وہ اتنے میں بکا۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۲۲) اگر ہمارا زمانہ یا ہمارے دور کا کوئی بڑے سے بڑا صاحبِ علم و فضل تاجر بھی ہوتا تو اغلب ہے کہ جب اُس عورت نے سو کہا تھا تو اس کو اسی یا اَسّی پر ٹرخا دیا جاتا مگر امام موصوفؒ کی دیانت اس خود غرضی اور حیلہ سازی سے بالکل بے نیاز تھی۔

مسعرؒ بن عبد الملکؒ کا بیان ہے کہ ایک شخص کپڑا لایا اور امام صاحبؒ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہا۔ آپ نے پوچھا۔ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ بولا، ایک ہزار، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کی قیمت اس سے بدرجہا زیادہ ہے، حتیٰ کہ آٹھ ہزار درہم پر ان کا معاملہ طے ہوا۔ (ایضاً ج ۱ ص ۲۱۹)

ایک دفعہ حضرت امام صاحبؒ کے ایک شاگرد نے ان کی غیر حاضری میں مدینہ طیبہ کے

ایک باشندہ پر چار سو روپے کی قیمت کا گرم کپڑا دھوکے سے ایک ہزار درہم پر فروخت کر دیا جب حضرت امام صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو شاگرد کو سخت تنبیہ کی اور اس کو دوکان کے سلسلہ سے الگ کر دیا، اور اس خریدار کا حُلیہ پوچھ کر اُس کے پیچھے ہو لیے، جب اس سے مدینہ طیبہ میں جا ملے تو کافی اصرار و تکرار کے بعد :۔

فرد علیه الستمائة وترك علیه الثوب ورجع إلى الكوفة اھ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۹۸)

چھ سو درہم اُسے واپس کر دیے اور کپڑا اُس کے پاس چھوڑ کر پھر کوفہ لوٹ آئے۔

اس سے زیادہ دیانت، خدا پرستی اور خشیتِ الٰہی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟

ایک دفعہ ان کے غلام نے ان کے مال میں تجارت کی اور تیس ہزار روپیہ نفع کمایا مگر اسمیں امام موصوفؒ کے خیال میں خرابی تھی :۔

ففرق ذلك كله، وهو ثلثون الف درهم على الفقراء اھ (ایضاً ج ۱ ص ۲۰۳)

یہ تیس ہزار درہم انہوں نے سب کے سب فقراء پر تقسیم کر دیے۔

امام عبداللہؒ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ لوٹ مار کی کچھ بکریاں ایک دفعہ کوفہ آگئیں اور کوفہ والوں کی بکریوں سے ان کا اختلاط ہو گیا۔ امام صاحبؒ نے دریافت کیا کہ :۔

کم تعیش الشاة قالوا سبع سنین فترك اكل لحم الغنم سبع سنين۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۲۰۵)

بکری زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ زندہ رہتی ہے؟ لوگوں نے کہا، سات سال، چنانچہ امام صاحبؒ نے سات سال تک بکری کا گوشت ترک کر دیا۔

امام ابنِ حجر مکیؒ الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف ایک بکری اس سے بکریوں میں مل جل گئی تھی اور پھر یہ واقعہ نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ :۔

تورعا منه لاحتمال ان تبقى تلك الشاة الحرام فيصادف اكل شيئ منها فيظلم قلبه اھ (الخيرات الحسان ص ۷)

امام موصوفؒ نے محض ورع کی بنا پر ایسا کیا کیونکہ احتمال تھا کہ وہی حرام بکری اس مدت تک باقی رہ جاتی اور اس کو کھانے کی وجہ سے ان کے دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی۔

غور فرمائیے اس تورع و اتقاء اور زہد و دیانت پر کہ انہوں نے محض اس شبہ کی بنا پر سات

سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا کہ کہیں اُسی حرام بکری کا گوشت ہی اس طرح نہ کھا جائیں حالانکہ سینکڑوں جائز اور حلال بکریاں بھی روزانہ کوفہ میں ذبح ہوتی تھیں اور ایسے موقع پر بکری کے گوشت کے کھانے میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہ تھی، مگر امام موصوفؒ کی نظر صرف فتویٰ ہی پر نہ تھی، تقویٰ پر بھی تھی، اور ان کا ورع و تقویٰ اس پر مجبور کرتا تھا پھر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جو پارسائی کے اس بلند مقام پر فائز ہو، وہ قصداً و ارادۃً خدا تعالےٰ کے دین اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شریعت کو بدل ڈالتا ہوگا اور جرأت و بے باکی کے ساتھ بے دھڑک فتوے صادر کرتا ہوگا اور دینِ اسلام کی ایک ایک کڑی اور کڑی کے ایک ایک حلقہ اور گھُنڈی کو توڑتا ہوگا؟ کوئی بھی منصف مزاج اور دیانتدار انسان تاریخی حقائق کی روشنی میں اس پر یقین نہیں کر سکتا اور نہ اس کے اذعان پر اپنے کو آمادہ کر سکتا ہے۔ ؎

وہ ذات کہ ہے عالمِ تعبیر سے اُونچی
اس کے لیے آئینِ بہار اور خزاں اَور

امانت

امانت کی عمدہ خصلت اور صفت سے بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت امام ابُوحنیفہؒ کو وافر حصّہ عطا فرمایا تھا، چنانچہ سفیانؒ بن وکیعؒ فرماتے ہیں کہ:-

كان أبوحنيفة عظيم الأمانة ۔ — ابُوحنیفہؒ بہت بڑے امانت دار تھے۔

(مناقب موفق ج ۱ ص ۲۲۰)

ایک دفعہ ایک تیلی نے ایک لاکھ اور ستّر ہزار روپیہ بمد امانت امام موصوفؒ کے پاس رکھا تھا (ایضاً ج ۱ ص ۲۲۲) جب امام صاحبؒ کی شہادت ہوئی تو آپ کے حالات لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ:-

مات أبوحنيفة وفي بيته للناس ودائع خمسين ألف ألف — جس وقت امام صاحبؒ کی وفات ہوئی تو اُن کے گھر میں لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں۔

(مناقب موفق ج ۱ ص ۲۲۰)

حافظ محمدؒ بن ابراہیم الوزیرؒ (المتوفی ۸۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

انہ ثبت بالتواتر فضلہ وعدالتہ وتقوٰہ وامانتہ اھ (الروض الباسم ج ۱ ص۱۵۸ طبع مصر)

امام ابُوحنیفہؒ کی فضیلت، عدالت، تقویٰ اور امانت تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

اندازہ کیجیے کہ جو بزرگ ہستی لوگوں کی امانتوں میں امین اور محتاط ہو وہ خدا تعالیٰ کے آخری دین اور اسلام جیسی امانتِ عظمیٰ کے ساتھ کس طرح خیانت روا رکھ سکتی ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے لوگوں کی ان فانی اور دُنیوی امانتوں کو محفوظ رکھا ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر اُنھوں نے خدائی امانت اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دی اور بتائی ہوئی شریعت کی امانت کو پوری طاقت اور وسعت کے ساتھ محفوظ رکھا ہے اور دینِ اسلام کے اس صحیح عشق میں انھوں نے انتہائی مصائب کا سامنا کیا ہے، کیونکہ ؎

نیازِ عشق میں ذوقِ خودی ہوتا ہے جب پیدا
تو پھر فرقِ جبین و آستاں باقی نہیں رہتا!

اِستقامت

ظالم سے ظالم اور جابر سے جابر بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہہ دینا تو کوئی مشکل بات نہیں ہوتی، ہاں مگر اس حق بات پر ڈٹ جانا اور عزم و دلیری سے ہر قسم کی تکلیف و مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا حتیٰ کہ اپنی جانِ عزیز سے بھی ہاتھ دھو ڈالنا یہ بڑی ہی مشکل بات ہوتی ہے، اور یہ خوبی صرف اُن اولوا العزم انسانوں کو نصیب ہوتی ہے جو صحیح معنوں میں بفحوائے حدیث الامثل فالامثل کا مصداق ہوتے ہیں۔ ان بلند شخصیتوں میں ایک حضرت امام ابُوحنیفہؒ کی شخصیت بھی ہے، جن کو بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد الحمار (المتوفی ۱۳۲ھ) کے عہدِ حکومت میں عراق کے جابر گورنر یزید بن عمرو بن ہبیرہ نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنانے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے عہدہ قضا پیش کرنا ضروری سمجھا مگر امام موصوفؒ نے حکومتِ وقت کے ظلم و جور اور بے اعتدالیوں و بے عنوانیوں کے پیشِ نظر اس عہدہ کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ عبید اللہؒ بن عمرو الرقیؒ (جو ایک ثقہ راوی ہیں۔ سنن الکبریٰ ج ۲ ص۱۶۶) کا بیان ہے کہ:

حکم ابن ھبیرۃ اباحنیفۃ ان یلی لہ قضاء

ابن ہبیرہ نے امام ابُوحنیفہؒ سے کوفہ کی قضا کے بارے

الکوفة فابیٰ علیہ فضربہ مائة سوط و عشرۃ اسواط فی کل یوم عشرۃ اسواط وھو علی الامتناع اھ

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۲۶)

میں گفتگو کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کے لیے ایک سو دس کوڑے سزا تجویز کی کہ روزانہ دس کوڑے سزا دی جائے بایں ہمہ امام موصوفؒ نے یہ بات تسلیم نہ کی۔

نظر بہ ظاہر پہلے صرف کوفہ کی قضا پیش کی گئی مگر بعد کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا گیا، اور تاریخ بتلاتی ہے کہ بعض دفعہ قاضی القضاۃ وزیر خزانہ اور وزیر مالیات کے عہدے ایک ہی شخصیت کے سپرد کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ امام صدر الائمہؒ لکھتے ہیں کہ:۔

حبس اباحنیفةؒ فی السجن ایاما یطلب منہ ان یکون قاضی القضاۃ فامتنع اھ

(مناقب موفق ج ۲ ص۱۷۳)

امام ابوحنیفہؒ کو کئی دن قید کر کے ان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا جائے مگر وہ اس سے بالکل منکر ہو گئے۔

اور یہ پیش کش بھی کی گئی کہ:۔

ان یتولی القضاء یخرج القضاۃ من تحت یدہ الی جمیع کور الاسلام اھ (ایضاً جلد ۲ ص۱۷۲)

وہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کریں اور تمام قاضی اُن کے حکم سے تمام اسلامی شہروں میں مقرر کیے جائیں۔

اور نہ صرف قاضی القضاۃ کا عہدہ ہی پیش کیا گیا بلکہ بیت المال بھی ان کے سپرد کرنے کی پیش کش کی گئی، چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

یکون علی خاتمہ ولا ینفذ کتاب ولا یخرج شیئ من بیت المال الا من تحت یدہ

(معجم ج ۲ ص۱۷۱)

کہ ذمہ داری کی مہران کے سپرد کی جائے گی اور کوئی دستاویز اور بیت المال سے کوئی مال نہیں برآمد کیا جائے گا مگر ان ہی کے حکم اور ہاتھ سے۔

اور صدر الائمہؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وخیّرہ السلطان علی ان یوجع ظھرہ و بطنہ اویجعل مفاتیح خزائن الاموال بیدہ

بادشاہ نے ان کو اختیار دیا کہ یا تو ان کی پشت اور پیٹ پر سزا کے کوڑے برسیں اور یا وہ وزیر خزانہ

فاختار عذابهم علی عذاب الآخرۃ اھ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۱)

کا عہدہ سنبھال لیں، امام موصوفؒ نے آخرت کی سزا پر ان کی سزا کو ترجیح دی اور یہ عہدہ قبول نہ کیا۔

حافظ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ ربیع کا بیان ہے کہ مجھے بنو امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد کے عراقی گورنر یزید بن عمرو بن ہبیرہ نے بھیجا تاکہ میں امام ابوحنیفہؒ کو اس کی خدمت میں حاضر کروں۔

فارادہ علی بیت المال فابی فضربہ اسواطا اھ (الخیرات الحسان ص ۵۸)

اور ان سے بیت المال کے سپرد کرنے کی پیشکش کی مگر وہ نہ ملنے اور ان کو اس نے کوڑوں کی سزا دی۔

علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی الشافعیؒ (المتوفی بعد ۷۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

وارادہ السلطان علی ان یتولی مفاتیح خزائنہ او یضرب ظہرہ فاختار عذابھم علی عذاب اللہ تعالیٰ۔ (اکمال ص ۶۲۴)

بادشاہ نے امام ابوحنیفہؒ کو خزانہ کی چابیاں سپرد کرنے کی اور بصورتِ انکار سزا دینے کی دھمکی دی مگر انہوں نے اس کی سزا کو اللہ تعالیٰ کی سزا پر ترجیح دی۔

قارئین کرام ملاحظہ فرمایئے کہ اسلامی مملکت میں قاضی القضاۃ اور بیت المال کا عہدہ کتنی بڑی چیز تھی جس منصب کے لیے لوگ زمین کی خاک چھاننے اور خون و پسینہ ایک کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا کرتے اور ایسے زریں مواقع کی تلاش و جستجو میں لوگ سرگرداں رہتے ہیں مگر امام موصوفؒ نے اس عہدہ کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور غور کیجیے کہ اگر موصوفؒ اپنے مذہب و مسلک کو بجبر پھیلانے کی سعی اور کاوش کرتے جیسا کہ متعصب لوگوں کا خیال ہے تو کیوں وہ قاضی القضاۃ نہ بن جاتے اور اپنے شاگردوں اور متوسلین کو قاضی بنا بنا کر اطرافِ مملکت میں بھیجتے جاتے مگر وہ ان تمام مفروض عیوب سے پاک تھے اس لیے اس عہدہ کو ہرگز قبول نہیں کیا۔ امام صاحبؒ کو ان کی والدہ نے بھی یہ کہا کہ بیٹے یہ عہدہ قبول کر لو انہوں نے فرمایا کہ اماں جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتی ہیں۔ (صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۹۳ لابن الجوزیؒ) اور ان کے ہمدرد اور خیر خواہ فقہاء نے بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا کہ :۔

فحلف ان لم یقبل ضربه علی رأسه عشرین سوطا الخ — ابن ہبیرہ نے یہ قسم اُٹھائی ہے کہ اگر یہ عہدہ انہوں نے قبول نہ کیا، توان کے سر پہ بیس کوڑے لگائے جائیں گے۔

(مناقب علی ن القاری ج ۲ ص ۵۰۵)

مگر اس عزم و استقلال کے ہمالیہ نے ان ناصحین کے ان مشوروں اور ہمدردیوں کی مطلقاً کوئی پرواہ نہ کی اور قید و بند کی تمام مصیبتوں اور صعوبتوں کے برداشت کرنے کے لیے گویا یہ فرماتے ہوئے میدان عمل میں نکل آئے کہ ؎

مصیبت آشنا ہوں میں ازل سے اے چمن والو
مجھے آرام آیا بھی تو زیرِ دام ـــــ آئے گا!

اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ:-

فکیف وھو یرید منی ان یکتب بضرب عنق رجل واختم علی ذالک، فواللہ لا ادخل فی ذالک ابداً۔ — میں کیسے اس عہدہ کو قبول کرلوں جبکہ وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پہ مہرِ تصدیق ثبت کروں گا؟ بخدا میں ہرگز اس عہدہ کو قبول نہ کروں گا۔

(مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۲۴)

ابن ہبیرہ نے جب یہ سنا تو غیض و غضب میں اس کا سیماب حرارت اپنے آخری درجہ پہ پہنچ گیا، اور ابنِ صیاد کی طرح غصے سے بھر پور ہو کر کہنے لگا کہ بخدا میں اپنے ارادہ کو جامۂ عمل پہنا کر رہوں گا۔ اور ابو حنیفہؒ کو سخت سزا دوں گا لیکن وہ جو نظریہ قائم کر چکے تھے ایک انچ اس سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اور صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ:-

ضربہ لی فی الدنیا اسھل علیّ من مقامع الحدید فی الآخرۃ واللہ لا فعلت ولو قتلنی۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۲ و مناقب کردری ج ۲ ص ۲۶) — ابن ہبیرہ کی دنیوی سزا مجھ پہ آخرت کے ہتھوڑوں اور گرزوں کی مار سے بہت آسان ہے، بخدا میں یہ عہدہ ہرگز نہیں قبول کروں گا اگرچہ وہ مجھے قتل ہی کر ڈالے۔

اِس کے بعد قاضی ابنِ ابی لیلیٰؒ، ابن شبرمہؒ اور داؤدؒ بن ابی ہندؒ وغیرہ کا ایک وفد حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ملا اور سب نے حکومت کے عزائم اور ارادوں سے ان کو آگاہ کیا اور

حالات کی انتہائی نزاکت سے باخبر کیا اور سب نے یک زبان ہو کر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں یہ کہا کہ :۔

انا ننشد اللہ ان تہلك نفسك فانا اخوانك وكلنا كاره لهذا الامر ولم نجد بدا من ذالك فقال ابوحنيفةؒ لواردنى ان اعدله ابواب مسجد واسط لم ادخل فى ذلك اھ (مناقب موفق جلد۲ ص۲۳ واللفظ له والخيرات الحسان ص۵۸ ومناقب كردرى جلد۲ ص۲۷)

ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں ہم سب آپ کے بھائی اور ہم خیال ہیں اور سب اس عہدہ کو پسند نہیں کرتے مگر کیا کریں مجبور ہیں، امام موصوفؒ نے فرمایا کہ ابن ہبیرہ اگر مجھے واسط کی مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں اس پر بھی آمادہ نہیں ہوں۔

کتنی بڑی جرأت اور ہمت ہے کہ ظالم سے کُھلی طور پر بائیکاٹ کر کے اس کے ساتھ کسی مرحلہ پر بھی شریک ہونا گوارا نہیں کرتے۔ ہر قسم کے طغیان و تعدّی اور ظلم و جور کے بے پناہ طوفانوں کے مقابلہ میں ڈٹ کر خودداری، بلند ہمّتی اور استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے گویا یہ فرماتے ہیں کہ ؎

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے بر سرِ میداں مگر جُھکی تو نہیں!

اور سزا بھی کس طرح دی جاتی تھی، اندرون جیل نہیں اور نہ کسی مخفی مقام میں بلکہ تصریح موجود ہے کہ :۔

كان يخرج كل يوم فينادى عليه حتى يجتمع الناس فيضرب عشرة اسواط ثم يطاف به حتى ضرب مائة وعشرين سوطاقى اثنى عشر يوماً فيضرب كل يوم عشرة اسواط ويطاف به فى الاسواق (مناقب موفق ج۲ ص۱۲۵)

ہر روز اُن کو باہر نکالا جاتا اور منادی کرائی جاتی جب لوگ جمع ہو جاتے تو ان کے سامنے ان کو روزانہ دس کوڑے سزا دی جاتی، پھر ان کو گھمایا جاتا، اسی طرح بارہ دن سزا دی جاتی رہی، اور ایک سو بیس ۱۲۰ کوڑے پڑے گئے، اور بازاروں میں ان کو پھرایا جاتا رہا۔

انصاف سے فرمائیے کہ ایک معمّر اور بوڑھے شخص پر یہ مظالم کیا کم ہیں؟ اور اس سے بڑھ کر تذلیل و تحقیر اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر اس ہمت کے پہاڑ نے نہایت صبر آزما طریقہ پر ایک ایک کوڑا اپنے کمزور اور نازک جسم اور ضعیف و ناتواں سر پر برداشت کیا اور اس ظلم و جور کے ناپیدا کنار دریا کی موجوں اور موجوں کے طلاطم خیز تھپیڑوں سے ٹکر لیتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف قدم بڑھاتا رہا کہ :۔

پیاؔئی کون سی منزل نہ ساحل ہے نہ دریا ہے
شناور بحرِ غم کا اب کہاں ڈوبے کہاں نکلے

ناظرین کرام یہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید بنو امیہ کے دور ہی میں امام موصوفؒ کے مصائب کے دن کٹ گئے، جبر و استبداد کے طوفان ہٹ گئے اور سزا و تعدی کے سیاہ اور گھنگھور بادل چھٹ گئے مگر یقین کیجیے کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ جب اموی دور ختم ہوا اور عباسی دور کا آغاز ہوا اور عباسی خلیفہ سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد ابوجعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کا عہد شروع ہوا تو اس کو بھی اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے امام ابوحنیفہؒ کی علمی اور عملی شہرت کو اپنے لیے آلۂ کار بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے بھی امام صاحبؒ کو عہدۂ قضاء پیش کرنا ضروری سمجھا چنانچہ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

دعا ابوجعفر ابا حنیفۃ الی القضاء فابٰی علیہ فحبسہ (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۲۸)	ابوجعفر نے امام ابوحنیفہؒ کو عہدۂ قضا قبول کرنے کی دعوت دی مگر وہ نہ مانے تو اس نے ان کو قید کر دیا۔

اور یہ قضاء بھی معمولی قضاء نہیں بلکہ قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا :۔

ان یکون قضاۃ بلاد الاسلام من تحت امرہ فامتنع اھ (الخیرات الحسان ص ۹۱)	کہ تمام بلادِ اسلامیہ کے قاضی ان کے ماتحت ہوں مگر وہ صاف انکار کر گئے۔

کاش کہ ابوجعفر منصور جو خلفاء عباسیہ میں بڑا عالم اور علم دوست یاد کیا جاتا ہے امام مظلوم کو قید کرنے پر ہی اکتفا کر لیتا تو پھر بھی ایک حد ہوتی لیکن اس کی آتشِ غضب اس پر کب

ٹھنڈی ہو سکتی تھی؟ چنانچہ اُس نے امام موصوفؒ کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی۔

ملا علی (القاریؒ) لکھتے ہیں کہ:۔

ان المنصور لما عرض علیہ القضاء و امتنع ضربہ ثلاثین سوطاً حتّٰی سال الدم علی عقبیہ اھ

(ذیل الجواھر ج ۲ ص۴۹۲)

منصور نے جب امام موصوفؒ پر عہدۂ قضاء پیش کیا تو انہوں نے انکار کر دیا، اور اس نے تیس کوڑے سزا ان کو دی، یہاں تک کہ خون ان کے بدن سے نکل کر ان کی ایڑیوں پر بہتا رہا۔

مگر یہ یاد رہے کہ امام موصوفؒ کو ننگا کر کے یہ سزا دی گئی تھی، چنانچہ امام موفق الدینؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لما ضرب المنصور اباحنیفۃ رحمہ اللہ ثلاثین سوطا علی القضاء بعد ما جرد من ثیابہ فسال الدماء علی عقبیہ اھ

(مناقب صدر الائمہ ج ا ص۲۱۵)

کہ ابو جعفر منصور نے امام موصوفؒ کے عہدۂ قضاء سے انکار کرنے پر ان کو کپڑوں سے بالکل ننگا کر کے تیس کوڑے سزا دی اور خون ان کی ایڑیوں پر بہتا رہا۔

غور فرمایئے کہ آخر امام موصوفؒ نے کیا جرم کیا تھا کہ یہ ظالمانہ سزا ان کو دی گئی؟ صرف یہی جرم تھا کہ وہ ظالم کے ساتھ ظلم میں تعاون و اشتراک نہیں کرنا چاہتے تھے اور بس۔ کیا اِس سے بڑھ کر تقویٰ اور ورع، خدا خوفی اور روحانیت کی کوئی مثال اُمّتِ مسلمہ میں بغیر معدودے چند افراد کے اور کہیں ملتی ہے؟ دیکھئے کہ حکومتیں بدل گئیں، حُکّام اور شخصیتیں بدل گئیں، زمانہ بدل گیا، اگر نہ بدلا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا عزم و استقلال نہ بدلا اور خدا خوفی اور استقامت نہ بدلی، اُنہوں نے کوڑوں سے اپنے ناتواں بدن کو زخمی کروا دیا، بر سرِ عام سزا برداشت کی، مصائب و آلام کے تھپیڑے جھیلے مگر ظالموں اور بے دردوں کے سامنے آہ بھی نہ کی، اگرچہ دل میں یہ کہتے رہے کہ:۔

جو ہو بے درد اُس کو درد کا احساس ہو کیوں کر
ستمگر کی بلا جانے ستم سے ہم پہ کیا گزری

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ (المتوفیٰ ۲۴۱ھ) کو حکومتِ وقت نے معتزلہ کی ریشہ دوانی

سے جب مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں قید کیا اور کوڑوں سے ان کے مظلوم بدن کو لہولہان کیا گیا، تو وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اِس ہمّت وعزیمت اور استقلال و پامردی کو ایک مثالی نمونہ قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

وکان احمد بن حنبلؒ اذا ذکر ذالک بکی وترحم علیٰ ابی حنیفۃ وذالک بعد ان ضرب احمد۔ (بغدادی جلد ۱۳ ص ۳۲۷، ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۶۴، مناقب موفق جلد ۲ ص ۱۶۹ والخیرات الحسان ص ۵۹)

امام احمدؒ بن حنبلؒ جب اس کو یاد کرتے تو رو دیتے اور امام ابوحنیفہؒ کی سزا کو یاد کر کے ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے تھے کیونکہ ان کو بھی سزا سے سابقہ پڑا تھا۔

افسوس ہے کہ اگر اس پر بھی بس ہو جاتا تو ظلم وجور کی ایک حد ہوتی مگر ابوجعفر منصور کو امام موصوفؒ کا اس بڑھاپے میں بھی چار سال قید و بند میں رہنا کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا اور جب اُس نے محسوس کر لیا کہ امام صاحبؒ کسی اذیت اور دُکھ سے ڈر کر اور مرعوب ہو کر ظالم حکومت کا تعاون کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہیں تو بالآخر امام صاحبؒ کی بے خبری میں جیل خانہ کے اندر ہی ان کو زہر دلوا دیا گیا۔ ثم سقاہ سما فمات (بغدادی جلد ۱۳ ص ۳۳۰) کہ پھر ان کو زہر پلوا دیا گیا، اور اس سے ان کی وفات ہو گئی۔ امام موصوفؒ نے جب زہر کا اثر محسوس کیا تو سجدے میں گر گئے اور اسی حالت میں ان کی رُوحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اُنہوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور جب ان کی وفات اور شہادت ہو گئی تو جیل خانہ کے عملہ نے بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی کہ امام موصوفؒ کی وفات طبعی ہے مگر بصیرت والے دیکھ رہے تھے اور کانوں والے یہ سُن رہے تھے کہ امام موصوفؒ کے بدن کا ایک ایک رونگٹا بزبانِ حال ان ظالموں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ :-

خونِ ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے
کیوں وہ بیٹھے ہیں میری نعش پہ دامن ڈالے

جیل خانہ کے اندر جو رویہ اور طرزِ عمل امام موصوفؒ کے ساتھ روا رکھا گیا وہ بجائے خود قابلِ صد حیرت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

ضیقوا علیہ الامر فی الطعام والشراب والحبس اھ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۳)

ان پر کھانے پینے اور قید میں انتہائی تنگی کی گئی۔

اور جب اُن کو زہر دیا گیا تو اس حالت میں بھی ان کو پیٹا گیا تاکہ زہر کی سرایت بدن میں جلدی جلدی ہو جائے۔ چنانچہ علامہ کردری لکھتے ہیں کہ:۔

ثم امر المنصور ان یضرب مصلوبا حتی یتفرق السم علی اعضائہ ففعل بہ ذالک اھ (مناقب کردری ج ۲ ص ۲۵)

پھر منصور نے یہ حکم دیا کہ ان کو مصلوب کرکے ان کو پیٹا بھی جائے تاکہ زہر بسرعت ان کے اعضاء میں سرایت کر جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

عام مؤرخین تو زہر خورانی کے واقعہ کو امام صاحبؒ کی لاعلمی پر محمول کرتے ہیں لیکن اچھی خاصی جماعت اس رائے سے اختلاف کرتی ہے :۔

وروی جماعۃ انہ دفع الیہ قدح فیہ سم لیشرب فامتنع وقال انی لا علم ما فیہ ولا اعین علی قتل نفسی فطرح نصبّ فی فیہ قہرا فمات۔ (الخیرات الحسان ص ۱۷۰)

ایک جماعت یوں روایت کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے سامنے جب زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا تاکہ وہ اس کو نوش کرلیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اس کے اندر جو کچھ ڈالا گیا ہے اس کا علم ہے، اور میں اس کو پی کر خودکشی نہیں کر سکتا، چنانچہ ان کو زمین پر لٹا کر زبردستی زہر پلوایا گیا اور اس سے اُن کی وفات ہوگئی۔

اور امام صدر الائمہؒ لکھتے ہیں کہ جب اُن کے سامنے زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا اور بار بار اُن کو نوش کرنے کے لیے کہا گیا تو امام موصوفؒ نے فرمایا کہ:۔

لا اشرب انی اعلم ما فیہ لا اعین علی نفسی فطرح ثم صُبّ فی فیہ۔ (مناقب ج ۲ ص ۱۷۲)

میں نہیں پیتا مجھے علم ہے جو کچھ اس میں ہے میں خودکشی کا ارتکاب نہیں کر سکتا چنانچہ ان کو لٹا کر ان کے منہ میں پیالہ انڈیل دیا گیا۔

غرضیکہ اس مظلومانہ طور پر ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، پہلی مرتبہ کم و بیش پچاس ہزار کے مجمع نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، چھ

مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور دفن کرنے کے بعد بھی بیس دن تک لوگوں نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (سیرۃ النعمان ص۴۲ مولانا شبلیؒ)

یہ ہے دُنیا اور دُنیا والوں کی داستان کہ امام مظلومؒ کو محض اِس لیے شہید کر دیا گیا کہ وہ ان کے ساتھ بے انصافی اور حرامخوری میں ہم پیالہ وہم نوالہ نہیں ہونا چاہیئے تھے مجموعی طور پر ڈیڑھ سو کوڑا بھی اپنے سر اور باقی اعضا پر گوارا کیا ہے، قید وبند کی پابزنجیر زندگی بھی برداشت کی۔ ننگے بدن پہ تازیانے بھی کھائے، بازاروں اور شاہراہوں میں آپ کو گھمایا بھی گیا آپ کی تذلیل وتحقیر کی خاصی تشہیر بھی کی گئی۔ جیل خانہ میں آپ کے لیے عرصۂ حیات بھی تنگ کیا گیا، کھانے اور پینے وغیرہ میں بھی انتہائی سختی کی گئی اور بالآخر زبردستی زہر دے کر اس حالت میں بھی ظالموں نے سفید ریش کو مصلوب کر کے خوب پیٹا اور زمین پر گرا اور لٹا کر ظلماً ان کے دہن مبارک میں زہر کا پیالہ بھی انڈیل دیا مگر بایں ہمہ وہ ظلم اور ظالموں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس طرح فانی وعارضی اور ناپائدار دنیا کو چھوڑ کر گلستانِ علم اور بوستانِ عمل کا وہ خوشبودار اور کھلا ہوا پھول اللہ تعالےٰ کو پیارا ہو گیا۔

اے ابُوحنیفہؒ! تجھ پر پروردگارِ عالم کی کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں تُو نے حق کے لیے جان دے کر آنے والی نسلوں کے لیے استقلال و استقامت کا بہترین نمونہ قائم کیا اور حق پہ قائم و دائم رہنے والوں کے لیے عمدہ اسوہ پیش کیا اور اس طرح باغِ دُنیا کے سینکڑوں کانٹوں کے سامنے تجھ جیسا خوشبودار اور پیارا پھول توڑ ڈالا گیا آہ ؎

چمن میں خار کو حاصل ہے اِک حیاتِ دراز
ستم ہے زندگیٔ گُل مگر دراز نہیں!

فقہ حنفی کی مقبولیت

تاریخ اسلام اس بات کے لیے کافی ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معتدبہ اکثریت امام ابُوحنیفہؒ کی فقہ کی دلدادہ رہی ہے۔ بعض حضرات نے اس کی وجہ تو صرف یہی بتائی ہے کہ چونکہ امام ابُویوسفؒ اور اس قسم کے دیگر اکابر حنفیہ اسلامی حکومتوں میں

قاضی القضاۃ تھے لہذا ان کی ترغیب یا بالفاظِ دیگر اثر و رسوخ اور کنبہ پروری کی وجہ سے فقہ حنفی مقبول ہوئی ہے بہت سے غلط کار لوگوں نے فقہ حنفی کی مقبولیت سے گھبرا کر بالکل یہ باطل نظریہ قائم کیا ہے جیسا کہ بہت سے غیر مقلدین حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کے ایک حوالہ پر حواشی در حواشی لگا کر اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ پہلے تو یہ بات بھی نہایت قابلِ غور و فکر ہے کہ اکثر مسلمان اور عادل بادشاہ (جو اگرچہ خلفاء راشدین رض کی مد میں تو شمار نہیں کیے جا سکتے مگر ان کی اسلام دوستی بھی شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے) کیوں فقہ حنفی کے قبول کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں اور مجبور ہوئے؟ اگر آئے دن نت نئے حوادث و نوازل اور احکام و مسائل میں بغیر فقہ کے ان کو کوئی صحیح حل نظر آتا یا فقہ حنفی کے بغیر کسی اور امام کی فقہ میں ان کے لیے تشفی کا کوئی سامان موجود ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے دامن میں کیوں پناہ لیتے؟ اور اس کے گرویدہ اور دلدادہ کیوں ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حکومت اور سلطنت کی ترقی زمانہ کے ساتھ نئی نئی مشکلات کو غیر فقیہ بوریا نشین مولوی اور زاویۂ خمول میں تصوّف کی ضربیں لگانے والا غیر عالم صوفی اور ہر پیش آمدہ نئے حادثہ اور مسئلہ کو صریح الفاظِ حدیث میں تلاش کرنے والا محض سادہ لوح محدث کیا جانے؟ وقت کے جدید تقاضوں اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن و حدیث کی صحیح روشنی میں حل کرنے کا صرف وہی اہل ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ رض تابعین رح اور ائمہ دین رح کے پیش کردہ اصول و ضوابط کے تحت ہر نئے مسئلہ کا حل تلاش کر سکے اور اپنے تفقہ و اجتہاد سے اس نازک گتھی کو سلجھا سکے اور ملکی حالات اور مسلمانوں کے جدید مسائل سے بھی خاصا واقف ہو۔ باقی وہ سطحی قسم کے حضرات جو ان چیزوں سے مطلقاً دلچسپی ہی نہیں رکھتے، تو وہ بیچارے لکیر کے فقیر کیا خاک جدید مسائل حل کریں گے۔ یہ بات دلچسپی اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ جب پاکستان کے ہر دل عزیز وزیر اعظم لیاقت علی خان صاحب مرحوم راولپنڈی میں شہید کیے گئے تو گکھڑ میں میرے پاس ایک بہت بڑے عالم (جو کم و بیش تیس پینتیس سال تک کامیاب مناظر رہے ہیں اور ایک ایک مسئلہ پر لکات در نکات بیان کیے چلے جاتے ہیں) موجود تھے۔ چنانچہ انہی کے توسط سے ہم نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت منگوائی اور

ہم سب آمین کہتے رہے۔ جب لوگ چلے گئے تو وہ حضرت مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ لیاقت علی خاں صاحب کون بزرگ تھے جن کے لیے یہ کہرام مچ گیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو پاکستان کے وزیر اعظم اور قوم کے خیر خواہ تھے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو وہ بہت اچھے آدمی ہوں گے؟ بھلا غور فرمایئے کہ ایسے حضرات جدید مسائل کا کیا حل تجویز کر سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ کامیاب مناظر محقق واعظ اور جید عالم ہیں اور صحیح معنی میں خادم اسلام اور مذہب کے شیدائی ہیں۔ اور اسی طرح کے ایک اور بزرگ جو چوٹی کے محدث، فقیہ اور صوفی ہیں اور سیکڑوں علماء کے اُستاد ہیں، وہ ایک دفعہ فرمانے لگے! کیا یہ وزراء کرام تنخواہیں بھی لیا کرتے ہیں؟ غور کیجئے کہ اگر تنخواہوں اور سستی شہرت کا سوال نہ ہوتا تو اسمبلی ہال کی کرسیاں ایک دوسرے کے سر پہ کاہے کو برستیں اور مکا بازی کا مظاہرہ کیوں ہوتا؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ ایسے علماء ربّانی کی تذلیل و تنقیص کی جائے، اور نہ یہ مُراد ہے بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے علمی اور اصلاحی کاموں میں کچھ ایسے منہمک رہتے ہیں کہ دُنیوی اُمور کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے۔ اگر نگاہِ بصیرت سے دیکھا جائے تو مُسلمان اور عادل بادشاہوں کا فقہ حنفی کو اپنانا محض اس لیے تھا کہ وہ ہر نئے مسئلہ اور حادثہ کا حل جو قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ میں نظر نہ آتا تھا، اس میں یا اس کے پیش اور قائم کردہ کلّیات اور قواعد میں پا لیتے تھے (اور فقہاء کرامؒ کی باریک بین نظروں نے ان اصول و کلّیات کو قرآن و حدیث ہی سے استنباط کیا ہے) اس لیے وہ اس کے گرویدہ رہے، اور یہ فقہ حنفی کے جامع اور کامل ہونے کی ایک مستقل دلیل ہے کہ وہ نامساعد حالات میں بھی ترقی پذیر ہی رہی اگرچہ ؎

کانٹوں میں ہے گھِرا ہوا چاروں طرف سے پھول

پھر بھی کھِلا ہوا ہے عجب خوش مزاج ہے!

مگر فقہ حنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ نہیں بلکہ اس کی قبولیت کے کئی اور وجوہ ہیں، مثلاً ایک یہ کہ حضرت امام ابُوحنیفہؒ کا مقام فقہ میں بہت اُونچا ہے جیسا کہ ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں، اور ان کے شاگردوں اور متوسلین کو بھی یہ خوبی اور کمال حاصل تھا کیونکہ الولد سرٌّ لابیہ ایک مشہور مثال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لو کان الدین عند الثّریا

(الحدیث) میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جو بشارت اور خوشخبری دی ہے امام صاحبؒ اس کا اوّلین مصداق ہیں جیسا کہ باحوالہ یہ بھی گزر چکا ہے، اس لئے بھی ان کی فقہ کو برتری حاصل رہی ہے۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کی فقہ اس لیے مقبول رہی ہے کہ اس کے اصول وضوابط شورای کے ذریعے طے ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ کوفہ کے اندر کتاب وسنّت کی روشنی میں وضع قوانین اور حل حوادث ونوازل کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم تھی جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سرکردگی میں مسائل پر غور وخوض کیا کرتی تھی اور کافی بحث وتمحیص اور مناظرہ کے بعد جب سب کی رائے متفق ہو جاتی تو پھر وہ مسائل قید تحریر میں لائے جاتے تھے اور منضبط کر کے ان کی تدوین کی جاتی تھی، اور یہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے کہ اجتماعی سعی، انفرادی کوشش سے بہر حال اعلیٰ وافضل ہی رہتی ہے، اور اس طریق سے جو مسائل طے کئے جائیں گے، ظاہر بات ہے کہ ان میں خطا اور غلطی نسبتاً بہت ہی کم ہوگی۔ اگرچہ یہ طریق بھی معصوم عن الخطا کا درجہ اور مقام تو حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ ہے آخر یہ بھی اجتہاد ہی مگر اس میں غلطی کا امکان بہر حال کم رہتا ہے، اور شوریٰ کا مستحسن اور مفید ہونا خود قرآن کریم سے مثلاً وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اور نیز متعدد صحیح احادیث اور خلفاء راشدینؓ کے عمل اور دیگر دلائل شرعیہ سے بالکل روشن اور ہویدا ہے جس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔

اراکینِ شوریٰ

امام صاحبؒ نے جو یہ مجلس شوریٰ اور محفل مذاکرہ قائم کی تھی، اس کے اراکین اپنے وقت میں چوٹی کے فقیہ، محدّث اور قیاس داں حضرات تھے جو آزادیٔ رائے کے ساتھ مسائل میں رائے زنی کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ اسحاقؒ بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:-

كان اصحاب ابی حنيفةؒ الذين يذاكرونهٗ	اصحاب ابی حنیفہؒ جو ان کے ساتھ مسائل میں مذاکرہ
ابويوسفؒ وزفرؒ وداؤد الطائیؒ واسدؒ	کیا کرتے تھے یہ تھے امام ابو یوسفؒ، زفرؒ، داؤد،
بن عمروؒ وعافية الاودیؒ، والقاسمؒ بن	طائیؒ، اسدؒ بن عمروؒ، عافیۃ الاودیؒ، قاسم بن

معہٗ وعلیؒ بن مسہرؒ و مندلؒ وحبانؒ ابنا علیؒ وکانوا یخوضون فی المسئلۃ فان لم یحضر عافیۃؒ قال ابوحنیفۃؒ لا ترفعوا المسئلۃ حتّٰی یحضر عافیۃ فاذا حضر عافیۃؒ فان وافقہم قال ابوحنیفۃؒ اثبتوھا فان لم یوافقہم قال ابوحنیفۃؒ لا تثبتوھا۔

(تاریخ بغداد جـ۱۳ ص۳۰۸ طبع مصر ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۱ء)

معہٗ، علیؒ بن مسہرؒ، مندلؒ بن علیؒ اور حبانؒ بن علیؒ، اور جب وہ کسی مسئلہ میں بحث و تمحیص شروع کرتے تو اگر عافیہؒ ان میں شریک نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے کہ اس مسئلہ میں بحث عافیہؒ کے آنے تک ختم نہ کرو جب عافیہؒ آجاتے اور ان کی رائے سے وہ متفق ہو جاتے تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے اب اس مسئلہ کو لکھ لو اور اگر عافیہؒ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے یہ مسئلہ مت لکھو۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فقہ کے مسائل میں اپنے شاگردوں کا شعور بیدار کرنے اور ان کی مخفی قوتوں کو اُجاگر کرنے کی سعی کرتے رہتے تھے، اور امام صاحبؒ صرف اپنی ذاتی رائے ہی کو درج نہ کرواتے اور نہ اپنی انفرادی رائے کا کسی کو پابند ٹھہراتے بلکہ ان مذکور حضرات کی خوب بحث و تمحیص سے جب آخری رائے قائم ہو جاتی تو اس کو اصول اور قوانین کی کتابوں میں درج کروا دیتے جن کو ہم اپنی اصطلاح میں املائی کتابوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ :-

فوضع ابوحنیفۃ رحمہ اللّٰہ مذھبہ شوریٰ بینہم لم یستبد فیہ بنفسہ دونہم اجتہاداً منہ فی الدّین ومبالغۃً فی النصیحۃ للّٰہ و رسولہ والمؤمنین فکان یلقی مسئلۃ مسئلۃ ویسمع ما عندہم ویقول ما عندہٗ و یناظرہم شہراً او اکثر من ذالک حتّٰی یستقر احد الاقوال فیہا ثم یثبتہا ابویوسفؒ فی الاصول حتّٰی اثبت الاصول کلہا اھ

امام ابوحنیفہؒ نے اپنا مذہب ان میں بطور شوریٰ رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی رائے ہی میں وہ مستبد نہ رہتے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول برحق اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کیا ہے چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش کرتے، ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان فرماتے اور ایک ایک مہینہ بلکہ ضرورت پڑتی

(مناقب موفق ج ۲ ص ۱۳۳) تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہتے حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر سب کی رائے جم جاتی تو اس کے بعد امام ابُو یوسفؒ اس کو اصول میں درج کر دیتے یہاں تک کہ سب اصول انہوں نے منضبط کر دیئے۔

اور اگر امام ابُو یوسفؒ جلد بازی سے کام لیتے ہوئے اپنے اُستاد محترم کی رائے بدوں تنقیح اور تحقیق کے لکھ دیتے تو امام ابُو حنیفہؒ ان کو تنبیہ فرماتے کہ :-

لا تكتب كل ما تسمع منى فانى قد ارى الرأى اليوم واتركه غداً وارى الرأى غداً واتركه فى غده اھ

(تقدمۃ نصب الرایہ ص۳۱)

ہر وہ چیز جو تم مجھ سے سنتے ہو مت لکھا کرو کیونکہ اگر میں آج کوئی رائے قائم کرتا ہوں تو کل اُسے چھوڑ دیتا ہوں اور کل کی رائے پرسوں ترک کر دیتا ہوں۔

اور اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ وہ اُس وقت تک اپنی رائے کو تدوین کرنا پسند نہیں کرتے تھے جب تک کہ خود بھی اچھی طرح اُس پر غور خوض نہ کر لیتے اور مجلسِ شوریٰ کے ذریعے بھی اس کی خوبی یا خرابی عیاں نہ ہو جاتی۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض غیر مقلدین حضرات نے امام صاحبؒ کے اس حزم و احتیاط اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول اور مُسلمانوں کے ساتھ خالص ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کو متلون مزاجی اور رائے کی بے ثباتی کا طعنہ اور نشتر لگا کر ان کا یہ عیب گردلنتے کی ناکام کوشش کی ہے مگر یہ عیب کچھ سوءِ ظن اور تعصّب وحسد کا نتیجہ ہے، اور اِن کی بے بنیاد تاویلات سے اُن کے مسلک کے فروغ میں رتّی بھر رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی اور نہ انشاء اللہ ہو گی، کیونکہ ع

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے

امام عبد اللہ بن المبارکؒ کا بیان ہے کہ اس مجلس کے سامنے ایک اہم مسئلہ در پیش ہوا۔

فاضوا فيها ثلاثة ايام بالغداة والعشي (مناقب موفق ج ۲ ص ۵۴)

تو ارکان مجلس تین دن تک صبح و شام اس میں غور و غوض کرتے رہے۔

اور یہ مجلس شوریٰ جب تک کہ مسئلہ کا حل تلاش نہ کرلیتی اس کو معرضِ التوا میں نہ ڈالتی۔ چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے کہ :۔

اذا وقعت لهم مسئلة يديرونها حتى يضيئونها۔ (مناقب کردری ج ۲ ص ۳)

جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اس کو آپس میں خوب گردش دیتے یہاں تک کہ بالآخر اس کی تہ تک پہنچ کر اس کو روشن کرلیتے۔

اس طرزِ عمل سے حضرت امام صاحبؒ نے جو مسائل طے اور حل کئے ان کی تعداد میں متعدد روایات اور حوالجات پیشِ نظر ہیں مگر اختصاراً ہم حضرت ملا علی ن القاریؒ کا حوالہ لکھتے ہیں کہ :۔

انه وضع ثلاثة آلاف وثمانين الف مسئلة منها ثمانية وثلاثون الفاً في العبادة والباقي في المعاملات ا ھ (ذيل الجواهر جلد ۲ ص ۴۷۲)

کہ امام صاحبؒ نے تراسی ۸۳ ہزار مسئلے طے کئے ان میں سے اڑتیس ہزار عبادت سے متعلق اور باقی معاملات سے متعلق تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی وسعتِ نظر اور معاملہ فہمی کا اندازہ لگانے کے لیے امام محمدؒ بن جریر طبریؒ (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ) اور خطیب بغدادیؒ کا ایک حوالہ ملاحظہ کیجئے وہ فرماتے ہیں کہ :۔

وكان ابو حنيفة اول من عد اللبن بالقصب (طبری ج ۹ ص ۲۴۱ طبع مصر و تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۷)

امام ابو حنیفہؒ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے بانس کے ذریعہ اینٹوں کے گننے کا طریقہ ایجاد کیا۔

غور فرمایئے کہ پیمائش کے اس عمل سے خشت شماری کا طریقہ کس قدر سہل اور آسان ہوگیا ہے اور دینی مسائل کے علاوہ ان کی یہ رائے بھی کتنی کارآمد اور مفید ثابت ہوئی ہے کہ آج تک تقریباً ساری دنیا اس اصول کو معمول بہ قرار دے رہی ہے۔ غرضیکہ فقہ

حنفی میں صرف نماز و روزہ حج وزکوٰۃ وغیرہ ہی کے ابواب نہیں بلکہ معاشیات وسیاسیات، معاملات واخلاق وغیرہ وغیرہ سارے علوم وفنون اس میں سمٹے ہوئے ہیں اور اس کی اسی ہمہ گیری نے قلوب واذہان پر استیلاء کیا ہے اور لوگ اس کی افادیت اور ضرورت کے تسلیم کرنے سے بالکل چارہ نہیں پاتے ؎

تیرا ہر نظارہ ہے آئینہ دارِ زندگی
رقص کرتی ہیں ترے دامن میں موجیں علم کی

تدوینِ کتب کا سہرا امام صاحبؒ کے سر ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے علمائے اُمّت کی سہولت کے لیے سب سے پہلے تدوینِ کتب اور ابواب کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس میں ایک بہترین مثال قائم کی۔ چنانچہ صدر الائمہؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وابوحنیفہ رحمہ اللہ اوّل من دوّن علم ھذہ الشریعۃ لم یسبقہ احد ممن قبلہ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۱۳۶)

امام ابوحنیفہؒ نے سب سے پہلے علم شریعت کی تدوین کی، ان سے پہلے کسی نے (اس طرح کی) تدوین نہیں کی۔

اور امام سیوطیؒ، امام صاحبؒ کی خصوصیات نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

انہ اوّل من دوّن علم الشریعۃ ورتّبھا ابوابا ثم تبعہ مالک بن انسؒ فی ترتیب المؤطا ولم یسبق اباحنیفۃؒ احد لان الصحابۃ رضی اللہ عنہم والتابعین لم یضعوا فی علوم الشریعۃ ابوابا مبوّبۃ ولا کتبا مرتّبۃ وانما کانوا یعتمدون علی قوۃ حفظھم فلما رأی ابوحنیفۃؒ العلم منتشرا وخاف علیہ الضیاع دوّنہ فجعلہ ابوابا اھ (تبییض الصحیفہ ص ۳۶)

سب سے پہلے انہوں نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور ابواب میں اس کی ترتیب دی ہے پھر امام مالکؒ نے مؤطا میں ان کی پیروی کی ہے امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ حضرات صحابہؓ کرام اور تابعینؒ نے علومِ شریعت میں ابواب اور کتابوں کی ترتیب کا کوئی اہتمام نہیں کیا، وہ تو صرف اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے، جب امام ابوحنیفہؒ نے علوم کو منتشر دیکھا اور اس کے ضائع ہونے کا خوف کیا تو ابواب میں اس کو مدوّن کر دیا۔

اور امام سیوطیؒ ہی علامہ ذہبیؒ کے حوالہ سے ۱۴۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس سن میں وَصَنَّفَ ابوحنیفۃ الفقہ والرأی (تاریخ الخلفاء ص۱۸۱ طبع مجتبائی دھلی) امام ابوحنیفہؒ نے فقہ و رائے تصنیف کی۔

اور امام ابن حجر مکیؒ امام صاحبؒ کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

انّہٗ اوّل من دوّن علم الفقہ ورتّبہٗ ابوابًا وکتبًا علیٰ نحو ما ھو علیہ الیوم وتبعہٗ مالک فی موطئہٖ ومن قبلہ، انما کانوا یعتمدون علیٰ حفظھم وھو اوّل من وضع کتاب الفرائض وکتاب الشروط۔ (الخیرات الحسان ص۲۸)	انہوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی ہے اور اس کو ابواب اور کتب میں مرتب کیا ہے جیسا کہ آج موجود ہے، پھر ان کی پیروی امام مالکؒ نے اپنے مؤطا میں کی ہے اس سے قبل لوگ حافظہ پر بھروسہ کرتے تھے، اور سب سے پہلے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط بھی امام ابوحنیفہؒ ہی نے وضع کی ہے۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ علم و دین کی باتیں اور مسائل پہلے دَور میں بھی لکھے جاتے تھے اور اس کا حدیثی اور تاریخی طور پر کافی ثبوت موجود ہے اور ہم نے اپنی کتاب شوقِ حدیث میں اس پر بے شمار حوالے دیئے ہیں لیکن بایں ہمہ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ کے زمانہ میں زیادہ تر دارو مدار حفظ پر تھا اور قرآن و حدیث کی طرح اکثر دینی مسائل بھی لوگوں کو بقیدِ حروف یاد ہوتے تھے، جب خیر القرون سے زمانہ دُور ہوتا گیا اور دینی جذبہ اور حفظ میں کمی واقع ہونے لگی تو سلفِ صالحین کو بقائے دین کی فکر ہوئی اور انہوں نے علم دین کو کتابی شکل میں لکھنے کی سعی کی اور اس طرح قرآن و حدیث کے علاوہ فقہی مسائل کا بھی معتد بہ حصّہ ضبطِ تحریر میں آ گیا لیکن ان کی ترتیب اور ابواب و فصول کی صورت میں تدوین پھر بھی نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسائل کی تلاش میں خاصی دِقّت ہوتی اور ایک ایک مسئلہ اور جزئی کی تلاش کے لیے خاصا قیمتی وقت صرف ہو جاتا اس اہم ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اسی طرح دیگر بزرگوں نے فقہ وغیرہ علوم کی ترتیب اور ابواب و فصول پر تدوین کا بیڑا اُٹھایا اور ان کا یہ مفید کام آج تک قابل قدر نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اس طرح قیمتی وقت کی بچت ہوتی ہے اور ذہنی پریشانی سے بھی نجات ملتی ہے جس باب کا مسئلہ ہوتا ہے کتاب کی فہرست

مضامین دیکھی اور فوراً باب یا فصل نکال کر مسئلہ دیکھ لیا جاتا ہے۔ گویا اس لحاظ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اسی طرح دوسرے بزرگوں کا محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ وغیرہم پر یہ بھی ایک بہت بڑا احسان ہے ہاں جو احسان کو سمجھتا ہی نہ ہو تو اس کا کیا کہنا؟ اور جس کی چشم ہی بینا نہ ہو اس کو طُور کیا نظر آئے گا؟ سچ کہا گیا ہے کہ ؎

چشمِ بینا تو پہلے کر پیدا پھر یہ کہنا کہ کوہِ طُور نہیں

بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اپنی کوئی تصنیف نہیں اور خصوصاً الفقہ الاکبر ان کی نہیں لیکن یہ ان حضرات کا زاوہم ہے ہم نے البیان الازھر کے مقدمہ میں اس پر بقدر ضرورت بحث کی ہے مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابوالفرج محمدؒ بن اسحاقؒ بن ندیمؒ اپنی کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۲۹۸ میں (جس کو انہوں نے ۳۷۷ھ میں تصنیف کیا ہے) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ تابعی تھے اور کئی حضرات صحابہ کرامؓ سے آپ کی ملاقات ہوئی پھر آگے لکھتے ہیں کہ الفقہ الاکبر کتاب الرسالۃ الی البتی کتاب العالم والمتعلم اور کتاب الرد علی القدریۃ ان کی تصانیف ہیں (محصلہ الفہرست لابن الندیم ص ۲۹۹ طبع مصر) اور علامہ طاش کبری زادہؒ لکھتے ہیں کہ خود امام ابوحنیفہؒ نے اپنی کتاب الفقہ الاکبر اور کتاب العالم والمتعلم میں علم کلام کی اکثر بحثیں کی ہیں اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ انکی تصانیف نہیں بلکہ یہ ابوحنیفۃ البخاریؒ کی ہیں تو یہ بات معتزلہ کے مخترعات میں سے ہے ان کا یہ باطل خیال ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ان کے مسلک پر تھے علامہ حافظ الدین البزازیؒ نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہؒ میں لکھا ہے کہ میں نے خود یہ دونوں کتابیں علامہ شمس الدین الکردری البراتقینی العمادیؒ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں اور ان دونوں کے بارے میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف ہیں اور اس امر پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے جن میں سے امام فخر الاسلام بزدویؒ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے امام الشیخ عبدالعزیز بخاریؒ بھی ہیں جنہوں شرح الاصول میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔

؎ (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ ج ۲ ص ۲۹ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

باب پنجم

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور علم حدیث

امام الائمہ، سید الفقہاء، ذکی الامت، رأس الاتقیاء مجاہد کبیر حضرت نعمانؒ بن ثابت الکوفیؒ میں جہاں خالق کائنات نے اور بہت سی خوبیاں اور بھلائیاں ودیعت رکھی تھیں وہاں ان کو علم حدیث سے بھی وافر حصہ مرحمت فرمایا تھا۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ فن روایت اور علم حدیث میں ان کا رتبہ اور پایہ باحوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ ہر ایک منصف مزاج کو صحیح حقیقت معلوم ہو سکے اور متعصب وغلط کار لوگوں کے جھوٹے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر خدا تعالیٰ کے نیک اور پارسا بندہ سے عداوت اور دشمنی اختیار کر کے محاربتِ خداوندی کا شکار ہو کر کہیں وہ اپنی آخرت ہی ضائع نہ کر دے۔

شیخ الاسلام ابنؒ عبد البر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وروی حماد بن زید عن ابی حنیفۃ احادیث کثیرۃ۔ (الانتقاء ص ۱۳۰)	حمادؒ بن زیدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔

اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس حدیثیں تھیں ہی نہیں یا صرف سولہ، سترہ کے قریب تھیں جیسا کہ بعض متعصب لوگوں نے کہا ہے تو احادیثِ کثیرہ کا کیا مطلب ہوگا؟ اور جب خود ان کے پاس ہی زیادہ حدیثیں نہ تھیں تو حمادؒ بن زیدؒ سے انہوں نے بھلا احادیثِ کثیرہ کیا روایت کی ہوں گی؟

اور حافظ ابنؒ عبد البرؒ ہی امام وکیعؒ بن الجراحؒ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان يحفظ حديثه كله وكان قد سمع من ابى حنيفة حديثا كثيرا۔ (جامع بيان العلم جلد ۲ ص۱۴۹)

کہ وکیعؒ بن الجراحؒ کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔

انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا کہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ بلند قدر اور پختہ کار محدث تھے۔ اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بیان کردہ حدیثیں ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہوتیں تو وہ ہرگز اُن کو یاد نہ کرتے؟ اور بہت سی حدیثیں جبھی ہی وہ اُن سے روایت کر سکتے ہیں جب کہ خود امام ابوحنیفہؒ کے پاس بھی بہت سی حدیثیں ہوں۔

محدث ابنِ عدیؒ (المتوفی ۳۶۵ھ) امام اسدؒ بن عمروؒ (المتوفی ۱۹۰ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ :-

وليس فى اصحاب الرائ بعد ابى حنيفة اكثر حديثا منه۔ (لسان الميزان ج۱ ص۳۸۴)

اصحاب الرأی (یعنی فقہاء) میں امام ابوحنیفہؒ کے بعد اسدؒ بن عمروؒ سے زیادہ حدیثیں اور کسی کے پاس نہ تھیں۔

اور علامہ ابن سعدؒ اسدؒ بن عمروؒ ہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

وكان عنده حديث كثير وهو ثقة انشاء الله۔ (تاریخ بغداد جلد ۷ ص۱۶)

ان کے پاس بہت حدیثیں تھیں اور انشاء اللہ وہ ثقہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اسدؒ بن عمروؒ جو خود صاحبِ حدیث کثیر تھے، امام ابوحنیفہؒ کے پاس ان سے بھی کہیں زیادہ حدیثیں تھیں۔

امام صدر الائمہ مکی الحنفیؒ، امام مکیؒ بن ابراہیمؒ (المتوفی ۲۱۵ھ جو الحافظ، الامام اور شیخ خراسان تھے، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ تذکرہ جلد ۱ ص۳۳۲) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

ولزم ابا حنيفة رحمه الله وسمع منه الحديث والفقه واكثر عنه الرواية۔

انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں رہ کر ان سے حدیث اور فقہ کا سماع کیا اور اُن سے

بکثرت روایتیں کیں۔

یہ حضرت امام بخاریؒ کے استاد تھے اور صحیح بخاری میں بائیس۲۲ ثلاثیات میں سے گیارہ صرف مکیؒ بن ابراہیمؒ کی سند سے ہیں اور یہ بڑے پایہ کے حنفی تھے گویا ان کی عالی سند کے ساتھ امام بخاریؒ کو یہ رتبہ اور شرف حاصل ہوا کہ صحیح بخاری میں گیارہ ثلاثیات ان کی سند سے درج کیں۔

اور امام عیسیٰؒ بن ماہان ابُوجعفرؒ (المتوفی سنہ ـــ) بعض نے ان میں کلام بھی کیا ہے، مگر امام احمدؒ ان کو صالح الحدیث، اور ابنِ معینؒ، ابن مدینیؒ، ابن عمار موصلیؒ، ابن سعدؒ، حاکمؒ اور ابنِ عبدالبرؒ ثقہ کہتے ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص۵۷) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

امام اهل الری فی الحدیث والفقه اکثر عن ابی حنیفةؒ روایة الحدیث والفقه و کان یقول مارأیت افقه من ابی حنیفةؒ (ایضاً ج ۱ ص۲۴۳)	وہ رَیّ کے باشندوں کے حدیث اور فقہ میں امام تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث اور فقہ کی بہت روایتیں لی ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔

علّامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ محدث بشرؒ بن موسیٰؒ (المتوفی سنہ ۲۸۸ھ جو المحدث الامام اور الثبت تھے تذکرہ ج ۲ ص۱۶۸) سے اور وہ اپنے استاد محترم حضرت امام ابوعبدالرحمٰن المقریؒ (المتوفی ۲۱۳ھ جو الامام، المحدث اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج ۱ ص۳۴۴)، انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے نو سو۹۰۰ حدیثیں سنی تھیں، مناقب کردری جلد۲ ص۲۱۶) سے روایت کرتے ہیں کہ :-

وکان اذا حدث عن ابی حنیفةؒ قال حدثنا شاهنشاه۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۴۵)	جب وہ ہم سے امام ابُوحنیفہؒ کی سند سے کوئی حدیث بیان فرماتے تو کہتے ہم سے شاہنشاہ نے حدیث بیان کی ہے۔

اندازہ فرمایئے کہ ایک محدثِ کامل اور شیخ الاسلام، حضرت امام ابُوحنیفہؒ کو روایت اور حدیث کا بادشاہ ہی نہیں کہتے بلکہ شاہنشاہ کہتے ہیں، جو شخص اپنے دَور اور زمانے میں حدیث کا شاہنشاہ ہو گیا اس کے محدث اور حافظِ حدیث ہونے میں کوئی کسر اور

کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ سکتا ہے ؟ (فنِ حدیث اور سند میں شہنشاہ ہونا جزوی بات ہے اور مطلقاً شہنشاہ ہونا مخلوق کیلئے حرام ہے) حقیقت یہ ہے کہ ع

"آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں" !

امام صدر الائمہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وعبد الله بن يزيد هو ابو عبد الرحمٰن المقرى من حفاظ اصحاب الحديث وكبرائهم اكثر عن ابى حنيفةؒ الرواية فى الحديث ۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۳۲)

امام ابو عبد الرحمٰن المقری عبد اللہؒ بن یزیدؒ نے جو خود بھی اصحاب حدیث کے حفاظ اور بڑے ائمہ میں تھے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث کی بہت سی روایتیں لی ہیں۔

مشہور محدث اسرائیلؒ (المتوفی ۱۶۲ھ جو الامام اور الحافظ تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۹۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کیا ہی خوب مرد تھے کہ :-

ما كان احفظهُ لكل حديث فيه فقه واشد فحصه عنه واعلمه بما فيه من الفقه ۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۳۹ وتبييض الصحيفه ص ۲۷)

انہوں نے ہر ایسی حدیث کو کیا ہی اچھی طرح یاد کیا جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے اور وہ حدیث کے بارے میں بڑی بحث کرنے والے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔

امام صدر الائمہ مکیؒ، امام عیسیٰؒ بن یونسؒ (المتوفی ۱۸۷ھ جو ثقہ اور ثبت تھے، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اكثر عن ابى حنيفةؒ الرواية فى الحديث والفقه ۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۹۷)

انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے حدیث اور فقہ کی بکثرت روایتیں کی ہیں۔

امام عبد اللہؒ بن داؤد الخریبیؒ (المتوفی ۲۱۳ھ جو الحافظ الامام اور القدوہ تھے، تذکرہ جلد ۱ ص ۳۰۰ علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ، عابد اور ناسک اور امام ابن معینؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ ایضاً جلد ۱ ص ۳۰۹) فرماتے ہیں کہ :-

يجب على اهل الاسلام ان يدعوا الله لابى حنيفةؒ فى صلوتهم قال وذكر حفظه عليهم

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز میں اللہ تعالےٰ سے امام ابو حنیفہؒ کے لیے دعا کریں اور ذکر فرمایا کہ

السنن والفقه۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۲ والبدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷) — یہ اس لیے کہ انھوں نے سنت، حدیث اور فقہ کو مسلمانوں کے لیے محفوظ کیا ہے۔

امام صدر الائمہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ امام زفرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

قال کان کبراء المحدثین مثل زکریا بن ابی زائدۃؒ وعبد الملک بن ابی سلیمانؒ واللیث بن ابی سلیمؒ ومطرف بن طریفؒ وحصین ھو ابن عبد الرحمٰنؒ و غیرھم یختلفون الی ابی حنیفۃؒ ویسئلونہ عما ینوبھم من المسائل وما اشتبہ علیھم من الحدیث۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۴۹)

بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریاؒ بن ابی زائدہؒ، عبد الملکؒ بن ابی سلیمانؒ، لیثؒ بن ابی سلیمؒ، مطرفؒ بن طریفؒ اور حصینؒ بن عبد الرحمٰنؒ وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور ایسے (دقیق) مسائل اُن سے دریافت کرتے تھے جو ان کو درپیش ہوتے تھے اور جس حدیث کے بارے میں ان کو اشتباہ ہوتا ہے اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے۔

اگر امام ابو حنیفہؒ کو فنِ حدیث میں مہارتِ تامہ حاصل نہ ہوتی یا وہ حدیث سے بے بہرہ ہوتے تو ان کبراءِ محدثین کو ان کے پاس آنے جانے کی اور حدیث میں ان سے مشکوک و شبہات نکالنے کی کیا مصیبت پڑی تھی؟

مشہور محدث امام مسعرؒ بن کدامؒ (المتوفی ۱۵۵ھ جو الامام الحافظ اور احد الاعلام تھے، تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۸) فرماتے ہیں کہ:۔

طلبت مع ابی حنیفۃؒ الحدیث فغلبنا و اخذ نافی الزھد فبرع علینا وطلبنا معہ الفقہ فجاء منہ ماترون۔ (مناقب ابی حنیفۃ ص ۲۷ از علامہ ذہبیؒ طبع مصر)

میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں بھی ہم پر فائق رہے اور ہم نے ان کے ساتھ فقہ طلب کی تو اس میں ان کا کمال تم سے مخفی نہیں ہے۔

غور کیجیے کہ چوٹی کا محدث اور صحاح ستہ کا مرکزی راوی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی علمِ حدیث میں فوقیت اور برتری کو کس شانِ سخاوت سے تسلیم کرتا ہے۔

محدثِ جلیل امام یزیدؒ بن ہارونؒ فرماتے ہیں کہ:۔

کان ابو حنیفۃ تقیا زاھدا عالماً — امام ابو حنیفہؒ متقی، پاکباز، عالم، صداقت شعار

صدوق اللسان احفظ اهل زمانہ (مناقب صیمریؒ بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث ص۱۲۱ از مولانا نعمانی)

آپ اپنے اہلِ زمانہ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

امام الجرح والتعدیل یحییٰؒ بن سعید القطانؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

انہ' واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ ورسولہ (مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ مسعود بن شیبہؒ سندھی بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی ص۱۶۷)

خدا تعالیٰ کی قسم امام ابوحنیفہؒ اس امت میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

اگر امام ابوحنیفہؒ کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے علم میں پوری مہارت اور کمال حاصل نہ ہوتا تو ناقدِ فنِ رجال اور سرتاجِ محدّثین کبھی قسم اٹھا کر یہ بیان نہ دیتے۔

حضرت ملّا علی القاریؒ امام محمدؒ بن سماعہؒ سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ:۔

ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا وسبعین الف حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث۔ (مناقب علی القاریؒ بذیل الجواھر جلد ۲ ص۴۷۴)

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے (کتاب) الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

اور امام صدر الائمہ مکیؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وانتخب ابوحنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث۔ (مناقب موفق ج۱ ص۹۵)

امام ابوحنیفہؒ نے (کتاب) الآثار کو چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کیا ہے۔

صد حیرت کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں اپنی تصانیف میں بیان فرماتے ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الآثار کا انتخاب کرتے ہیں مگر بایں ہمہ متعصّب لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فنِ حدیث میں یتیم تھے، ان کو حدیث سے کوئی مس نہ تھا، ان سے صرف سترہ حدیثیں مروی ہیں، یہ کس قدر ظلمِ عظیم اور ناانصافی کی بات ہے،

اور یار لوگ صرف ایسے ہی حوالوں پہ اکتفا کر لیتے ہیں اور دوسری طرف کے ٹھوس حوالے بالکل ہضم کر جاتے ہیں۔

نوٹ:۔ محدثین کرامؒ کی یہ اصطلاح ہے کہ سند کے بدلنے اور اسی طرح سند کے کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث کی تعداد کم تھی کیونکہ سند مختصر تھی اور ائمہ حدیث کے زمانہ میں احادیث کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہو گئی، کیونکہ جوں جوں سند بڑھتی گئی، اور راوی بدلتے گئے تو احادیث کی تعداد بھی بڑھتی گئی نہ یہ کہ متونِ حدیث بڑھ گئے جیسا کہ محدثین کرامؒ کی اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے منکرینِ حدیث اور اسی طرح دیگر بعض باطل فرقوں نے ٹھوکر کھائی ہے، اور بلا وجہ محدثینِ کرامؒ کو محل طعن بنایا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری بحث توشیقِ حدیث میں ہم نے کر دی ہے صرف مثال کے طور پر ایک حوالہ عرض کیا جاتا ہے، تاکہ بات بخوبی سمجھی جا سکے۔ مشہور محدث ابراہیمؒ بن سعید الجوہریؒ (المتوفی ۲۴۴ھ) جو الحافظ اور العلامہ تھے، خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، ثبت اور مکثر تھے، تذکرہ جلد ۲ صہ ۸۹) ایک خاص موقع پر فرماتے ہیں کہ:۔

کل حدیث لا یکون عندی من مائة وجه فانا فیه یتیم۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۸۹)	جب ایک ایک حدیث میرے پاس سو سو سندوں کے ساتھ نہ ہو تو میں اس حدیث کے متعلق اپنے آپ کو یتیم خیال کرتا ہوں۔

اب ایسی حدیث متن اور الفاظ کے لحاظ سے تو صرف ایک ہو گی مگر سو سندوں اور طریقوں سے جب وہ الگ الگ روایت کی جائے گی تو محدثین کرامؒ کے نزدیک سو حدیث متصور ہو گی، اور اگر یہی ایک حدیث ہزار سندوں اور طریقوں سے مروی ہو گی تو وہ ان کے نزدیک ہزار حدیث ہو گی۔ یہی مطلب ہے ان عبارات کا جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں محدث کو اتنے لاکھ حدیث یاد تھی اور فلاں کو اتنے لاکھ یاد تھی، ورنہ متونِ احادیث کی تعداد باتفاق محدثین عظامؒ جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام سفیانؒ بن سعید ثوریؒ، امام شعبہؒ، امام یحییٰؒ بن سعید القطانؒ امام عبدالرحمٰنؒ بن مہدیؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ قابلِ ذکر ہیں، یہ ہے:۔

ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی	بلا شبہ تمام وہ مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار آنحضرت

صلّی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکرار اربعۃ آلاف واربعمائۃ حدیث۔ (توضیح الافکار ص۱۳ طبع مصر از علامہ امیر یمانیؒ)	صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد چار ہزار اور چار سو ہے۔

دیگر محدثینؒ کی طرح جہاں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کم حدیثوں کی نسبت آتی ہے تو اس سے بظاہر یہی متون احادیث مراد ہیں اور جہاں چالیس یا ستر ہزار کا ذکر آتا ہے تو وہاں سے اسانید اور طرق متعددہ سے مروی روایات مراد ہیں، چنانچہ امام صدر الائمہ مکیؒ، امام حسنؒ بن زیادؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

کان ابوحنیفۃ یروی اربعۃ آلاف حدیث الفین لحماد والفین لسائر المشیخۃ اھ (مناقب موفق ج ۱ ص۹۶)	امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ دو ہزار تو صرف حمادؒ کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

یعنی اگر تکرار اور تعدد طرق و اسانید سے صرف نظر کر لی جائے تو تقریباً چار ہزار حدیثیں ان سے مروی ہیں اور اگر اسانید و طرق کو پیش نظر رکھا جائے تو ستر ہزار سے بھی ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے جن کا تذکرہ امام صاحبؒ نے اپنی تصانیف میں کیا ہے، یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام صاحبؒ کی تصانیف سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء جن میں خصوصیت کے ساتھ مولانا شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) پیش پیش ہیں، یہ دعوے کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ کی اپنی کوئی تصنیف ہی نہیں حتیٰ کہ فقہ اکبر بھی اُن کی اپنی نہیں ہم نے اسی کتاب کے ص۸ میں بحوالہ البیان الازہر کے مقدمہ میں مع دلائل کے ساتھ اسکی تردید کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں البتہ غیر مقلدین حضرات کی تسلی کے لیے ایک حوالہ عرض کئے دیتے ہیں۔ مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"امام ابن تیمیہؒ منہاج السنتہ میں فقہ اکبر کو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قرار دیتے ہیں، پس مولانا شبلی مرحوم کے انکار کی بنا پر اسے معرض بحث میں لانے کی ضرورت نہیں" (بلفظہ، حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص۶۶)

امام صاحبؒ کی تصانیف سے وہ املائی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے لائق اور قابلِ قدر تلامذہ مثلاً امام ابو یوسفؒ وغیرہ امام صاحبؒ کی تعلیم اور تدریس کے وقت قید تحریر میں،

لے آتے تھے جیساکہ اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ احکام الاحکام الشیخ الاسلام ابوالفتح محمدؒ بن علیؒ الشہیر بابنِ دقیق العید الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۷۰۲ھ) کی اپنی تالیف و تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ املاء کراتے تھے اور ان کے لائق و فائق شاگرد الشیخ القاضی اسمٰعیلؒ بن تاج الدینؒ — الاثیر الحلبی الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۷۳۰ھ) لکھتے جاتے تھے اور باوجود ابن دقیق العیدؒ کی اپنی تصنیف نہ ہونے کے وہ انہی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے، دیگر متعدد شارحِ حدیث کی عبارات کے علاوہ حافظ ابنِ حجرؒ متعدد مقامات پر فتح الباری میں ارقام فرماتے ہیں قال ابن دقیق العیدؒ فی احکام الاحکام الخ اسی طرح امام صاحبؒ کی تصانیف سے وہ املائی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے سامنے اور ان کے حکم سے ان کے تلامذہ قیدِ تحریر میں لے آتے تھے جیساکہ ہم نے خطیب بغدادیؒ اور صدرالائمہؒ کے حوالہ سے اس کا مفصل ذکر پہلے کر دیا ہے کہ جب ایک مسئلہ پر اچھی طرح غور و خوض ہو جاتا تو آپ فرماتے اثبتوھا الخ کہ اب اس مسئلہ کو لکھ لو اور بجائے سینہ کے سفینہ میں محفوظ کر لو۔ اور امام صاحبؒ کی ان املائی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں موتیوں کی طرح بکھری پڑی ہیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب ندوی، امام صاحبؒ کے چار ارشد تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "امام محمدؒ سے دو طرح کی کتابیں منقول ہیں، ایک جو ظاہر الروایہ سے منسوب ہیں جیسے مبسوط الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر اور الزیادات، دوسرے نوادر جیسے کتاب الامالی یا کیسانیات وغیرہ اور ان سب میں اپنے مسلک کی تائید میں احادیث و آثار ہی کو پیش کیا گیا ہے۔ انتہی (مسئلہ اجتہاد ص۱۲۱)

اور مولانا محمد حنیف صاحب ندوی ہی لکھتے ہیں کہ "اس میں بھی اختلاف رائے ہے کہ فقہ کی کوئی کتاب آپ نے تصنیف کی یا نہیں؟ اور آیا ابنِ ندیمؒ نے جن کتابوں کا ان کی طرف انتساب کیا ہے جیسے الفقہ الاکبر، کتاب العالم والمتعلم وغیرہ ان کا انتساب تاریخی طور پر درست ہے یا نہیں؟ مگر یہ حقیقت بہرحال مسلّمہ ہے کہ ان کے ارشد تلامذہ نے اپنی کتابوں میں فقہ حنفی کے نام سے جن فروع و اصول کا تذکرہ کیا ہے، ان کی تعیین و تنقیح میں بڑی حد تک حضرت امام ہی کی مجتہدانہ کوششوں کو دخل ہے الخ (الاعتصام ص۲ عالم ۱۲ و فروری سنہ ۱۹۶۲ء)

اور چالیس ہزار روایات سے انہوں نے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے چنانچہ امام عبدالقادر القرشی الحنفیؒ (المتوفی ۷۷۵ھ) امام یوسفؒ بن قاضی ابویوسفؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والدِ محترم کے توسط سے :۔

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃؒ وھو مجلد ضخم اھ (الجواھر ج ۲ ص ۳۲۵) — امام ابوحنیفہؒ سے ان کی کتاب الآثار روایت کی ہے جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

کچھ عرصہ ہوا ہے کہ مصر سے کتاب الآثار لابی یوسفؒ طبع ہو کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو امام ابویوسفؒ نے امام صاحبؒ سے نقل کیا تھا اور اب وہ انہی کی طرف منسوب ہو کر رہ گیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

والموجود من حدیث ابی حنیفۃؒ مفرداً انما ھو کتاب الآثار التی رواھا محمد بن الحسن عنہ اھ (تعجیل المنفعۃ ص ۳) — امام ابوحنیفہؒ کی حدیث میں مفرد کتاب کتاب الآثار ہے جو امام محمدؒ بن الحسنؒ نے اُن سے روایت کی ہے۔

اور اسی کے قریب انہوں نے لسان المیزان ج ۵ ص ۱۳۱ میں بھی لکھا ہے۔ نظر بہ ظاہر یہ کتاب الآثار وہی ہے جو امام محمدؒ کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ انہی کی روایت سے یہ نسخہ رائج ہوا ہے جیسا کہ بخاری، ابوداؤد اور مؤطا امام مالکؒ وغیرہ حدیث کی کتابوں کے متعدد روات کی وجہ سے مختلف نسخے نقل ہوتے چلے آئے ہیں اور ان نسخوں میں تقدم و تأخر اور دیگر کئی امور میں باہمی اختلاف اور تفاوت بھی پایا جاتا ہے لیکن اس جزوی اختلاف کی وجہ سے ان کی پوزیشن اور ان پر اعتماد ختم نہیں ہو جاتا جیسا کہ منکرین حدیث نے غلط کاری سے یہ سمجھ رکھا ہے، اور بزرگانِ دین کی محنت اور ان پر اعتبار کو یکسر ختم کرنے کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

امام صاحبؒ ائمہ حدیث اور حفاظِ حدیث میں تھے

اگرچہ گزشتہ مندرجہ ٹھوس حوالے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی حدیث دانی اور محدث کامل ہونے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ بحث کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہ رہے اس لیے

ہم اب یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام صاحبؒ محض حدیث داں اور محدّث ہی نہ تھے بلکہ فنِ حدیث اور روایت کے بڑے مجتہدین حفاظ حدیث اور ائمہ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا ہے غور سے مندرجہ ذیل حوالے ملاحظہ کیجیے :۔

امام ابُو داؤدؒ (سلیمانؒ بن الاشعث السجستانیؒ المتوفی ۲۷۵ھ جو الامام الثبت اور سیّد الحفاظ تھے، تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۲) ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

رحم اللہ مالکاً کان اماماً رحم اللہ الشافعی کان اماماً رحم اللہ اباحنیفۃ کان اماماً (کتاب الانتقاء ص ۳۲ وجامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۳)

اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرے امام مالکؒ پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ رحمت کرے امام شافعیؒ پر اس لیے کہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابو حنیفہؒ پر کیونکہ وہ امام تھے۔

اور علامہ ذہبیؒ امام ابو داؤدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ :۔

ان اباحنیفۃؒ کان اماماً (تذکرہ ج ۱ ص ۱۶۰) ابُو حنیفہؒ امام تھے۔

امام ابُو داؤدؒ جیسے پختہ کار محدّث جب امامت کا ذکر فرمائیں گے تو اس سے یہی متبادر ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث کی امامت مُراد لیتے ہیں اور خصوصیت سے جب امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی لڑی میں منسلک کرکے وہ امام ابُوحنیفہؒ کا ذکر کرتے ہیں، تو اس امامت سے وہی امامت مراد ہوگی جو حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے لیے لی جا سکتی ہے ؛ چونکہ وہ حدیث اور فقہ دونوں کے امام تھے، اس لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لیے بھی حدیث اور فقہ دونوں کی امامت مراد ہوگی۔

علّامہ عبدالکریم شہرستانیؒ (المتوفی ۵۴۹ھ) فرقہ مرجئہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں ایک وہ فرقہ ہے جو اہل سُنّت والجماعت کے نظریات اور معتقدات کے خلاف ہے، اور ایک وہ گروہ ہے جو مرجئہ السنّۃ کہلاتا ہے اور ان کے سُنّی ہونے میں کوئی کلام نہیں کیونکہ یہ حضرات اعمال کو ایمان کی جزئیت سے متاخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال ایمان کی جزء نہیں نہ یہ کہ اعمال کو ایمان سے بالکل الگ کر دیتے ہیں کہ ان پر ثواب و عقاب ہی مترتب نہ ہو۔ اس طویل بحث کے بعد انہوں نے تتمہ میں ایسے ہی رجال مرجئہ کے کچھ نام گنوائے

ہیں اور وہ یہ ہیں :- الحسنؒ بن محمدؒ بن علیؓ بن ابی طالب، سعیدؒ بن جبیرؒ، طلقؒ بن حبیبؒ، عمرؒو بن مرّۃ، محاربؒ بن زیادؒ، مقاتلؒ بن سلیمانؒ، ذرؒ، عمرؒو بن ذرؒ، حمادؒ بن ابی سلیمانؒ، ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ بن الحسنؒ اور قدیدؒ بن جعفرؒ اور پھر ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ :-

وھؤلاء کلھم ائمۃ الحدیث الخ (الملل والنحل ج ۱ ص ۱۳۰ المکتبۃ الانجلومصریۃ و ج ۱ ص ۲۳۴ طبع اوّل مکتبۃ الحسین التجاریہ)

یہ سب کے سب ائمہ حدیث ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بن الحسنؒ وغیرہ جن کا ذکر ہوا سب کے سب ائمۂ حدیث تھے، اگر یہ حضرات فن حدیث کے عالم اور پھر اس پر عامل نہ ہوتے تو ائمۂ حدیث کیسے بن گئے۔

فرقہ مرجیہ

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ نے غُنیۃ الطالبین میں مرجئہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور پھر ان مرجئہ میں اصحاب نعمانؒ بن ثابتؒ ابوحنیفہؒ کو بھی شمار کیا ہے جس سے بعض نادان اور متعصّب غیر مقلّدین حضرات امام صاحبؒ اور ان کے جملہ اصحاب کو مرجئہ سمجھ کر ان کو کوستے اور ان پر ناحق ظلم اور بے انصافی کے تیر برساتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت شیخ صاحبؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو مرجئہ کے فرقہ میں داخل نہیں کیا بلکہ ان کے اصحاب کو مرجئہ کہا ہے اور ان کے مقلّدین سب نہیں بلکہ بعض باوجود فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے معتزلہ بھی تھے جیسے علّامہ زمخشریؒ (المتوفی ۵۲۸ھ) صاحب تفسیر کشاف وغیرہ اور اسی طرح بعض دیگر فقہ میں حنفی مذہب رکھنے کے باوجود اصولاً و فروعاً مرجئہ کے اس باطل گروہ اور فرقہ سے متعلق تھے جو اہل سنّت کے مسلک حق کے بالکل خلاف تھا لیکن ان کے مرجئہ ہونے کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر کیا زد پڑ سکتی ہے؟ اور ان مرجئہ کے قولِ باطل کی وجہ سے اُن اصحاب ابی حنیفہؒ پر جو اس معنیٰ میں ہرگز مرجئہ نہ تھے، کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟

امام صاحبؒ اور آپ کے اصحابؒ کے مرجئہ ہونے کی بحث حافظ ابن عبدالبرؒ کی کتاب جامع بیان العلم (ج ۲ ص ۱۴۸) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تفہیمات الٰہیہ (ج ۱ ص ۲۸) اور

نواب صاحبؒ کی دلیل الطالب (ص۱۶۵) وغیرہ کتابوں میں ملاحظہ کریں کہ ان کا اختلاف بعض محدثین کرامؒ کے ساتھ صرف لفظی ہے، وہ یہ کہ بعض محدثین عظامؒ، ایمان، تصدیق بالقلب اقرار باللسان اور عمل بالجوارح کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور مرجئہ اہل سنّت، ایمان صرف تصدیق قلبی کو کہتے ہیں کیونکہ یہ معنیٰ لغوی معنی کے بالکل قریب ہے (حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں اما الایمان فی اللغۃ فیطلق علی التصدیق المحض الخ تفسیر ج ۱ ص۴۲ یعنی بہرکیف لغت میں ایمان محض تصدیق پر اطلاق ہوتا ہے، اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں والایمان لغۃً التصدیق۔ فتح الباری ج ۱ ص۳۹) اور قرآن کریم میں ایمان کو اعمال صالحہ کی قبولیت کی شرط قرار دیا گیا ہے اور شرط مشروط سے خارج ہوتی ہے نیز اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے، اور معطوف و معطوف علیہ مغائر ہوتے ہیں، علاوہ ازیں بعض بداعمالیوں کے ساتھ بھی قرآن و حدیث سے نفس ایمان کا ثبوت ملتا ہے، اگر اعمال ایمان کا جزو ہیں تو ان کے فقدان سے ایمان کا تحقق کیسے؟ (دیکھئے تفسیر بیضاوی ص۱۸، شرح مواقف ص۱۹ طبع نولکشور اور شرح عقائد ص۹۲ وغیرہ) یہ حضرات اس کے ہرگز قائل نہیں کہ ثواب وعقاب کا اعمال پر ترتب نہیں؟ یا اعمال کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مومن ہو سکتا ہے؟ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ نہیں بلکہ اجزاء متممہ و مکملہ ہیں۔

مولانا میر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے۔ کہ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابوحنیفہؒ کو بھی رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہل سنّت کے بزرگ امام ہیں اور آپ کی زندگی اعلیٰ درجے کے تقویٰ اور تورع پر گزری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، بے شک بعض مصنفین نے، خدا ان پر رحم کرے، امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیادہ رحمہم اللہ کو رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب ممدوح کے طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھالا ہے لیکن حقیقت رس علماء نے اس کا جواب کئی طریق پر دیا ہے الخ (تاریخ اہلحدیث ص۵۶)

اور طویل بحث کرنے کے بعد آگے علامہ شہرستانیؒ کی الملل والنحل ج ۱ ص۱۸۹ کے حوالہ

سے لکھتے ہیں کہ مجھے اپنی زندگی (کے عطا کرنے والے) کی قسم ہے کہ امام ابُوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کو مرجئۃ السنّۃ کہا جاتا ہے الخ (تاریخ اہل حدیث صہ)

الغرض امام ابُوحنیفہؒ اور آپ کے اکثر اصحاب جس معنٰی میں مرجئہ ہیں وہ اہل سنّت کے مسلک کے ہرگز ہرگز خلاف نہیں، ہاں صرف لفظی نزاع کے پیش نظر ان کو مرجئہ کہا گیا ہے اور اس سے ان کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا، اور نہ اُس کی وجہ سے ان کی دیانت و امانت اور مسلک مجروح ہوتا ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نواب صاحبؒ کی پوری عبارت نقل کر دیں، ممکن ہے اکثر حضرات کو کتاب دلیل الطالب آسانی سے میسّر نہ ہو سکے، نواب صاحبؒ لکھتے ہیں:

سُوال: در غنیۃ الطالبین مرجیہ را در اصحاب ابی حنیفہ نعمانؒ ذکر کردہ وکذا غیرہ فی غیرہ وجہ آن چیست؟ جواب: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ در تفہیمات نوشتہ اند کہ ارجاء دو گونہ است یکی ارجاء است کہ قائل را از سنّت بیرون میکند دیگر آنست کہ از سنّت بیرون نمیکند اوّل آنست کہ معتقد آں باشد کہ ہر کہ اقرار بلسان و تصدیق بجناں کرد، ہیچ معصیت او را مضر نیست اصلاً دیگر آنکہ اعتقاد کند کہ عمل از ایمان نیست ولیکن ثواب وعقاب براں مترتب است وسبب فرق میاں ہر دو آنست کہ صحابہؓ و تابعینؒ اجماع کردہ اند بر تخطیہ مرجیہ وگفتہ اند کہ بر عمل ثواب وعذاب مترتب می شود پس مخالف ایشاں ضال ومبتدع است و در مسئلہ ثانیہ اجماع سلف ظاہر نشدہ بلکہ دلائل متعارض اند بعض آیات وحدیث واثر دلالت میکنند بر آنکہ ایمان غیر عمل است وایں نزاع راجع میشود بسوئے لفظ بجہت اتفاق ہمہ بر آنکہ عاصی از ایمان خارج نمی شود اگرچہ مستحق عذاب است وصرف دلائل والہ بر آنکہ ایمان عبارت از مجموع ایں چیزہا است از ظواہر ش باد نیٰ عنایت ممکن است انتہیٰ وازیں جا معلوم شد کہ مراد حضرت شیخ از مرجیہ بودن اصحاب ابی حنیفہؒ شق ثانی است ولا غبار علیہ اگرچہ ارجح از روئے نظر در دلائل ہماں مذہب اہل حدیث ست کہ ایمان عبارت است از مجموع اقرار

وتصدیق وعمل وبہ قال القاضی ثناء اللّٰہؒ فی ما لا بُدّ فاندفع الاشکال وصفی مطلع الهلال

وباللّٰہ التوفیق۔ (انتہٰی بلفظہ) دلیل الطالب ص۱۶۵ طبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ

نواب صاحبؒ کی اس عبارت سے یہ بات تو بالکل واضح اور صاف ہوگئی کہ جس معنیٰ میں حضرت شیخ صاحبؒ نے اصحاب ابی حنیفہؒ کو مرجئہ کہا ہے، وہ کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں ہے ولا غبار علیہ لیکن چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی پوری عبارت جو اُنہوں نے تفہیمات میں بیان فرمائی ہے، نقل نہیں کی گئی، اس لیے ادھوری عبارت سے جو نواب صاحبؒ نے نقل کی ہے غُنْیَۃُ الطَّالِبِیْن کی عبارت کی پوری عقدہ کشائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت شیخ صاحبؒ تو اصحاب ابی حنیفہؒ کو مرجئہ کے اس فرقہ میں داخل کرتے ہیں جو باطل فرقوں میں شمار ہوتا ہے جو اعمال کو ایمان کے ساتھ ترتب ثواب وعقاب کے درجہ میں بھی نہیں مانتا تو یہ پیش کردہ شق ثانی ان پر کیسے چسپاں ہوسکتی ہے جس میں اعمال پر ثواب وعقاب کے ترتب کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے؟ اس لیے ہمارے نزدیک یہی جواب متعین ہے کہ حضرت شیخ صاحبؒ نے ان اصحاب حنیفہؒ کو ہرگز مرجئہ کے باطل فرقہ میں شمار نہیں کیا جو مرجئۃ السنّۃ تھے۔ ہاں وہ اصحاب اس سے مراد ہیں جو معتزلہ وغیرہ کی طرح فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے باوجود خلافِ اہلِ سُنّت فرقۂ مرجئہ میں تھے اور وہی فرقہ باطلہ ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کی تصریح کی ہے (تفہیمات ج ۱ ص ۲۸)

علامہ ذہبیؒ نے حضرت مسعرؒ بن کدامؒ (جن کا سن وفات اور حدیث میں درجہ پہلے لکھا جاچکا ہے، ان پر بھی ارجاء کا اعتراض تھا اور حیرت ہے کہ حضرت سفیانؒ بن سعید ثوریؒ جیسے محدث، فقیہ اور صوفی اسی ارجاء کے الزام میں ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے حالانکہ ایک ہی شہر کوفہ میں دونوں رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۵ اور درحقیقت وہ اسی معنیٰ میں مرجئہ تھے جو علامہ شہرستانی کے حوالہ سے بیان ہوچکا ہے مگر غلط فہمی کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟) کے ترجمہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور بعض دیگر حضرات کا نام لے کر یہ لکھا ہے کہ ان کو مرجئہ کہنے کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۴۷) یعنی اس معنیٰ میں ارجاء کی نسبت ان کی طرف باطل ہے جو مرجئۃ السنّۃ کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ احنافؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

والحنفیۃ ھم من اھل السنۃ — احنافؒ اہل سنّت والجماعت سے ہیں۔

(منہاج السنۃ ج ۱ ص۲۵ طبع مصر)

اور مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ فرماتے ہیں کہ" اور مرجئۃ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو ہوں تو اہلِ سُنّت لیکن بحسبِ لُغت ان مسائل کی وجہ سے جو اہلِ سنّت کے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں، ان پر ارجاء کا لفظ بولا گیا ہو" الخ تاریخ اھلحدیث ص۵۸)

ان پوری تفصیلات اور تشریحات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حنفیوں کو مرجئہ کے باطل فرقہ میں داخل اور شمار کرتا ہے تو مالکِ یوم الدین ہی قیامت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا۔ اور اس وقت حقیقت بے نقاب ہو کر رہے گی۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقلید ص۹۶ میں دل کی بھڑاس یوں نکالتا ہے کہ حضرت شیخ اپنی تصنیفِ لطیف غنیۃ الطالبین میں اہلِ بدعت وگمراہ فرقوں کی تفصیل وفہرست بیان کرتے ہوئے حنفی مذہب کو اہل السنت سے خارج مرجئہ ایسے بدعتی وگمراہ فرقے کی شاخ شمار کرتے "اھ یہ ہے تحقیق انیق؛ سبحان اللہ!

علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبیؒ (شافعی المذہب وحنبلی المعتقد) نے تذکرۃ الحفاظ کے نام سے چار جلدوں میں ایک بہترین اور زرّین کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے مستقل عنوانات کے تحت صرف وہی حضرات داخل اور شمار کیے ہیں جو حافظِ حدیث تھے ان حضرات میں وہ (ج۱ ص۱۵۸ میں) حضرت امام ابو حنیفہؒ کو بھی حفاظِ حدیث میں شمار اور بیان کرتے ہوئے یوں سُرخی قائم کرتے ہیں ۔" ابو حنیفہؒ الامام الاعظم فقیہ العراق الخ " طبقاتِ رجال اور ناقدِ فنِ روایات کے اس بڑے پہاڑ کی یہ شہادت کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے۔

امام حاکمؒ نے اصولِ حدیث پر ایک مختصر اور بہترین کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے فنِ حدیث میں روایت و درایت کی اہم بنیادی شرطوں پر اصُولی بحث کی ہے جس کا نام معرفتِ علوم الحدیث ہے جو قاہرہ میں طبع ہوئی ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں انہوں نے انچاسویں نوع میں لکھا ہے کہ :۔

ھذا النوع من ھذہ العلوم معرفۃ الائمۃ الثقات — یعنی یہ نوع علوم سے تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے ان ائمہ

المشہورین من التابعین واتباعهم ممن یجمع حدیثهم للحفظ والمذاکرة والتبرك بهم وبذکرهم من الشرق الی الغرب الخ

(ص۲۴۰)

ثقات اور مشہورین کی معرفت کے بیان میں ہے جن کی حدیثیں از شرق تا غرب حفظ و مذاکرہ کے لیے جمع کی جاتی ہیں۔ اور ان کی ذات اور ذکر سے مشرق سے مغرب تک تبرک حاصل کیا ہے۔

اور پھر آگے ص۲۴۵ میں علم حدیث کے ان ائمہ ثقات اور مشہورین میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نعمانؒ بن ثابتؒ کا ذکر بھی کیا ہے۔

حافظ محمدؒ بن یوسف الصالحی الشافعیؒ (المتوفی ۹۴۲ھ) اپنی کتاب عقود الجمان میں میں لکھتے ہیں کہ:۔

کان ابوحنیفةؒ من کبار حفاظ الحدیث و اعیانهم ولولا کثرة اعتنائه بالحدیث ماتهیأله استنباط مسائل الفقه الخ

(بحوالہ تانیب الخطیب ص۱۵۶ للعلامة الکوثریؒ طبع مصر)

امام ابوحنیفہؒ بڑے حفاظِ حدیث اور ان کے فضلاء میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر وہ حدیث کا بکثرت اہتمام نہ کرتے تو فقہ کے مسائل میں استنباط کا ملکہ ان کو کہاں سے حاصل ہوتا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالی کے روایتی اور درایتی کمال و تفقہ پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

واکثر ائمة الحدیث والفقه کمالكؒ والشافعیؒ واحمدؒ واسحق بن راهویه وابی عبیدؒ وکذلك الاوزاعیؒ والثوریؒ واللیثؒ هؤلاء وکذلك لابی یوسفؒ صاحب ابی حنیفهؒ و لابی حنیفهؒ ایضاً ماله من ذالك ولکن لبعضهم فی الامامة فی الصنفین مالیس للاخر وفی بعضهم من صنف المعرفة باحد الصنفین مالیس فی الاخر فرضی الله تعالی عن جمیع اهل العلم والایمان (تلخیص الاستغاثه

اکثر آئمہ حدیث و فقہ جیسے امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ بن راہویہ، ابوعبیدؒ اور اسی طرح اوزاعیؒ اور ثوریؒ اور لیثؒ بن سعدیؒ حضرات اور اسی طرح ابویوسفؒ، صاحب ابی حنیفہؒ اور خود امام ابوحنیفہؒ کا بھی اس میں وہی مرتبہ ہے جو ان کے شایانِ شان ہے لیکن ان میں سے بعض کو دونوں قسم کی امامت میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہیں ہے اور بعض کو کسی ایک صنف کی معرفت میں وہ مقام حاصل ہے کہ جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے

المعروف بالرد علی البکری۔ (طبع مصر ص۱۳ و ص۱۴)

اللہ تعالےٰ تمام اہل علم و ایمان سے راضی ہو۔

غور فرمایئے کہ کس طرح حافظ ابن تیمیہؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کو ائمۃ الحدیث والفقہ میں شمار کیا ہے۔

امام خطیب ولی الدین محمد بن عبداللہ التبریزی الشافعیؒ (المتوفی بعد ۷۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فانه کان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عابداً اماماً فی علوم الشریعة۔ (اکمال ص۶۲۵ مع مشکوٰة تصنیف ۷۴۰ھ)

امام ابوحنیفہؒ، عالم، عامل، نیک، زاہد، عابد اور علوم شریعت کے امام تھے۔

امام ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

احذر ان تتوهم من ذالك ان اباحنيفةؒ لم يكن له خبرة تامة بغير الفقه حاشا لله كان فی العلوم الشرعية من التفسير والحديث والآلة من العلوم الادبية والمقاييس الحكمية بحراً لا يجارى واماما لا يمارى وقول بعض اعدائه فيه خلاف ذلك منشوؤه الحسد و حجة الترفع على الاقران ورميهم بالزور والبهتان اھ (الخیرات الحسان ص۲۵ طبع مصر)

اس بات سے پرہیز کرنا کہ تم یہ وہم کرنے لگو کہ امام ابوحنیفہؒ کو فقہ کے بغیر اور کسی علم کی خبر تام نہ تھی، حاشا للہ امام ابوحنیفہؒ علوم شرعیہ تفسیر، حدیث اور علوم ادبیہ اور قیاسی فنون میں بحر بیکراں اور ایسے امام تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کے بعض دشمنوں کا ان کے بارے میں اس کے خلاف کچھ کہنا اس کا سبب محض حسد اور معاصرانہ چشمک ہے اور جھوٹ اور بہتان کی الزام تراشی ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

ذكره الذهبیؒ وغيره فی طبقات الحفاظ من المحدثين ومن زعم قلة اعتنائه بالحديث فهو اما لتساهله او حسده اھ (الخیرات الحسان ص۶۱)

علامہ ذہبیؒ وغیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کو حفاظ حدیث کے طبقہ میں لکھا ہے اور جس نے ان کے بارے میں یہ خیال کیا کہ وہ حدیث میں کم شان رکھتے تھے تو اس کا یہ خیال یا تو تساہل پر مبنی ہے یا حسد پر۔

مؤرخ شہیر محقق کبیر نادرۃ العصر علامہ ابن خلدونؒ اپنی بے نظیر اور لاجواب کتاب میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ :-

ویدل علی انہ من کبار المجتہدین فی علم الحدیث اعتماد مذھبہ بینھم والتعویل علیہ واعتبارہ ردًا وقبولاً اھ

امام ابوحنیفہؒ کے علم حدیث میں بڑے مجتہدین میں سے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ ان کے مذہب پر ردًا وقبولاً اعتماد اور بھروسہ کیا گیا ہے۔

(مقدمہ ص۴۴۵ طبع مصر)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ صرف محدث ہی نہیں بلکہ بعض اکابر ملت کے بیان کے مطابق من ائمۃ الحدیث اور بعض کے ذکر کے موافق من ائمۃ الثقات المشہورین اور بعض کے تذکرہ کے تحت من حفاظ الحدیث اور بعض کے ارشاد کے ملائم امام لایبارٰی اور بعض کے قول کے مناسب من کبار المجتہدین فی علم الحدیث اور بعض کے نزدیک من ائمۃ الحدیث والفقہ ہیں۔ ان تصریحات کو بھی دیکھ لیجئے اور غیر مقلدین حضرات کے ظلم صریح اور تعصب مذہبی کو بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقلید شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر لکھتا ہے (اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اس کے افتراء وبہتان اور شہادت زور پر صاد کہہ رہے ہیں) کہ :-

"کیونکہ یہ مسلّمہ امر اور آخری اور قطعی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحب کے نام کے ساتھ محدث یا امام فن حدیث کا لفظ برائے نام بھی کتب تاریخ اسلام اور اسماء الرجال وطبقات میں موجود نہیں الخ" (ص۱۸۹)

یہ ہے غیر مقلدین حضرات کی دیانت اور خانہ ساز میٹنگ جس میں وہ مل جل کر مسلّمہ اور آخری اور قطعی حقیقت کو طے کر رہے ہیں اور کتب تاریخ اسلام اور اسماء الرجال وطبقات کی ان بالاصریح اور واضح عبارات سے جہالت، یا خیانت کی وجہ سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر رہے ہیں اور آپس میں کچھ ایسی سازش کر کے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے خلاف متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی اس علمی ٹھگت کی قلعی نہیں کھولتا اور نہ زبان اور قلم سے حق بات کہنے اور لکھنے پر اپنے کو آمادہ پاتا اور ذکر کرتا ہے۔ دنیا میں علمی

طور پر تعصّب کی اس سے بدترین مثال شاید ہی کوئی اور ہو مگر بایں ہمہ ان کے اہل حدیث ہونے میں کیا مجال ہے کہ کوئی فرق آئے ؟ یا ان کو اس پر شرم ہی آتی ہو؟ اور یہ سب کرشمے ہے خدا تعالےٰ کے نیک بندوں سے عداوت کرنے اور ہوائے نفسانی پہ چلنے کا، جب خوفِ خدا اور رضائے الٰہی ہی مفقود ہو جائے تو پھر ضمیر کس کام کا؟ ؎

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
جب جُھکا تو غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

حضرت امام ابوحنیفہ کی ثقاہت

حاجت تو نہیں کہ ہم ان مندرجہ بالا ٹھوس حوالجات کے ہوتے ہوئے جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کو من ائمۃ الحدیث، من حفاظ الحدیث اور من ائمۃ الثقات المشہورین وغیرہ سنہری الفاظ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔ ان کی ثقاہت الگ عرض کریں، مگر چونکہ بعض غیر مقلدین حضرات کے نزدیک از روئے تعصّب یہ بھی ایک نزاعی اور اختلافی امر ہے اِس لیے ہم اس پر بھی کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ المحدثین حضرت امام علیؒ بن المدینیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وھو ثقۃ لا بأس بہ (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹ وتعلیق المغنی ج ۱ ص ۱۲۳) — وہ ثقہ اور لا بأس بہ تھے

امام ابوزکریا یحییٰؒ بن معینؒ سے دریافت کیا گیا کہ:۔

ابوحنیفۃ کان یصدق فی الحدیث؟ قال نعم صدوق (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹) — کیا امام ابوحنیفہؒ حدیث میں سچے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سچے تھے۔

امام احمدؒ بن محمد البغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰؒ بن معینؒ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا:۔

فقال عدل ثقۃ ماظنک بمن عدلہ ابن المبارک ووکیع۔ (مناقب کردری ج ۱ ص ۹۱) — تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ عادل اور ثقہ تھے جن کی تعدیل امام عبداللہؒ بن المبارکؒ اور وکیعؒ بن الجراحؒ

کریں تم ان کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ:۔

یقول یحییٰ بن معین وھو یسأل عن ابی حنیفۃ اثقۃ ھو فی الحدیث فقال نعم ثقۃ ثقۃ کان واللہ اورع من ان یکذب وھو اجل قدرًا من ذالک الخ (مناقب موفق ج ۱ ص۱۹۲ واللفظ لہ ومناقب کردری ج۱ ص۲۲۰)	امام یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں ثقہ تھے ثقہ تھے خدا کی قسم ان کی شان اس سے بہت بلند و بالا تھی کہ وہ جھوٹ کہتے۔

امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

کان ابو حنیفۃ ثقۃ لا یحدث بالحدیث الا ما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ ۔ (تاریخ خطیب ج ۱۳ ص۴۱۹ طبع مصر۔ ومقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۸۱)	امام ابو حنیفہؒ ثقہ تھے وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو ازبر یاد ہوتی تھی اور جو حدیث ان کو یاد نہ ہوتی تھی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نقل کرتے ہیں کہ:۔

وقال صالح بن محمد الاسدی عن ابن معین کان ابو حنیفۃ ثقۃ فی الحدیث (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۴۵۰ ومقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص۸۱)	امام صالحؒ بن محمد اسدیؒ حضرت امام یحییٰ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ تھے۔

امام ابن حجر مکیؒ حضرت یحییٰ بن معینؒ سے یوں نقل کرتے ہیں کہ:۔

کان ثقۃ صدوقا فی الفقہ والحدیث ماموناعلی دین اللہ۔ (الخیرات الحسان ص۳۱)	امام ابو حنیفہؒ فقہ اور حدیث میں ثقہ اور صدوق اور اللہ تعالیٰ کے دین میں قابل اعتماد اور مامون تھے۔

شیخ الاسلام ابن عبد البر المالکیؒ بطریق امام عبد اللہؒ بن احمد الدورقیؒ (المتوفی ۲۷۶ھ) امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں بغدادی ج ۹ ص۳۷۲) روایت کرتے ہیں کہ

سئل یحییٰ بن معین وانا اسمع عن ابی	امام یحییٰ بن معینؒ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے

حنيفة فقال ثقة ما سمعت احداً ضعفه' هذا شعبة بن الحجاج يكتب اليه ان يحدث ويأمره وشعبة شعبة (الانتقاء ص۱۲۷ طبع مصر والجواهر ج۱ ص۲۹)

میں سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ تھے میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی ان کی تضعیف کی ہو اور یہ شعبہؒ بن الحجاج ہیں جو ان کی طرف لکھ رہے ہیں کہ وہ حدیث بیان کریں اور ان کو حکم دے رہے ہیں اور شعبہؒ تو آخر شعبہؒ ہیں ۔

اور امام ابن حجر مکیؒ الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وسئل يحيى بن معينؒ عنه فقال ثقة ما سمعت احداً ضعفه الخ (الخيرات الحسان ص۳۲)

کہ امام یحیٰیؒ بن معینؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی سے ان کی تضعیف نہیں سنی ۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری لکھتے ہیں کہ امام ابن معینؒ امام شعبہؒ اور امام سفیان ثوریؒ تمام امام ابوحنیفہؒ کی توثیق کرتے ہیں۔ (محصلہ تحقیق الکلام ص۱۴۰)

ناظرین ! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام علیؒ بن المدینیؒ، عبداللہؒ بن المبارکؒ ، وکیعؒ بن الجراحؒ یحیٰیؒ بن معینؒ، شعبہؒ بن الحجاجؒ اور سفیانؒ بن سعید ثوریؒ وغیرہ ائمہ حدیث اور ارباب جرح و تعدیل حضرت امام ابوحنیفہؒ کی توثیق کرتے ہیں، اور حدیث میں ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ امام یحیٰیؒ بن معینؒ کے یہ الفاظ کہ ثقة فى الحديث آپ دیکھ ہی چکے ہیں بلکہ امام یحیٰیؒ بن معینؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ایک شخص سے بھی امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف نہیں سنی۔ حیرت اور تاسف کی بات ہے کہ امام یحیٰیؒ بن معینؒ کے زمانہ تک تو ان کی تضعیف کرنے والا کوئی ایک شخص بھی نہ ہو مگر غیر مقلدین کی رائے میں وہ پھر بھی ضعیف ہی قرار پائیں بلکہ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ :۔

"امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ثقہ ہیں یعنی نہایت متقی، پرہیزگار، دیانتدار اور فقہ میں امام ہیں مگر محدثین کے ہاں جس قدر حافظہ کی ضرورت ہے بعض محدثین کے نزدیک ان کا مقام اس سے نیچے ہے" (ص۴۷)

مقام شکر ہے کہ مؤلف مذکور نے ثقہ کا معنی موٹا تازہ نہیں کر دیا ورنہ ان کا کوئی کیا بگاڑ لیتا اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

"اِس حدیث کے جملہ راوی سوائے امام ابُوحنیفہؒ کے ثقہ ہیں" (بلفظہٖ ص۴۸)

مؤلّف خیر الکلام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب محدّثین کسی کو ثقہ کہتے ہیں تو وہ اس سے ثقاہت فی الحدیث ہی مُراد لیا کرتے ہیں نہ کہ پرہیزگار وغیرہ اور ثقہ فی الحدیث کی صریح قید موجود ہے اور بغیر کسی متعنت اور متعصب کے اور کسی نے امام صاحبؒ کو سیئ الحفظ نہیں کہا متعصب کی جرح کی مبسوط بحث اپنے مقام پر آئے گی اِنْشَاءَ اللّٰہ تعالیٰ۔

مؤلف نتائج التقلید کا اندھا تعصب ملاحظہ کیجیے کہ علامہ بدرالدین عینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) نے امام یحیٰیؒ بن معینؒ کا یہ قول ماسمعت احدًا ضعفہ نقل کیا تھا تو اس پر سیخ پا اور خواہشِ نفسانی کے گھوڑے پر سوار ہو کر یوں لکھتا ہے کہ علامہ عینیؒ نے یحیٰیؒ بن معینؒ پر یہ بالکل غلط اور سراسر بہتان باندھا ہے، ان کا یہ قول صحیح سند سے کُتب اسمار الرجال میں نہیں پایا جاتا کیا امام صاحبؒ کی تضعیف میں جو روایتیں بغدادیؒ وغیرہ کے حوالہ سے مؤلف نتائج التقلید نے نقل کی ہیں اُن کی اسانید صحیح ہیں؟ کاش وہ اسانید اور رواۃ پر بحث کرتا تو ہم بھی ان پر کچھ کلام کرتے اور امام صاحبؒ کی توثیق کو راویوں کی توثیق سے عرض کرتے۔ صفدر) زیادہ سے زیادہ تاریخ بغداد مصنفہ امام خطیبؒ اور تذکرۃ الحفاظ میں یحیٰیؒ بن معینؒ سے امام ابُوحنیفہؒ کے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں لا بأس بہ، لم یکن یتھم (تذکرۃ الحفاظ) لا بأس بہ، وکان لا یکذب (تاریخ بغداد خطیب) ہاں صرف ثقہ کا لفظ بھی تاریخ بغداد میں موجود ہے لیکن وہ حدیث میں ثقاہت کے متعلق نہیں بلکہ جھوٹ کے مقابلہ میں ہے" الخ (بلفظہٖ ص۸۰)

پھر آگے لکھا ہے کہ :-

"ائمہ محدّثینؒ کی کثیر جماعت سے امام ابُوحنیفہؒ کی تضعیف ثابت ہے جو کتب اسمأ الرجال میں مصرح اور نمایاں ہے۔ امام صاحبؒ کی ثقاہت تو صرف جھوٹ کے مقابلہ میں قبول ہو سکتی ہے لیکن فن حدیث میں ان کی ثقاہت ثابت نہیں ہو سکی پس عینیؒ نے ماسمعت احدًا ضعّفہ کے الفاظ جو یحیٰیؒ بن معینؒ کی طرف منسوب کیے ہیں یہ علّامہ عینیؒ کا یحیٰی بن معینؒ پر سراسر غلط افترار اور جھوٹا بہتان ہے جو تعصّب کی ایجاد ہے (اعاذنا اللّٰہ اعاذنا اللّٰہ) نتائج التقلید ص۱۸

آپ غور سے دیکھئے اور فرمایئے کہ غلط افتراء پرداز، جھوٹا بہتان تراش اور متعصب کون ہے؟ آیا علامہ عینیؒ ہیں یا مؤلف نتائج التقلید اور اس کے جملہ مصدقین حضرات! اور کیا امام یحییٰؒ بن معینؒ کا یہ قول علامہ عینیؒ نے اپنی طرف سے تراشا ہے یا شیخ الاسلام ابن عبدالبرؒ وغیرہ کی کتابوں میں بھی نمایاں اور مصرح طور پر یہ موجود ہے؟

اور آپ باحوالہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں ثقة فی الحدیث کے نمایاں اور مصرح الفاظ بھی وارد ہوتے ہیں۔ نہ تو مطلقاً ثقہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں اور نہ جھوٹ کے مقابلہ میں ثقاہت اس سے مراد ہے۔ یہ صرف غیر مقلدین حضرات کے سوءِ مزاج کا کرشمہ ہے کہ وہ ان کی مسلمہ ثقاہت اور عدالت کو جھوٹ کے مقابلے میں ثقاہت پر حمل کرکے اپنے دلِ ماؤف کے لیے تسکین کا سامان مہیا کرتے ہیں مگر آخر تا کے ؎

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

حدیث میں احتیاط

روایت اور حدیث کے بارے میں جس قدر احتیاط کی ضرورت ہے وہ کسی اہلِ علم سے مخفی نہیں ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درجۂ اوّل میں متواتر حدیث من کذب علی متعمداً الحدیث کے الفاظ سے آئی ہے، اس لیے محدثین کرامؒ اس سلسلہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں تاکہ کوئی غلط قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے روایت حدیث کے بارے میں بڑے حزم و احتیاط سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام یحییٰؒ بن معینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:-

انه سئل عن الرجل يجد الحديث بخطه لا يحفظه، فقال ابوزكريا كان ابوحنيفة يقول لا يحدث الا بما يعرف ويحفظ۔

(کفایہ ص ۲۳۱ طبع حیدرآباد دکن)

ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے خط سے لکھی ہوئی حدیث پائے لیکن وہ اُسے یاد نہیں تو وہ کیا کرے، امام ابوزکریا یحییٰؒ بن معینؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے تھے کہ وہ اس کو بیان کرنے

کا مجاز نہیں ہے وہ صرف وہی حدیث بیان کر
سکتا ہے جو اسے یاد ہو۔

امام عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوریؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ

کان ابوحنیفۃؒ شدید الاخذ للعلم ذابا من حرم اللہ ان تستحل یأخذ بما صح من الاحادیث التی کانت یحملها الثقات وبالآخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبما ادرک علیہ علماء الکوفۃ ثم شنع علیہ قوم یغفر اللہ لنا ولہم۔
(الانتقاء لابن عبدالبر ص۱۴۲ طبع مصر)

امام ابوحنیفہؒ علم کے حاصل کرنے میں بڑے سخت محتاط اور حدود الٰہی کی بے حرمتی پر بےحد مدافعت کرنے والے تھے اور وہ صرف وہی حدیث لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو وہ لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماء کوفہ کو عامل پایا ہوتا تھا مگر پھر بھی ایک قوم نے (بلاوجہ) ان پر طعن کیا ہے اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی مغفرت کرے۔

اس سے جہاں امام سفیان ثوریؒ کی زبان سے امام صاحبؒ کا محتاط فی الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحبؒ پر طعن و تشنیع کو وہ گناہ سمجھتے تھے جبھی تو یغفر اللہ لنا ولہم سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

امام حاکمؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ:۔

عن ابی حنیفۃؒ انہ قال لا یحل للرجل ان یروی الحدیث الا اذا سمعہ من فم المحدث فیحفظہ ثم یحدث بہ۔
(مدخل فی اصول الحدیث ص۱۵)

امام ابوحنیفہؒ نے یہ فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی حدیث بیان کرے تاوقتیکہ محدث سے بالمشافہ وہ حدیث نہ سنے اور پھر وہ اسے اس وقت تک یاد رہے جس وقت کہ وہ اس کو بیان کرے۔

امام ابو یوسفؒ کا یہ مضمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ حافظ قرشیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔
(ملاحظہ ہو الجواہر المضیۃ ج ۱ ص۲۵۷)

مشہور محدث امام علیؒ بن الجعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ) جو الحافظ الثبت المسند اور شیخ بغداد

تھے، تذکرہ ج۱ ص۳۶۱) فرماتے ہیں کہ :-

ابوحنیفۃ اذاجاء بالحدیث جاء بہ مثل الدّر (جامع المسانید ج۲ ص۳۰۴)	امام ابوحنیفہؒ جب حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی طرح چمکدار ہوتی ہے۔

امام وکیعؒ بن الجراحؒ (المتوفی ۱۹۷ھ) جو الامام، الحافظ الثبت اور محدث العراق تھے۔ تذکرہ ج۱ ص۲۸۲) فرماتے ہیں کہ :-

لقد وجد الورع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث مالم یوجد عن غیرہ (مناقب امام صدر الائمہ ج۱ ص۱۹۷)	بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے جو اور کسی سے ایسی احتیاط نہیں پائی گئی۔

علامہ القرشیؒ نے امام صاحبؒ سے روایتِ حدیث کی ایک کڑی شرط یہ بھی نقل کی ہے کہ :-

شرط جواز روایۃ الحدیث عند ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ ان الراوی لم ینس الحدیث من حین حفظہ الی وقت الروایۃ۔ (الجواہر ج۱ ص۳۹)	امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک روایتِ حدیث کے جائز ہونے کی یہ شرط ہے کہ راوی نے جب سے حدیث یاد کی ہو اس وقت تک درمیان میں اُسے روایت بھولی نہ ہو۔

اور یہی مضمون امام ابن حجر مکیؒ نے تھوڑے بہت تغیرِ الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الخیرات الحسان ص۶۰ طبع مصر)

امام عبدالوہاب شعرانیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) جن کے بارے میں مولانا میر سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں کہ آپ شافعی تھے لیکن بہت متأدب تھے۔ حاشیۂ تاریخ اہل حدیث ص۱۱۵) امام ابوحنیفہؒ کی ایک اور شرط بھی لکھتے ہیں کہ :-

وقد کان الامام ابوحنیفۃ یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل العمل بہ ان یرویہ عن ذالک الصحابی جمع اتقیاء عن مثلھم وھکذا اھ (میزان الکبریٰ ج۱ ص۶۳۔ طبع مصر)	جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اس میں امام ابوحنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ عمل سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راویٔ حدیث سے صحابیؓ تک پرہیزگاروں کی ایک خاص جماعت اُسے نقل کرتی ہو پھر وہ قابلِ عمل ہوگی۔

امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) تشدید روایت کے بارے میں حضرت امام

ابوحنیفہؒ کا مذہب اور رائے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل على خلافه فلعل الرواة فى الصحيحين ممن يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف (تدريب الراوى ص۱۶۰)

اور یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ بخاری اور مسلم کے اُن روات کی تعداد جو شرطِ مذکور پر پورے اُترتے ہوں نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی شرط امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں سے بھی زیادہ کڑی ہے۔ اگرچہ جمہور محدثینؒ اس شرط میں امام موصوفؒ کا ساتھ نہیں دیتے مگر چونکہ علمِ حدیث میں بھی وہ کبار مجتہدین میں تھے اس لیے دیانۃً اپنے اجتہاد کے پیشِ نظر انہوں نے یہ شرط لگائی ہے اور اس شرط لگانے میں ان پر کوئی طعن نہیں ہوسکتا جس طرح کہ حضرت امام بخاریؒ نے امکانِ لقاء کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا بلکہ حقیقتِ لقاء کی شرط لگائی ہے اگرچہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہوئی ہو تاکہ تدلیس و عنعنہ کا شبہ باقی نہ رہے مگر جمہور محدثینؒ نے جن میں خصوصیت کے ساتھ امام مسلمؒ پیش پیش ہیں، ان کی خوب تردید کی ہے (دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم وغیرہ) اور جمہور نے ان کا ساتھ بالکل نہیں دیا۔ اور جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام ابن العربیؒ حسن حدیث پر عمل کرنے کو جائز نہیں سمجھتے لیکن جمہور انکے خلاف ہیں۔ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

والحق ما قاله الجمهور (نيل الاوطار ج۱ ص۲۲ طبع مصر)

حق جمہور کے ساتھ ہے۔

اہلِ علم جانتے ہی ہیں کہ عمل کے لیے صرف حدیث صحیح پر دار و مدار رکھنے سے حسن قسم کی تمام حدیثوں کا انکار لازم آتا ہے، اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جو حسن ہیں۔ امام عجلیؒ مشہور محدث حمادؒ بن سلمہؒ (المتوفی سنہ ۱۶۷ھ جو الامام الحافظ اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ ج۱ ص۱۸۹) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

ثقة رجل صالح حسن الحديث وقال ان عنده الف حديث حسن ليس عند غيره (بحواله تهذيب التهذيب جلد ۳ ص۱۵)

وہ ثقہ مردِ صالح اور حسن الحدیث ہیں اور فرمایا کہ ان کے پاس ایک ہزار حدیث حسن ہے جو اور کسی کے پاس نہیں ہے۔

اندازہ فرمایئے کہ جب ایک محدّث کے پاس ایک ہزار حسن حدیث ہے تو اوروں کے پاس کتنی حسن حدیثیں ہوں گی۔ تو کیا اب یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے اور اس پر کتابیں اور رسالے لکھنے شروع کر دینے چاہییں کہ حضرت امام بخاریؒ کم از کم ایک ہزار حدیث کے منکر ہیں؟ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مخالف ہیں؟ وغیرہ وغیرہ حاشا۔ وکلا کہ کسی اہلِ علم کے دل میں یہ وہم بھی گزرتا ہو۔ وہ یہی سمجھے گا اور سمجھتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ فنِ حدیث کے مجتہد ہیں، انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق جو شرطیں قبولیتِ روایت اور جوازِ عمل کے لیے لگائی ہیں، ان میں نہ صرف وہ معذور بلکہ ماجور بھی ہیں۔ اسی طرح اگر امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اجتہاد کے پیشِ نظر قبولیتِ روایت کے لیے کچھ شرطیں عائد کی ہیں اور جن احادیث میں ان کے خیال کے مطابق وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں تو انہوں نے اُن کو نہیں لیا، بتایئے کہ ان کے اس ترک کی وجہ سے بھلا وہ کیونکر تارکِ حدیث یا مخالفِ حدیث قرار دیے جائیں گے کون عقلمند اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ جمہور ان کی عائد کردہ شرطوں میں ان کے ساتھ مناقشہ کر سکتے ہیں اور ان کی بات کو دلائل کے ساتھ ردّ کر سکتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کی حقیقتِ بقاء اور عدمِ جواز العمل بالحدیث الحسن کی رائے کو جمہور نے ردّ کیا ہے مگر ان کو دشمنِ اسلام اور مخالفِ حدیث وغیرہ کے القاب سے بھی تو کسی بھلے مانس نے موسوم نہیں کیا لیکن جب باری آتی ہے امام ابوحنیفہؒ کی اور اُن کے اصحاب کی تو پھر حسنِ ظنی کے تمام دروازے بند کر لیے جاتے ہیں۔ حیرانگی ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ؎

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی
زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

مولانا مبارکپوریؒ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"حدیث کی (قیود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید، پابندی اور احتیاط امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے اور کسی نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔" (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۵)

اس سے بڑھ کر امام ابوحنیفہؒ کا علمِ حدیث و روایت میں حزم و احتیاط کا اور کیا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟ مگر نہ ماننے والوں کے لیے دفتر کے دفتر بے سود ہیں اور تسلیم کرنے والوں

کے لیے ایک صحیح بات بھی کافی ہے ؎

تشنہ کامانِ حقیقت کی تسلّی کے لیے
گر نہیں بحرِ رواں اک قطرۂ شبنم ہے بس

احترامِ حدیث و حبِّ محدّثین

حضرت امام ابُوحنیفہؒ کا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث اور محدّثین کرام کے ساتھ محبّت کرنا ایک کھُلی حقیقت ہے ، اور بغیر کسی معاند کے اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ امام نضرؒ بن محمد مروزیؒ (المتوفی ۱۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ :-

لم ار رجلاً الزم للاثر من ابی حنیفۃ (الجواھر المضیۃ ج ۲ ص ۲۰۱)	میں نے امام ابُوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی اور شخص حدیث پر جم جانے والا اور ڈٹ جانے والا نہیں دیکھا

امام الحسنؒ بن صالحؒ بن حیؒ (المتوفی ۱۶۷ھ جو الامام، القدوۃ الفقیہ اور العابد تھے امام ابُوحاتم فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ اور متقن تھے۔ ج ۱ تذکرہ ص ۲۰۱) فرماتے ہیں کہ :-

کان النعمان بن ثابت فھما عالماً متثبتاً فی علمہ اذا صح عندہ الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یعدہ الی غیرہ۔ (الانتقاء ص ۱۲۸ وتانیب الخطیب ص ۱۵۴)	ابُوحنیفہ نعمانؒ بن ثابتؒ فہیم، عالم اور علم میں پختہ تھے۔ جب ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث صحیح ثابت ہوتی تو اس سے غیر کی طرف وہ تجاوز نہ کرتے تھے۔

حضرت امام طحاوی الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) سے منقول ہے کہ امام ابُوحنیفہؒ کسی مسئلہ میں ایک شخص سے بحث کر رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں :-

فسکت ابُوحنیفۃ فقال بعض اصحابہ الا تجیبہ یا اباحنیفۃ فقال بما اجیبہ و ھو یحدثنی بھذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شرح عقیدۃ الطحاویۃ ص ۲۸۱ طبع مکۃ مکرمۃ)	امام ابُوحنیفہؒ خاموش ہوگئے، ان کے بعض اصحاب نے کہا اے ابُوحنیفہؒ آپ اس کو کیوں جواب نہیں دیتے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو مجھ سے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث بیان کر رہا ہے میں اس کو کیا جواب دوں؟

اس واقعہ کو مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ بھی نقل کرتے ہیں اور آگے ارشاد فرماتے

ہیں کہ :۔

" امام طحاوی کے اس حوالہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی تعظیم کرتے تھے، اس کے سامنے کس طرح گردن جھکا دیتے تھے۔" الخ (تاریخ اہل حدیث ص۴۷)

علامہ خطیبؒ اور صدر الائمہؒ اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ بغداد کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتے تھے اور اس سے سازو سامان خرید کر کوفہ لاتے تھے اور اس سے جو کچھ بھی سالانہ نفع ہوتا تھا۔

فیشتری بھا حوائج الاشیاخ من المحدثین واقواتھم وکسوتھم وجمیع حوائجھم۔

سو اس سے وہ اشیاخ محدثین کی ضروریات کی چیزیں ان کی خوراک لباس اور تمام ضرورت کی چیزیں خرید کر ان کو دے دیتے تھے۔

اور اس کے علاوہ نقد رقوم بھی ان کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم ان رقوم کو اپنی حاجات میں صرف کرو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثنا بیان کرو کیونکہ میں نے اپنی طرف سے تمہیں کچھ نہیں دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس کو میں تمہیں دے کر سبکدوش ہوا ہوں۔"

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۰ ومناقب موفق ج ۱ ص ۲۶۲)

اور امام صدر الائمہ مکیؒ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ :۔

وما کان یدع احدا من المحدثین الابرہ برا واسعا (مناقب موفق ج ۱ ص ۲۶۴ طبع حیدرآباد دکن)

امام ابوحنیفہؒ محدثین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ چھوڑتے تھے جس کے ساتھ وسیع پیمانے میں عطیہ اور حسن سلوک سے نہ پیش آتے۔

ان اقتباسات سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حدیث اور محدثینؒ سے والہانہ عشق و محبت اور فریفتگی بالکل عیاں اور آشکارا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ :۔

طریق عشق میں ہم یوں سنبھل کے چلے
کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

قلتِ حدیث کا الزام

آپ نے گزشتہ اقتباسات سے یہ تو اندازہ کر ہی لیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا علم حدیث اور فن روایت میں کیا رتبہ اور مقام ہے؟ اور محدثین کرامؒ نے ان کے بارے میں اس فن کے سلسلہ میں کیا کیا تعریفی اور توصیفی کلمات ارشاد فرمائے ہیں؟ مگر انتہائی حیرت اور بے حد حسرت کی بات ہے کہ بایں ہمہ حضرت موصوفؒ پر قدیماً وحدیثاً جو الزامات تراشے اور تھوپے گئے ہیں ان میں ایک ان کے قلیل الحدیث ہونے کا بھی ہے حتیٰ کہ ان کو یتیم فی الحدیث کے لقب بلکہ تیر سے بھی زخمی کیا گیا ہے اور یہاں تک اُن کی ناکہ بندی کے متعصبانہ منصوبے تیار کئے گئے کہ یہ بھی کہا گیا کہ ان کو تو صرف سترہ۱۷ حدیثیں معلوم تھیں اور اس کے اثبات کے لیے ان لوگوں نے مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدونؒ کے ایک نامکمل حوالہ کے دامن میں پناہ ڈھونڈی ہے جس کو وہ خود بھی یُقال کے ساتھ نقل کر کے اس کی تضعیف و تمریض بیان کر رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کا مکمل حوالہ عرض کر دیں تاکہ سلیم القلب اور منصف مزاج حضرات اصل حقیقت کو دیکھ لیں۔

علامہ موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ:

واعلم ایضاً ان الائمۃ المجتہدین تفاوتوا فی الاکثار من ھٰذہ الصناعۃ والاقلال فابوحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال بلغت روایتہ الی سبعۃ عشر حدیثا اونحوھا ومالک رحمہ اللہ تعالیٰ انما صح عندہ مافی کتاب المؤطا وغایتہا ثلاث مائۃ حدیث اونحوھا واحمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسندہ خمسون الف حدیث ولکل ما اداہ الیہ اجتہادہ فی ذٰلک وقد تقوّل بعض المبغضین المتعصّبین الی ان منہم من کان قلیل

اور تو یہ بھی جان لے کہ ائمہ مجتہدینؒ حدیث کے فن میں متفاوت رہے ہیں، کسی نے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں اور کسی نے کم، سو امام ابوحنیفہؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صرف سترہ۱۷ یا ان کے لگ بھگ ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ سے جو روایتیں ان کے ہاں صحیح ہیں وہ وہی ہیں جو مؤطا میں درج ہیں جن کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے اور امام احمدؒ بن حنبل رحمہ اللہ کے مسند میں پچاس ہزار حدیثیں ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس میں سعی کی ہے اور بعض بغض

البضاعة فی الحدیث فلھذا قلّت روایتہ ولا سبیل الی ھذا المعتقد فی کبار الائمۃ اھ (مقدمہ ابن خلدون ص۴۴۴ طبع مصر)

اور کجروی اختیار کرنے والوں نے اس جھوٹ پر کمر باندھ لی ہے کہ ان ائمہ مجتہدینؒ میں سے جن سے کم حدیثیں مروی ہیں وہ محض اس لیے کہ ان کا سرمایہ ہی اس فن میں اتنا ہے، لہٰذا ان کی روایتیں بھی کم ہیں حالانکہ ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت ایسا خیال کرنا راہِ راست سے دُور ہے۔

غور فرمایئے کہ علامہ ابن خلدونؒ کیا کہہ گئے ہیں؟ اور کس طرح ان مبغضین اور متعصبین کے تقوّل اور جھوٹ، کا پول کھول دیا ہے، اور کس طرح ان کے زعم باطل اور ائمہ مجتہدینؒ کے بارے میں غلط روی کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں کہ ان اکابر ائمہ کے بارے میں قلیل البضاعۃ فی الحدیث کا نظریہ ہی سرے سے باطل ہے اور ایسا بے بنیاد نظریہ جو اُن کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے وہ تقوّل اور جھوٹ ہے۔

الحافظ محمدؒ بن یوسف الصالحی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ:-

وانما قلّت الروایۃ عنہ وان کان متسع الحفظ لاشتغالہ بالاستنباط وکذالک لم یرو عن مالکؒ والشافعیؒ الا القلیل بالنسبۃ الی ما سمعاہ

امام ابو حنیفہؒ سے باوجود وسیع الحفظ اور حافظ حدیث ہونے کے روایتیں اس لیے کم مروی ہیں کہ وہ استنباط مسائل میں مشغول رہتے تھے جیسا کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے ان کی سُنی ہوئی حدیثوں کی بہ نسبت ان کی روایتیں کم ہیں۔

پھر اس بات کو مثال دے کر یوں واضح اور آشکارا کرتے ہیں کہ:-

کما قلّت روایۃ امثال ابی بکرؓ وعمرؓ من کبار الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم بالنسبۃ الی کثرۃ اطلاعھم وقد کثرت روایۃ من دونھم بالنسبۃ الیھم اھ (عقود الجمان باب ۲۳ بحوالہ تانیب الخطیب ص۱۵۶ طبع مصر)

جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی روایتیں ان کے علم اور اطلاع کی نسبت کم ہیں حالانکہ ان سے کم مرتبہ کے صحابہؓ کی روایتیں ان سے بدرجہا زیادہ ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ سنہ ۹ھ میں سفرِ حج کے علاوہ اور کوئی قابلِ قدر موقع اور سفر ایسا نظر نہیں آتا جس میں حضرت ابوبکرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں الگ اور جدا رہے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر حدیثیں اور کس کو معلوم تھیں ؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی وکان ابوبکرؓ اعلمنا (متفق علیہ مشکوٰۃ ج۲ ص۵۴۶) کہنے پر مجبور رہیں مگر باایں ہمہ ان سے جو روایتیں مروی ہیں، ان کی تعداد بہت کم ہے اور اس کے برعکس حضرت ابوہریرہؓ (بالاتفاق ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں مگر وہ ۵۳۷۴ روایتیں کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت عمرؓ سے بھی بہ نسبت حضرت ابوہریرہؓ حضرت انسؓ حضرت ابوسعید الخدریؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت کم حدیثیں مروی ہیں تو کیا اب یہ کہہ دینا چاہیئے کہ یہ حضرات صحابہ کرامؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ بڑے محدث اور حدیث دان تھے ؟ کوئی بھی مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بھی اگر روایتیں کم مروی ہیں تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ فنِ حدیث میں کم مایہ تھے بلکہ وہ باوجود حافظِ حدیث ہونے کے استنباطِ مسائل میں مصروف رہے، اس لیے روایتیں ان کی کم ہیں جس طرح کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی باوجود محدثِ کامل ہونے کے روایتیں کم ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کے پاس بضاعتِ حدیث ہی اس قدر ہے۔ حاشا وکلا کہ کوئی مسلمان اس کا وہم بھی کر سکتا ہو اور ہم نے پہلے یہ بھی عرض کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی املائی کتابوں میں ستر ہزار سے اوپر حدیثیں موجود ہیں اور کتاب الآثار انہوں نے چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کی ہے۔ پھر ان پر قلتِ حدیث کا الزام کس طرح عائد کیا جا سکتا ہے ؟

مقامِ افسوس ہے کہ حقیقت الفقہ حصہ سوم ص۱۸۸ میں لکھا ہے کہ " امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بے شک ایک مسلّم اور محتاط، ذکی الفہم عابد زاہد متقی، پرہیزگار تھے لیکن علمِ حدیث میں کہ جس پر بیشتر مدارِ دین کا ہے، ائمہ ثلاثہؒ یا دیگر خواص علماءِ امت سے کمتر پایہ رکھتے ہیں اور آپ زیادہ تر اقوالِ شیوخ خود سے مسائل استنباط کرتے تھے اسی وجہ سے امام اہل الرائے کے مشہور ہوئے نہ اہلحدیث کے " (انتہیٰ بلفظہٖ) سبحان اللہ ! ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

غلطی کا سبب

اصل بات یہ ہے کہ جن اکابر محدثینؒ نے روایت کے بارے میں کڑی شرطیں لگائی ہیں اُن کی حدیثیں بہ نسبت اُن حضرات کے جنہوں نے سہل انگاری سے کام لیا ہے کم ہی رہی ہیں یہ ایک کھلی ہوئی اور واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جو شرطیں احادیث کو صحیحین میں درج کرنے کے لیے لگائی ہیں وہ خود انہوں نے دوسری کتابوں کے لیے اور اسی طرح دیگر محدثینؒ نے وہ شرطیں عائد نہیں کیں بنابریں صحیحین کے علاوہ روایتِ حدیث کا یہ دائرہ وسیع ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ آپ اگر کتاب مستدرک حاکمؒ ہی کو دیکھ لیں جو امام حاکمؒ نے بزعم خویش حضرات شیخینؒ کی شرطوں پر لکھی ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں انہوں نے بعض نری موضوع اور جعلی روایتوں کو بھی علی شرط الشیخین صحیح کہہ دیا ہے۔ خدا تعالے جزائے خیر دے علامہ ذہبیؒ کو جنہوں نے ان کا تعاقب کر کے علماء کو صحیح راستہ بتلانے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ امام بیہقیؒ، علامہ خطیب بغدادیؒ، حافظ دارقطنیؒ اور اسی طرح اور محدثین کی کتابیں دیکھیں تو الم نشرح ہو کر یہ حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی کہ نرم شرطوں کے بعد روایت کا دائرہ کتنا وسیع ہو گیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ اور عجالۂ نافعہ وغیرہ میں اسکی محقق بحث ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اگر آپ متاخرین میں خطیب قسطلانیؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ کی کتابیں دیکھیں اور حدیث کے ساتھ کچھ مس بھی ہو تو حیرت کے مارے انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ کیسی کیسی باطل اور من گھڑت حدیثوں کی انہوں نے تصحیح اور تحسین کر ڈالی ہے۔ اور امام سیوطیؒ تو بعض بعض احادیث کے بارے میں ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ اس حدیث کو فلاں اور فلاں محدث اور ان کے علاوہ دیگر محدثین کرامؒ کی ایک کثیر جماعت نے موضوع کہا ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ یہ موضوع نہیں صرف ضعیف ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کو کہتے ہیں تنکوں کا پلُ اور بیشتر انہی کی کتابوں سے مبتدعین مداری کی پٹاری کی طرح مفید مطلب جو عقیدہ اور عمل چاہتے ہیں، نکال لیتے ہیں اور حوالہ پر حوالہ دیتے چلے جاتے ہیں اور عوام الناس موٹی موٹی کتابوں اور بیان کنندگان کے جبوں اور گنبد نما عماموں کو دیکھ کر مغالطہ کھا جاتے ہیں اور اہلِ حق سے برسرپیکار نظر آتے ہیں۔ بعض دفعہ تو ایذا رسانی کے درپے بھی ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات

ایسا کر بھی چکے ہیں کیونکہ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں جیسا کہ بعض کم ظرف لوگوں نے سمجھا ہے کہ ان کتابوں میں سرے سے کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے، یہ دعویٰ بھی یقیناً اور قطعاً باطل ہے، ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو اصول کے خلاف نہیں۔ ان کی اسانید صحیح ہیں اور محدثین کرامؒ نے ان کو صحیح کہا ہے اور امت کا ان پر اعتماد اور عمل ہے۔ ہاں ان کتب کی سب احادیث کی صحت کا دعویٰ باطل ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ امکانِ لقاء پر اکتفاء نہیں فرماتے اور اسی طرح حدیث حسن کو معمول بہ قرار نہیں دیتے اس لحاظ سے ان کا دائرہ تنگ رہے گا اور ان امور میں ان سے اختلاف رائے رکھنے والے حضرات کا نطاق وسیع ہو گا اور اسی قدر ان کی روایتیں بھی زیادہ ہوں گی۔ چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے بھی روایتِ حدیث کے لیے نہایت ہی سخت کڑی شرطیں لگائی ہیں، اس لیے قدرتی طور پر ان کی روایتیں بہ نسبت ان حضرات کے کم ہوں گی جو یہ شرطیں عائد نہیں کرتے اور اس اعتبار سے امام ابو حنیفہؒ کو قلیل الروایہ کہا جائے گا کہ ان کی روایتیں کڑی شرطیں نہ لگانے والوں کی نسبت سے کم ہیں نہ یہ کہ وہ فی نفسہٖ فن روایت میں کم مایہ اور قلیل البضاعۃ ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو علامہ ابن خلدونؒ ہی سے سن لیجئے وہ فرماتے ہیں کہ :-

والامام ابو حنیفۃ انما قلّت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمّل وضعف روایۃ الحدیث الیقینی اذا عارضہا الفعل النفسی وقلّت من اجلہا روایتہ فقلّ حدیثہ، لا لانہ ترک روایۃ الحدیث متعمدًا فحاشاہ من ذالک ویدل	اور امام ابو حنیفہؒ کی روایتیں اس لیے کم ہیں کہ انہوں نے روایت اور اس کے تحمل میں بڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث یقینی کی روایت جب کہ اس کے معارضہ میں فعل نفسی واقع ہو ضعیف ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے ان کی روایت اور حدیث میں کمی واقع ہوئی ہے نہ اس لیے کہ انہوں نے جان بوجھ

علی انہ من کبار المجتہدین فی علم الحدیث اھ (مقدمہ ص۲۴۵)

کہ روایتِ حدیث کو ترک کر دیا ہے، ان کی ذات اس سے بہت بلند ہے اور ان کے کبار مجتہدین فی علم الحدیث ہونے کی یہ دلیل ہے (کہ رداً و قبولاً ان کے مذہب پر اعتبار کیا گیا ہے)۔

اس سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قلیل الحدیث ہونے کی وجہ صاف طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ باوجود ان کے کبار مجتہدین فی علم الحدیث ہونے کے ان کی روایتیں اس بنا پر کم ہیں کہ ان کی روایتِ حدیث کے بارے میں شرطیں بڑی کڑی ہیں نہ اس لیے کہ وہ حدیث کا علم نہیں رکھتے یا عمداً اس کو ترک کرتے ہیں فحاشاہ عن ذالک۔

نہایت تعجب ہے کہ بعض ایسے حضرات جو قلتِ حدیث کی اس اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوتے امام ابوحنیفہؒ کو سرے سے محدثین کرامؒ کے دائرہ ہی سے نکال باہر کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ جب ایسے ہی الفاظ دیگر اکابر علماء اُمت کی نسبت آتے ہیں تو وہاں وہ آستینیں چڑھا کر تاویلات کے تھیلے میں جواب تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے اصحاب کے بارے میں تاریخ کے اوراق میں صریح اقوال کو بھی جو موتیوں کی چمک رہے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

محدث جلیل امام ابوقدامہؒ (المتوفی ۲۴۱ھ جو الحافظ الاوحد تھے، تذکرہ ۲ ص۴۵، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ اور مامون تھے، ایضاً ص۴۶) سے حضرت امام شافعیؒ امام احمدؒ بن حنبلؒ امام اسحٰقؒ بن راہویہؒ اور امام ابوعبیدؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان کی آپس میں علمی طور پر کیا نسبت ہے؟

فقال اما افہمہم فالشافعی الا انہ قلیل الحدیث (تاریخ بغداد ج۲ ص۶۱)

تو انہوں نے فرمایا کہ ان تمام حضرات میں زیادہ فہم کے مالک تو امام شافعی ہیں مگر ہیں وہ قلیل الحدیث۔

اِس حوالہ کے پیشِ نظر کیا ہم سچ مچ یہ کہنا شروع کر دیں کہ حضرت امام شافعیؒ حدیث کے علم میں بے مایہ تھے؟ اور ان کو حدیث کے فن میں مہارت ہی نہ تھی؟ حاشا وکلا ہم یہی کہیں گے کہ اگرچہ اُن سے حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہ کی طرح بکثرت حدیثیں تو مروی

نہیں اور نہ مسند احمد کی طرح انھوں نے پچاس ہزار حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے چھوڑا ہے بلکہ حدیث کے علم میں مستقل طور پر انھوں نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی۔ مسند شافعی انکی اپنی تالیف نہیں ہے بلکہ وہ ابو العباس محمدؒ بن یعقوب الاصمؒ (المتوفی ۳۴۶ھ جو الامام الثقہ اور محدث المشرق تھے، تذکرہ ج ۳ ص۶۳) نے کتاب الام اور مبسوط وغیرہ کتب امام شافعیؒ سے احادیث کا انتخاب کر کے ابوجعفر محمدؒ بن مطر نیشاپوریؒ سے لکھوائی (ملاحظہ ہو بستان المحدثین ص۲۷ و ص۲۸ مطبوعہ مجتبائی دہلی) مگر بایں ہمہ وہ چوٹی کے محدث اور استاذ المحدثین ہیں اور اسی طرح امام الجرح والتعدیل امام ابوحاتم الرازیؒ (المتوفی ۳۵۴ھ جو الحافظ الامام اور العلامہ تھے، تذکرہ ج۲ ص۱۲۵) کے اس ارشاد سے بھی ہم متاثر ہو کر ہرگز ہم ان کی شان کو گھٹانے پر آمادہ نہیں کہ:-

کان الشافعی فقیہا ولم تکن لہ معرفۃ بالحدیث (طبقات الحنابلہ ص۲۰۴ لابن ابی یعلیٰ)	امام شافعیؒ فقیہ تو تھے لیکن ان کو حدیث کی معرفت نہ تھی۔

اگر حضرت امام شافعیؒ کو حدیث کی معرفت نہ تھی تو اور کس کو تھی؟ اور امام احمدؒ بن عبداللہ العجلیؒ کا یہ قول بھی ہمارے نزدیک قابلِ تاویل ہے جو انھوں نے حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں فرمایا کہ:-

ھو ثقۃ صاحب رأی وکلام لیس عندہ حدیث (الدیباج المذہب ص۲۲۹ لابن فرحونؒ طبع مصر)	وہ ثقہ، صاحب رائے اور متکلم تو تھے لیکن ان کے پاس حدیث نہ تھی۔

کیا ہم اس حوالہ کے پیش نظر امام شافعیؒ کو صاحب رائے کہہ کر محدثین کے مدمقابل کھڑا کر دیں اور اصحاب رائے کی مذمت میں جو احادیث اور اقوال علماء آتے ہیں وہ سب ایک ایک کر کے ان پر چسپاں کر دیں؟ حاشا وکلا کہ یہ وہم بھی ہمارے دل میں گزرتا ہو۔ ہم ان تمام امور کے صحیح محامل بیان کر کے سب علماء حق سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور بدگمانی اور سوءظن کو قریب بھی نہیں آنے دیتے اور ان حوالجات سے بڑھ کر شیخ الاسلام ابوعمرؒ بن عبدالبرؒ کا ایک حوالہ اور بھی ملاحظہ کر لیجئے:-

---

لہ اور کشف الظنون جلد ۲ ص۱۶۸۳ اور تعجیل المنفعہ ص۵ للحافظ ابن حجرؒ

وقيل له، والشافعيؒ كان يكذب؟ قال ما احب حديثه، ولا ذكره۔
(جامع بيان العلم ج ۲ ص ۱۴۹)

کہ امام یحییٰؒ بن معینؒ سے سوال کیا گیا، کیا امام شافعیؒ جھوٹ بولتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ تو اُن کی حدیث کو پسند کرتا ہوں اور نہ اُن کے ذکر کو۔

لیجیے بات کیا نکل آئی کہ حضرت امام شافعیؒ کی حدیث تو رہی درکنار، ان کے نام و ذکر کو بھی امام یحییٰؒ بن معینؒ پسند نہیں کرتے۔ یہ کسی معمولی آدمی کی نہیں امام الجرح والتعدیل اور سید الحفاظ کی بات ہے لیکن ہم ایسی باتوں کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتے، جو کلام الاقران بعضہم فی بعض یا بغض وحسد اور تعصب مذہبی اور بُعدِ زمانہ اور غلط کار لوگوں کے بے جا پروپیگنڈا وغیرہ سے متأثر ہو کر صادر ہوئی ہوں یا کسی بے دین نے وضع کر کے ان کے ذمہ تھوپ دی ہوں۔ ہم نے یہ حوالجات محض اس لیے پیش کئے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات ان سے عبرت حاصل کریں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کے بارے میں اگر کسی کا کوئی قول اور جرح ایسی نظر آئے تو انصاف و دیانت کو ملحوظ رکھ کر اس کا کوئی اچھا محمل تلاش کریں اور تعصب مذہبی بغض و کینہ اور حسد کی بدبودار گٹھڑی ہی سر پر نہ اُٹھائے پھریں اور نہ خدامِ اسلام کو بدنام کرنے کی سعی کریں کیونکہ ؎

کوئی حملہ بھی طوفاں کا ڈبو سکتا نہیں اس کو
مہیا جو نئے ساحل یہ ہر موج رواں کر لے

حضرت امام ابوحنیفہؒ پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا الزام

امام موصوفؒ پر جہاں اور بہت سے بے بنیاد الزام تراشے اور عائد کئے گئے ہیں وہاں ایک یہ سنگین الزام بھی تھوپا گیا ہے کہ اُن سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی سند کے ساتھ دونوں نے نعیمؒ بن حمادؒ کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام سفیان ثوریؒ کو جب امام ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے کہ الحمد اللہ کہ وہ مر گیا، وہ تو اسلام کی کڑیوں کا ایک ایک حلقہ توڑتا تھا۔ اسلام میں اس سے بڑا بدبخت کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ (تاریخ صغیر امام بخاری ص ۱۷۴ طبع الہ آباد

(تاریخ بغداد جلد ۱۳ صـ۳۹۸ طبع مصر)

الجواب:۔ نعیم بن حماد پر کُتب اسماء الرجال میں اچھی خاصی جرح موجود ہے کہ:۔

کان (نعیم بن حماد) یضع الحدیث فی تقویۃ السنۃ وحکایات مزورۃ فی ثلب نعمان کلھا کذب۔

نعیمؒ بن حمادؒ تقویت سنت کے لیے جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا اور امام ابُوحنیفہؒ کی توہین میں جھوٹی حکایات بنا بنا کر پیش کرتا تھا جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ صـ۴۶۳)

حضرت مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب ترغیب وترھیب اور (سبط ابن العجمی ابراہیمؒ بن الخلیلؒ المتوفی سـ۸۴۱ـھ کی کتاب) نہایۃ السئول فی رواۃ السنۃ الاصول وغیرہ کے متعدد حوالجات سے نعیمؒ پر کڑی جرح نقل کی ہے اور طویل بحث کے بعد فرمایا ہے کہ:۔

" خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بناء پر حضرت امام ابُوحنیفہؒ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں جن کو حافظ شمس الدین ذہبیؒ جیسے ناقد الرجال امام اعظم کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں، حافظ ابن کثیرؒ البدایہ میں آپ کی نہایت تعریف کرتے ہیں اور آپ کے حق میں لکھتے ہیں:۔ احد الائمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام واحد الارکان العلماء واحد الائمۃ الاربعۃ اصحاب المذاھب المتبوعۃ الخ"

(تاریخ اہلحدیث صـ۶۴)

اور حضرت امام بخاریؒ کی تاریخ صغیر کا درجہ اور مقام بتاتے ہوئے مولانا مرحوم لکھتے ہیں کہ:۔

" اور یہ بھی یاد رہے کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح کی طرح اپنی دیگر کُتب میں صحت کا التزام نہیں کیا الخ" (تاریخ اہلحدیث صـ۱۱)

ان ٹھوس اور معنی خیز حوالجات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی شخص حضرت امام ابُوحنیفہؒ کو (معاذ اللہ) دشمن اسلام اور اسلام کی گھنڈی توڑنے والا ثابت کرنے پر مصر ہے تو ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں اور نہ ایسے تعصّب اور عناد کا دنیا میں کبھی کوئی علاج

ہوا ہی ہے۔ اس کا علاج تو عالمِ آخرت ہی میں ہو سکے گا جس وقت لَا یَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ۔

یہ بات بھی عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ نعیمؒ بن حمادؒ اہلِ سنّت والجماعت کے مسلکِ حق کے خلاف قرآن کو مخلوق کہتے تھے اور حکومتِ وقت کی بے راہ روی سے وہ بھی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اسی قید اور حبس کے زمانہ کے بارے میں علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فجر باقیادہ فالقی فی حفرۃ ولم یکفن ولم یصل علیہ فعل ذالک بہ صاحب ابن ابی داؤد۔ (تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۱۴)	ان کو ہتھکڑیوں کے ساتھ صاحب ابن ابی داؤد کے حکم سے کھینچ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، نہ تو ان کو کفن نصیب ہوا اور نہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔

اور ہمارے خیال میں یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہی کا نتیجہ تھا کہ نمازِ جنازہ تک سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ اُن کی لغزشوں سے درگزر فرما کر اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد عبد المنّان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۴ھ) وزیر آبادی کے حالات میں مولانا میر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ آئمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کی بے ادبی کرتا ہے اُس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔" (بلفظہٖ تاریخ اہلِ حدیث ص۴۳۷)

مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی جو مشہور غیر مقلد عالم اور جامع مسجد چینیانوالی لاہور کے خطیب تھے، وہ بعض دیگر ائمہ دین اور اولیاء اللہ کی توہین کے علاوہ خصوصاً یہ کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ ان تمام فتنوں کا دروازہ ہے جس کی اندھی تقلید نے عوام کو گمراہ کر دیا ہے مگر اس پر ایسی رجعت پڑی کہ وہ سرے سے علمِ حدیث ہی کا منکر ہو گیا اور اُمّتِ مسلمہ کے لیے ایک جدید مگر مہلک اور تباہ کن مذہب ایجاد کر گیا۔ غالباً ایسے موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ ؎

"ولی کے منہ سے جو نکلی تھی بات ہو کے رہی"

حضرت مولانا میر سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۳۷۵ھ) کا چشم دید واقعہ

کسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میرؒ پر بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خلاف

کچھ کھنے اور لکھنے کا جنون سوار ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا مرحوم کے علم و تقویٰ اور بزرگانِ دین سے حُسنِ عقیدت کی برکت سے انہیں اس بُرائی سے محفوظ رکھا چنانچہ مولانا مرحوم خود لکھتے ہیں کہ :-

"اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کُتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کُتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکایک میرے سامنے گھُپ اندھیرا چھا گیا گویا ظُلُمٰتٌ بعضھا فوق بعض کا نظارہ ہو گیا۔ معاً خدا تعالےٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحبؒ سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اِس سے استغفار کرو میں نے کلمات استغفار دُہرانے شروع کیے، وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے، اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اُس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحبؒ سے حُسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی، اور میں اُن شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحبؒ سے حُسنِ عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالےٰ منکرینِ معارجِ قدسیہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے خطاب کر کے فرماتا ہے اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی میں نے جو کچھ عالمِ بیداری اور ہشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سُود ہے"

(بلفظہٖ تاریخ اہل حدیث ص۱۰۲)

حضرت امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب سے پرہیز کرنیکا حُکم

بعض حضرات نے اپنی کتابوں میں کچھ ایسے خواب بھی ذکر کئے ہیں جن میں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے امام ابُوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ کے طریقہ اور فقہ سے کنارہ کشی کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ مؤلف نتائج التقلید نے بھی حضرت مولانا تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) کے چھاچھ والے خواب کا اور اس کی تعبیر کا جواب دینے کے سلسلہ میں بزعمِ خود الزامی جواب کے نام سے یہ تین خواب

بغدادیؒ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔

(۱) محمد بن حمادؒ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور یہ سوال کیا کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کے کلام کو دیکھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ کیا میں اس پر نظر و عمل کر سکتا ہوں؟ آپ نے تین مرتبہ فرمایا لا، لا، لا (نہیں، نہیں، نہیں)۔

(۲) سعیدؒ بن عبدالعزیزؒ کے پاس کسی شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ مسجد کے مشرقی دروازہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ وہاں موجود تھے اور قوم میں میلے کچیلے کپڑوں والا ایک شخص بھی تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم پہچانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ ابوحنیفہؒ ہے جو اپنی عقل سے لوگوں کو فسق و فجور پر جری کرتا ہے۔

(۳) عامر طائیؒ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دمشق کی سیڑھیوں پر لوگوں کو مجتمع پایا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ایک دوسرے شیخ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اس شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بدل دیا ہے۔ میں نے پہلو میں بیٹھے ہوئے رفیق سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت ابوبکر ہیں جو ابوحنیفہؒ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہیں۔ (محصلہ مترجما نتائج التقلید ص ۳۹)

الجواب: پہلا خواب تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۴۰۳ طبع مصر) میں ہے جس کی سند میں محمد بن حماد ہے۔ علامہ زاہد الکوثریؒ (المتوفی ۱۳۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

محمد بن حماد وضاع معروف من اصحاب مقاتل بن سلیمان المروزی شیخ المجسمۃ اھ (تانیب الخطیب ص ۱۲۱ طبع مصر)	محمد بن حماد مشہور وضاع (جعلی حدیثیں بنانے والا) اور مقاتل بن سلیمان المروزی شیخ المجسمہ کے اصحاب سے تھا۔

دوسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۱۲ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ سعیدؒ بن عبدالعزیزؒ یہ خواب ایک مجہول شخص سے نقل کر رہے ہیں۔ نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ (محصلہ تانیب الخطیب ص ۱۴۶)

اور تیسرا خواب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۱۳ میں ہے۔ علامہ کوثریؒ ہی فرماتے ہیں کہ اس کی

سند میں ابوالفتح محمد بن المظفر الخیاط ہے جس کو بغیر خطیبؒ کے اور کوئی نہیں جانتا اور نہ خطیبؒ کے بغیر کسی اور نے اس سے روایت کی ہے اور اس کا شیخ صاحب قوت القلوب سالمیہ فرقہ کا آدمی تھا جس کے بارے میں خود خطیب بغدادیؒ ہی یہ فرماتے ہیں کہ صفاتِ خداوندی کے بارے میں اس سے بہت سی منکر اشیاء بھی آئی ہیں، پھر تعجب ہے کہ خطیب بغدادیؒ اس سے روایت بھی لیتے ہیں (تانیب ص۱۴۷)

انصاف سے فرمایئے کہ ایسی ضعیف کمزور اور ناقابلِ اعتبار اسانید سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی توہین کیسے ثابت کی جا سکتی ہے اور ان پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

مؤلف نتائج التقلید کا عوام کو مرعوب کرنے کے لیے یہ لکھنا کہ تاریخ بغداد وہ بابرکت کتاب ہے کہ جس کے سننے کے لیے خود حضور تشریف لائے، جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ (قلمی ج۳ ص۲۲۱ مقدمہ) میں لکھا ہے اور ہندوستان میں بھی حامل المتن ترجمہ امام محمدی کے نام سے مشہور ہے، انتہیٰ بلفظہ (حاشیہ ص۸۳) بغیر ان کی جہالت کے اظہار کے اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جہالت تو اس لیے کہ تاریخ خطیب بغداد کی چودہ مبسوط جلدیں ہیں اور ان سب کا ترجمہ نہیں ہوا۔ بلکہ بعض غیر مقلدین کے خاص ایثار و قربانی سے اس کے صرف اسی حصہ کا امام محمدی کے نام سے ترجمہ ہوا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مثالب اور کچھ برائے نام مناقب پر مشتمل ہے اور اس ترجمہ کا مقصد بھی مخفی نہیں ہے۔ ع اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

حیرت ہے کہ مؤلف مذکور کس طرح تاریخ بغداد کے ترجمہ کا مطلق حوالہ دے رہا ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

خواب کا شرعی حکم

اگرچہ جواب کے لیے گزشتہ بالا تنقید بالکل کافی ہے لیکن ہم اس میں ایک اصولی بات عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی کم فہم کو شبہ باقی نہ رہے۔

حضرت امام محی الدین النووی الشافعیؒ حدیث من رانی فی المنام فقد رانی کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ خواب میں آپ کا دیکھنا تو صحیح ہے اور اس میں پریشان خیالات اور تلبیس شیطان کا کچھ دخل نہیں ہو سکتا لیکن اس سے کسی حکم شرعی کا

اثبات جائز نہیں کیونکہ نیند کی حالت سُننے والے کے لیے ضبط و تحقیق کی حالت نہیں ہوتی۔ اور محدثینؒ کا اتفاق ہے کہ قبولِ روایت اور شہادت کی شرط یہ ہے کہ راوی بیدار ہو نہ یہ کہ وہ مغفل، سیئ الحفظ، کثیر الخطاء، اور مختل الضبط ہو اور سونے والے کی یہ حالت نہیں ہوتی، اس لیے اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا ضبط مختل ہوتا ہے۔" (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸)

مولانا مبارکپوری صاحبؒ علامہ عینیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

" کیا وہ حدیث جو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی جائے حجت اور قابلِ استدلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جواب یہ ملا کہ وہ حجت نہیں کیونکہ حدیث کے قابلِ استدلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ راوی سماع کے وقت ضابط ہو اور حالتِ نیند ضبط کی حالت نہیں ہوتی۔"

(مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۳)

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں کہ " میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کی (خارجی طور پر) صحت معلوم نہ ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں تصحیح کرنے سے صحیح نہیں ہوسکتی اور اسی طرح کشف و الہام سے بھی وہ صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ حکم خواب میں آپ کے قول سے ثابت نہیں ہوسکتا، ہاں اس کا ثبوت آپ کے حیاتِ دنیوی میں ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں تصحیح حدیث کا دار و مدار اسناد پر ہے۔" (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۳)

اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

" واگرچہ رؤیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ست و شیطان بداں متمثل نمیشود ولکن نائم از اہلِ تحمّل روایت نیست بنا بر عدم حفظ خود" اھ

(ھدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ص ۴۲۳)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ :-

" گوئیم اجماع اہلِ شرح است بر آنکہ ہیچ حکم از احکامِ شریعت بواقعات و منامات اُمتیاں ثابت نمی شود" اھ (قرۃ العینین ص ۲۲۶ طبع مجتبائی دھلی)

ان تمام اقتباسات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ارشاد سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ نہ اس لیے کہ معاذ اللہ وہاں تلبیس شیطان

کا کچھ اثر اور دخل ہوتا ہے اور نہ اس لیے کہ معاذ اللہ آپ کا ارشاد اور قول حجت نہیں بلکہ محض اس لیے کہ بحالتِ نیند انسان تحمل اور ضبط کے وصفِ کمال سے محروم ہوتا ہے اور روایت اور سندِ حدیث کے لیے یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ راوی ضابط ہو۔ لہٰذا اس پر کوئی شرعی حکم مبنی نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ اس پر کوئی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، اور اس کے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ع

یہ اپنی حدِ نظر ہے کسی کی دید کہاں

حضرت امام ابُوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کی تائید میں خواب

اس سابق اصولی بحث کے پیشِ نظر نہ تو ضرورت ہے نہ حاجت کہ ہم امام ابُوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کی منقبت اور فضیلت خوابوں سے ثابت کریں اس لیے کہ جمہورِ اُمّت کے ہر ایک طبقہ نے ان کی فضیلت کے لیے جو کچھ فرمایا ہے وہ کیا کم ہے؟ اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ خواب سے کوئی حکم ثابت ہوتا بھی نہیں اور نہ اس پر کسی شرعی حکم کا دار و مدار ہی ہے لیکن بایں ہمہ ہم باحوالہ چند خواب عرض کرتے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات یہ بھی معلوم کر لیں کہ جہاں دیکھنے والوں نے اپنی طبعی ساخت اور اُفتادِ کے مطابق وہ خواب دیکھے ہیں، اسی طرح اُن کے برعکس اپنی استعداد کے موافق دیکھنے والوں نے اُن کی فضیلت اور مزیّت کے خواب بھی دیکھے ہیں اور خود حضرت امام ابُوحنیفہؒ نے بھی ایسے خواب دیکھے ہیں جن سے اُن کی جلالتِ شان کا اندازہ ہو سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیں :-

○ علامہ خطیبؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہشامؒ بن مہرانؒ نے فرمایا کہ امام ابُوحنیفہؒ نے خواب دیکھا جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی قبرِ مبارک کو کرید رہے ہیں، انہوں نے ایک قاصد حضرت محمدؒ بن سیرینؒ کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے بھیجا، انہوں نے فرمایا کہ صاحبِ خواب کون ہے؟ قاصد نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ انہوں نے دریافت کیا مگر وہ خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ سوال کیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ :-

صاحب ھذہ الرؤیا یثیر علمًا لم یسبقہ — یہ خواب دیکھنے والا ایسے علم کی نشر و اشاعت کرے گا

الیه احد قبله، قال هشام فنظر ابو حنیفہؒ وتکلم۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۵)

جس کو اس سے پہلے کسی نے نشر نہیں کیا ہوگا ہشام فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے نظر و فکر کے بعد اس میں لب کشائی کی۔

اور امام ابن حجر مکیؒ نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۶۴)

اور یہ خواب علامہ ابو سعد عبد الکریم السمعانیؒ (المتوفی ۵۶۲ھ جو الحافظ البارع اور العلامہ تھے تذکرہ ج ۴ ص ۱۰۰) نے بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے کتاب الانساب ورق ۱۹۶)

امام کردریؒ، مولیٰ طاش کبریٰ زادہ الحنفیؒ (المتوفی ۹۶۲ھ) اور امام ابن حجر مکیؒ اسی خواب میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ:۔

کانه ینبش قبره علیه السلام ویجمع عظامه الی صدره الخ (مناقب کردری ج ۱ ص ۳۳ ومفتاح السعادة ج ۲ ص ۸۲ والخیرات الحسان ص ۲۶)

یعنی گویا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کرید کر ان کے وجود مسعود کو اپنے سینہ سے لگا رہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی جس کی بنیاد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے رکھی ہے، اس کا اصل ماخذ و منتہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جس کو امام صاحب موصوفؒ نے خداداد بصیرت اور ناخن تدبیر سے قرآن وحدیث سے کرید کرید کر نکالا ہے اور اپنے اجتہاد و استنباط سے اس کو چار چاند لگائے ہیں جو چار دانگ عالم میں چمک اور پھیل کر لوگوں کے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا ہے۔ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وما اشتغل بالدعوة ای بدعوة الناس الی مذهبه الا بالاشارة النبویة فی المنام الیه لیدعوهم الی مذهبه الخ (الخیرات الحسان ص ۲۷ طبع مصر)

امام ابو حنیفہؒ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں اشارۂ نبویہ کے بعد مشغول ہوئے جو ان کو خواب میں ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں۔

(۲) امام صدر الائمہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ مسددؒ بن عبد الرحمٰن البصریؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام (یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ) کے درمیان سو گیا۔ خواب میں میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تو اس جگہ سوتا ہے؟ یہ تو وہ مقام ہے جس میں جو دعا بھی اللہ تعالیٰ سے

کی جائے، اس کی قبولیت میں کوئی حجاب واقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں اپنی نیند سے بیدار ہوا اور جلدی سے مسلمانوں اور مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ اسی اثنا میں مجھ پر پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ بالکل میرے قریب ہیں :-

فقلت یارسول الله ما تقول فی هذا الرجل الذی بالکوفة النعمان ؟ أ أخذ من علمه فقال لی صلی الله علیه وسلم خذ من علمه واعمل به فنعم الرّجل۔

میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں رہتا ہے اور اس کا نام نعمانؒ ہے؟ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے علم لے اور اس پر عمل کر وہ تو اچھا آدمی ہے۔

میں اپنی نیند سے بیدار ہی ہوا تھا کہ صبح کی نماز کے لیے صدا بلند کرنے والے نے آواز بلند کی اور میں بخدا النعمانؒ بن ثابتؒ کو سب لوگوں سے بُرا سمجھتا تھا لیکن اب میں اللہ تعالےٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ یہ کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی۔ (مناقب موفق ج ۲ ص۲۰۵)

اور یہ واقعہ امام ابن حجر مکیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ (الخیرات الحسان ص۹۵)

(۳) ازہرؒ بن کیسانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا اور آپ کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ میں نے ان دونوں بزرگوں سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں سوال کرو مگر آواز بلند نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے آپ سے امام ابوحنیفہؒ کے علم کے بارے میں سوال کیا کیونکہ مجھے ان سے کوئی حسنِ ظنی نہ تھی۔

فقال هذا علم الفتح من علم الخضر۔ (الخیرات الحسان ص۹۴)

تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم تو خضر علیہ السّلام کے علم سے (جو علم لدنی تھا) پھوٹ کر نکلا ہے۔

(۴) ابومعانی الفضلؒ بن خالدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو دیکھا۔

فقلت ما تقول فی علم ابی حنیفة فقال ذلك علم یحتاج الناس الیه (الخیرات الحسان ص۹۵)

میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ ابوحنیفہؒ کے علم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ یہ ایسا علم ہے جس کے لوگ محتاج ہیں۔

(۵) علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ العلاءؒ بن صاعدؒ بن مخلدؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اتنے میں ابو العباس احمدؒ بن محمدؒ بن عیسیٰ البرتی القاضیؒ (المتوفی سنہ ۲۸۰ھ) تشریف لے آئے۔

فقام الیه رسول الله صلی الله علیه وسلم وصافحه وقبل بین عینیه وقال مرحبا بالذی یعمل بسنتی واثری۔ (تاریخ بغداد ج ۵ ص ۶۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اٹھے اور ان سے مصافحہ کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا مرحبا اس شخص کو جو میری سنت اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔

اور یہ قاضی صاحبؒ فقہ میں ابو سلیمان الجوزجانیؒ کے شاگرد تھے اور انہوں نے امام محمدؒ بن الحسنؒ سے فقہ حاصل کی تھی اور

کتب الحدیث وصنف المسند وکان ثقة ثبتا حجة یذکر بالصلاح والعبادة۔ (بغدادی ج ۵ ص ۶۱)

انہوں نے حدیث لکھی اور ایک مسند تصنیف کیا اور وہ ثقہ ثبت اور حجت تھے نیکی اور عبادت کے ساتھ ذکر کیے جاتے تھے یعنی صالح و عابد تھے۔

وحدث بحدیث کثیر (ج ۵ ص ۶۱) وقال الدارقطنی ثقة ص ۶۳)

اور بہت سی حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔

اور صاف لفظوں میں علامہ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وکان رجلا من خیار المسلمین دینا عفیفا علی مذهب اهل العراق (ج ۵ ص ۶۲)

وہ بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں اور دین دار اور پاک دامن تھے اور اہل عراق کے مذہب پر تھے۔

اپنے مقام پر انشاء اللہ العزیز یہ بحث آئے گی کہ اہل عراق سے علماء حنفیہ مراد ہوتے ہیں اگر محض ادھار پر کسی کا نفس مطمئن نہ ہو تو ہم تھوڑا سا نقد بھی پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عبد الکریم شہرستانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اهل العراق هم اصحاب ابی حنیفة النعمان بن ثابت اھ (الملل والنحل صـ۴۶ جـ۲)

اہلِ عراق سے امام ابُوحنیفہؒ نعمانؒ بن ثابتؒ کے اصحاب مُراد ہے۔

اِس خواب کے پیشِ نظر کتنے بڑے شرف کا مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حنفی عالم سے اُٹھ کر مصافحہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور مرحبا فرماتے ہوئے اس کو اپنی سنّت اور حدیث پر عمل کرنے والا فرمایا اور اپنی رِضا کا پروانہ مرحمت فرمایا ؎

میں بھی تو ہوں شریکِ نظامِ بہارِ گُل
ہر شاخِ گُلستاں پہ نہ کیوں مجھ کو گھر ملے

(۶) امام خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ محمویہؒ سے روایت کرتے ہیں جو ابدال میں شمار ہوتے تھے کہ میں نے محمدؒ بن الحسنؒ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا کہ آپ سے کیا گزری؟ فرمانے لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے علم کا ظرف اس لیے تو نہیں بنایا کہ میں تجھے سزا دوں۔ میں نے کہا، تو ابُویوسفؒ سے کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بھی اُوپر ہیں تو میں نے کہا کہ :۔

فما فعل ابُوحنیفةؒ؟ قال فوق ابی یوسفؒ بطبقات۔ (بغدادی جـ۲ صـ۱۸۲)

ابُوحنیفہؒ سے کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو ابُویوسفؒ سے بھی کئی درجات بلند ہیں۔

مولیٰ طاش کبریٰ زادہؒ اور ابنِ عبدالبرؒ یہ روایت یوں نقل کرتے ہیں کہ :۔

قلت فما فعل بابی حنیفة رحمه الله قال اعلیٰ علیین (مفتاح السعادة جـ۲ صـ۸۲، واللفظ له' والانتقاء صـ۱۴۵ ولفظه هو فی اعلیٰ علیین)

ابُوحنیفہؒ کا کیا حال ہے: انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو اعلیٰ علیّین میں ہیں۔

اِس قسم کے اور بھی کئی خواب ہیں مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ امام صاحبؒ اور آپکے اصحابؒ کے علم اور فقہ اور طرز و طریق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل راضی ہیں، اور خود رب تعالیٰ بھی ان سے راضی ہے جس نے محض اپنے فضل وکرم سے ان کو علم کا ظرف بنا کر بلند رُتبہ عطا فرمایا ہے اور خصوصیّت سے حضرت امام ابُوحنیفہؒ کو اعلیٰ علیّین میں پہنچا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مقام ہے۔ سچ ہے کہ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایسے ہی قسم کے عمدہ بہترین اور اعلیٰ خوابوں کو کاٹنے اور توڑنے کے لیے امام صاحبؒ اور اُن کے اصحاب کے حاسدین نے اس کے برعکس کچھ خواب تراشے اور بیان کئے ہیں چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ، امام صاحبؒ اور آپ کے اصحابؒ کے فضائل کے کچھ خواب بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

زعم بعض حاسدیہ انہ رؤی لہ منامات بضد ذالک اھ (الخیرات الحسان ص۶۵)

امام صاحبؒ کے حاسدوں کے زعم میں ان (عمدہ) خوابوں کی ضد میں کچھ دوسری قسم کے خواب بھی دیکھے گئے ہیں۔

امام ابنِ حجر مکیؒ کا یہ جملہ بڑا صاف، صریح اور معنی خیز ہے۔ ہمیں اس کی اور زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان روشن اور تابناک خوابوں کے مقابلہ میں ان حاسدین کے ایسے خوابوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ شمع فروزاں تاریکی کو کافور کر دیتی ہے۔ سہ

تاریکیوں میں دہر کی پہلے پہل الم
آئے تھے آپ شمع فروزاں لیے ہوئے

امام صاحبؒ کا اہل الرائے ہونا

یہ عنوان تمام سابق عنوانات سے زیادہ مستحقِ توجہ اور قابلِ غور ہے۔ اگر صحیح معنیٰ میں یہ سمجھ آگیا تو بہت حد تک غلط فہمی دُور ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص تعصب اور حسد کے نشہ سے چُور چُور ہو کر غلط روی اور کم فہمی کو دولتِ عزیز سمجھ کر چھوڑنا ہی نہ چاہے تو اس کا بھلا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کتبِ تاریخ اسلام، طبقاتِ رجال اور مناقب وغیرہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا لقب امام اہل الرائے مذکور ہے جس سے بعض نافہم لوگوں کو اچھی خاصی ٹھوکر لگی ہے، اور بعض متعصب حضرات نے عمداً اس پر دبیز پردہ ڈال کر عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی مذموم سعی کی ہے، اور بجائے اس کے کہ اس بات کو تاریخ کے واضح حوالوں سے حل کر کے اس میں

سلجھاؤ پیدا کرتے مزید الجھاؤ پیدا کر کے اس کو ایک چیستان اور معمّہ بنا رکھا ہے۔ اس لیے ہم اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ امام ابُوحنیفہؒ امام اہل الرأی تھے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اہل الرأی ہونا لغوی اور شرعی لحاظ سے مذموم اور موجبِ تنقیص ہے ؟ یا محمود اور باعثِ فضیلت ہے ؟ اور امام ابُوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کس معنیٰ میں اہل الرائے تھے اور کس موقع اور محل پر وہ رائے سے کام لیا کرتے تھے ؟ ان اُمور پر ہم اصولی بحث عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیے :۔

رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے رائے کا لغوی معنیٰ عرض کریں تاکہ اس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہے۔

علامہ ابوالفتح ناصر الدین المطرزی الحنفیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

الرأی ما ارتآہ الانسان واعتقدہ ومنہ	رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان
ربیعۃ الرأی بالاضافۃ فقیہ اھل المدینۃ	اختیار کرتا ہے، اور اسی سے اضافت کے ساتھ
اھ (المغرب ج ۱ ص ۱۹۷ طبع دکن حیدر آباد)	ربیعۃ الرائی ہے جو اہلِ مدینہ کے فقیہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی نظریہ یا اعتقاد نہ ہوتا ہو۔
مشہور لغوی علامہ ابُوالفضل القرشی (المتوفی ــھ) ارقام فرماتے ہیں کہ :۔
"رائی دیدن بدل ــ وبینائی دل ؛ (صراح ص ۵۵۱) رائے دل کی بصیرت اور بینائی کو کہتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ دل کی روشنی اور بصیرت خداوند عزیز کا خالص عطیہ اور موہبت ہے۔ وہ کوئی بُری مذموم شئے نہیں، بخلافِ اس کے دل کا اندھاپن انتہائی طور پر مذموم ہے آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بلاوجہ تو نہیں کہ فَاِنَّھَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ
سچ کہا گیا ہے کہ : ؎

مجھے ڈر ہے دلِ زندہ تُو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (المتوفی سنہ ۱۳۶۹ھ) نقل کرتے ہیں کہ :۔

والرأی ھو نظر القلب یقال رأی رأیا بدل دید ورأی رؤیا بغیر تنوین بخواب دید ورأی رؤیۃ بچشم دید اھ (مقدمۃ فتح الملہم ص۲)

رأی کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رأی رأیا اس نے دل کے ساتھ دیکھا اور رأی رؤیا بغیر تنوین کے، اس نے خواب میں دیکھا اور رأی رؤیۃ اس نے آنکھوں سے دیکھا۔

علامہ ابن اثیر الجزری الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

والمحدثون یسمون اصحاب القیاس اصحاب الرأی یعنون انھم یاخذون برأیھم فیما یشکل من الحدیث اوما لم یأت فیہ حدیث ولا اثر (نہایہ ج۲ ص۱۷۹ طبع مصر و مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۰۶)

محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب الرائی کہتے ہیں اس سے وہ مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الرأی وہ حضرات ہیں جو مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو اپنے ناخنِ تدبیر اور دِل کی بصیرت سے حل کرنے کے خوگر ہوتے ہیں اور محدثین کرامؒ اسی معنیٰ میں ان کو اہل الرأی کہتے ہیں۔

اور کم و بیش یہی الفاظ ہیں محدث جلیل الشیخ محمد طاہر الحنفیؒ کے (ملاحظہ ہو مجمع البحار ج ۱ ص۴۵۰)
علامہ شرف الدین الطیبی الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۷۴۳ھ) نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے اہل الرأی کی کچھ تنقیص معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ملا علی ن القاریؒ ان کے ساتھ مناقشہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

یشم من کلام الطیبی رائحۃ الکنایۃ الاعتراضیۃ علی العلماء الحنفیۃ ظنا منہ انھم یقدمون الرأی علی الحدیث ولذا یسمون اصحاب الرأی ولم یدر انھم انما سموا بذالک لدقۃ رأیھم وحذاقۃ عقلھم الخ

رائے کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی لیے ان کو اصحاب الرائی کہا جاتا ہے مگر علامہ طیبیؒ یہ نہیں سمجھے کہ ان کو اصحاب الرأی اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے۔

(مرقات ج ۲ ص۹۸ ومقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۰۶)

اس سے معلوم ہوا کہ علماء حنفیہؒ کو اصحاب الرأی اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذ اللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لیے اصحاب الرأی کہلاتے ہیں کہ ان کی رائے بڑی دقیق، عقل بڑی تیز اور بصیرت بڑی گہری ہوتی ہے، اور حدیث کے مشکل معانی کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حافظ ذہبیؒ امام ربیعہؒ بن ابی عبدالرحمٰن الرائیؒ (المتوفی ۱۳۶ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

وکان اماماً حافظاً فقیہاً مجتہداً بصیراً بالرّائی ولذالك یقال له ربیعة الرأی (تذکرہ ج۱ ص۱۴۸)

وہ امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے وقیاس کے بڑے ماہر تھے اسی لیے ان کو ربیعۃ الرأی کہا جاتا ہے۔

امام احمدؒ، محدث عجلیؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تاریخ بغداد ج۸ ص۴۲۵)
اور علامہ خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ وعالم اور حافظِ فقہ وحدیث تھے (ایضاً ص۴۲۱)
امام یحییٰؒ بن سعید القطانؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

ماراٴیت احداً اسدّ عقلاً من ربیعة (ایضاً ج۸ ص۴۲۳)

میں نے ربیعہؒ سے زیادہ پختہ عقل والا کوئی نہیں دیکھا۔

عبدالعزیزؒ بن ابی سلمہ کا بیان ہے کہ میں جب عراق میں داخل ہوا تو اہلِ عراق میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم ربیعہؒ کی کوئی بات سناؤ جو اپنی رائے سے کام لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم ربیعہؒ کو صاحب رائے کہتے ہو؟ حالانکہ

لَوَاللہ ماراٴیت احداً احوط لسنّةٍ منه (بغدادی ج۸ ص۴۲۴)

بخدا میں نے اُن سے بڑھ کر سنّت میں محتاط اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اور علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وکان ثقة کثیرالحدیث وکانوا یتقونه لموضع الرائی۔ (بغدادی ج۸ ص۴۲۵)

ربیعہؒ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے لیکن لوگ اُن سے صاحب رائے ہونے کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے۔

داد دیجئے اس گریز واجتناب کی کہ ربیعہؒ جیسے حافظِ حدیث، متبع سنّت اور ثقہ وثبت

سے پرہیز کرنے والوں نے محض اس لیے اجتناب اختیار کیا کہ ان کے نام کے ساتھ صاحب الرائی کا لقب چسپاں تھا۔ پھر بھلا اس وہم کا کیا علاج ہو سکتا ہے جو ظنوں بلکہ افسانوں کے دبیز پردوں میں صدیوں سے چھپا چلا آتا ہو۔ مگر بایں ہمہ ؎

اہلِ دانش کی نگاہوں سے یہ پوشیدہ نہیں
اِک حقیقت بھی ہوا کرتی ہے افسانوں کے ساتھ

علامہ شہرستانیؒ لکھتے ہیں کہ" امت کے ائمہ مجتہدین دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ تیسرا گروہ یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک اصحاب حدیث اور دوسرے اصحاب الرأی۔ اصحاب حدیث اہلِ حجاز ہیں جو امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ثوریؒ، امام احمدؒ بن حنبلؒ اور امام داؤدؒ بن علی الاصبہانیؒ کے پیروکار ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:۔

واصحاب الرائی وھم اھل العراق ھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن الثابت اھ

اصحاب الرائے اہلِ عراق ہیں جو ابُوحنیفہ نعمانؒ بن ثابتؒ کے اصحاب ہیں۔

(کتاب الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۶)

اور پھر ان کے اصحاب الرائے ہونے کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ:۔

وانما سموا اصحاب الرائی لان عنایتھم تحصیل وجه من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام وبناء الحوادث علیھا وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار وقد قال ابوحنیفۃؒ علمنا ھذا رائی وھو احسن ما قدرنا علیہ فمن قدر علی غیر ذالک فلہ ما رائی ولنا ما رأیناہ اھ

(الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۶ علی ہامش کتاب الفصل)

اور ان کا نام اصحاب الرائے اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور اس معنیٰ کے حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں جو احکام سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو اُن پر مبنی قرار دیتے ہیں اور کبھی وہ قیاس جلی کو خبر واحد پر مقدم بھی کر دیتے ہیں۔ امام ابُوحنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا اکابر امّت حدیث و فقہ کے جامع امام تھے یعنی جس طرح حضرت امام ابُوحنیفہؒ حدیث سے بے بہرہ نہ تھے، اسی طرح دیگر اکابر فقہ و اجتہاد کی صفت سے محروم نہ تھے، مگر جب ان دونوں صفتوں کا تقابل اور توازن کیا جائے تو یہ کہنا قطعی طور پر صحیح ہے کہ دوسرے ائمہ میں روایت اور حدیث کی حفاظت اور خدمت کا وصف غالب رہا اور وہ بایں وجہ اصحاب الحدیث کے لقب سے موسوم ہوئے اور امام ابُوحنیفہؒ پر باوجود حافظِ حدیث ہونے کے اجتہاد و تفقہ اور استنباط کا وصف غالب تھا، بدیں وجہ وہ اہل الرائے کہلائے نہ یہ کہ وہ حدیث سے بے پروا ہو کر صاحبِ رائے بنے۔ علامہ ابنِ خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:-

وانقسم الفقه فيهم الى طريقين طريقة اهل الرأى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث قليلاً فى اهل العراق لما قدمناه فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فلذالك قيل اهل الرأى ومقدم جماعتهم الذى استقر المذهب فيه وفى اصحابه ابُوحنيفة اه (مقدمه ص۳۷۲ ابن خلدونؒ طبع مصر و مقدمۂ تحفة الاحوذى ص۲۰۶)

علم فقہ ان میں دو قسموں میں بٹ گیا ایک طریقہ اہلِ رائے اور قیاس کا ہے اور وہ اہل العراق ہیں اور دوسرا طریق اہل الحدیث کا ہے اور وہ اہل الحجاز ہیں اور اہلِ عراق میں حدیث کم تھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں (کہ حدیث کے بارے میں ان کی شرطیں کڑی تھیں) اس لیے انھوں نے بکثرت قیاس سے کام لیا اور اس میں اُن کو مہارت حاصل ہوگئی اور اسی مہارت فی القیاس کی وجہ سے ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے اور اس جماعت کا پیشرو جس کی اپنی وجہ سے اور اس کے اصحابؒ کی وساطت سے یہ مذہب حنفی قرار پایا ہے امام ابُوحنیفہؒ ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی علامہ ابنِ خلدونؒ ہیں جنھوں نے حضرت امام ابُوحنیفہؒ کو من کبار المجتہدین فی علم الحدیث کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے امام موصوف کو قلّت حدیث کی کُند تلوار سے زخمی کرنے کی نامبارک سعی کی تھی ان کو علّامہ ابنِ خلدونؒ نے المبغضین اور المتعصبین کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور صاف بتایا ہے کہ چونکہ امام صاحبؒ کی شرطیں روایت کے بارے میں سخت اور کڑی ہیں، اس لیے اُن سے روایتیں بہ نسبت ان محدّثین کرامؒ کے جن کی شرطوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے کم ہیں نہ اس لیے کہ فنِ روایت حدیث

ہیں وہ بے بضاعت اور کم مایہ تھے اور جب ان کے قیاس واجتہاد اور فقہ ورائے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سر پر مہارت فی القیاس کا سنہری سہرا باندھتے ہیں اور صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ :۔

ومقامه فی الفقه لا یلحق شهد له بذالك اهل جلدته وخصوصاً مالك والشافعیؒ الخ (مقدمہ ص۴۴۷)

فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات اور خصوصیت سے امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اس کی شہادت دی ہے۔

ان دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر بھی کتب اختلاف و تاریخ میں آتا ہے جن کو اہل الظاہر کہا جاتا ہے مگر ان کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے کبھی کوئی فروغ حاصل نہیں ہوا جن کا اہم نظریہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف تھا اور دعویٰ یہ تھا کہ صرف قرآن و حدیث ہی کو پیش نظر رکھا جائے اور بس۔ مگر اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام عالمگیر مذہب اور تاقیامت باقی رہنے والا دین ہے، اور نت نئے مسائل وحوادث اور نوازل و واقعات کا پورا حل بغیر فقہ و اجتہاد اور استنباط کے کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل الظاہر کسی وقت کچھ ابھرنے کے باوجود بھی تقریباً دنیا میں ناپید ہی رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ ہی لکھتے ہیں کہ :۔

ثم درس مذهب اهل الظاهر الیوم بدروس ائمته (مقدمہ ص۴۴۶)

پھر اس زمانہ میں اہل الظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا کیونکہ ان کے ائمہ ہی ختم ہو گئے ہیں۔

اور تصریح کرتے ہیں کہ :۔

ولم یبق الا مذهب اهل الرأی من العراق واهل الحدیث من الحجاز (مقدمہ ص۴۴۷)

اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرائے کا جو عراقی ہیں اور اہل حدیث کا جو حجازی ہیں۔

مؤرخ اسلام کی اس علمی اور ٹھوس تحقیق سے یہ بات بھی آشکارا ہو گئی کہ اہل العراق اور اہل الحجاز دونوں گروہ اور طائفے فقہ کے تسلیم کرنے والے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک کا طریق کار دوسرے کے انداز فکر سے قدرے مختلف ہے مثلاً اگر ایک گروہ حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارۃ النص ہی سے استنباط کرتا ہے تو دوسرا گروہ

دلالۃ النص اشارۃ النص اور اقتضاء النص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتا اس لیے اس کے علم فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے علمی مہمانوں کو ہزار ہا نئے نئے مسائل میں اس کے ہاں کسی طرح تشنگی پیش نہیں آتی۔ اسی وجہ سے نصف دُنیا سے زیادہ لوگ اس کے فیض سے مستفید ہو رہے ہیں اور اس کے دالدادہ ہیں۔

علامہ ابن خلدونؒ ہی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان چین، ماوراء النہر و بلاد العجم کلہا (عجم کے سب شہروں) میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ص۴۴۸)

اس سے فقہ حنفی کے فروغ، اس مذہب میں فقہاء کی کثرت اور لوگوں کے عام رجحان کی ایک اور وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے، البقیہ وجوہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ باوجود استاذ المحدثین اور مقتداء اہل سنت ہونے کے جب فقہ کے اس بلند مقام پر نہیں پہنچ سکے تو ان کے مقلدین کی تعداد بھی بڑی ہی قلیل بلکہ ندارد رہی ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ قیاس و رائے اور تفقہ و اجتہاد کے بغیر پوری اُمت کے سب پیش آنیوالے مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتے اور حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کا رتبہ اجتہاد و قیاس میں اتنا اونچا نہ تھا اس لئے ان کے مقلدین بھی زیادہ پیدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ ہی رقمطراز ہیں کہ:۔

فاما احمد بن حنبلؒ فمقلدہ قلیل لبعد مذھبہ عن الاجتھاد واصالتہ فی معاضدۃ الروایۃ وللاخبار بعضھا ببعض واکثرھم بالشام والعراق من بغداد ونواحیھا وھم اکثر الناس حفظا للسنۃ اھ (مقدمہ ص۴۴۸)

ان کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ روایت اور اخبار ہی میں سے بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے اور ان کے اکثر پیرو شام، عراق اور اس کے آس پاس رہتے رہے ہیں اور وہ سب لوگوں سے سنت کے زیادہ محافظ رہے ہیں۔

اور نواب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

" ومذہب امام احمدؒ خود در قدیم و حدیث زمان قلیل بودہ زیرا کہ اجتہاد او قلیل بلکہ اقل بلکہ نیست ومذہب او ہمیں عمل بر حدیث بودہ اھ (ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ص۲۸۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"و اگر اکثر اہلِ اسلام رابنظرِ امتحان نگاہ کنی حنفیان و مالکیان و شافعیان اند"۔

(قرۃ العینین ص۱۷۱)

یہ واضح عبارتیں مزید کسی اور وضاحت کے لیے تشنہ نہیں ہیں۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

و بواسطۂ ہمیں مناسبت کہ بحضرت روح اللہ دارد تواند بود آنچہ خواجہ محمد پارسا در فصول ستہ نوشتہ است کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بمذہب امام ابی حنیفہؒ عمل خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہاد امام اعظمؒ خواہد بود نہ آنکہ تقلید ایں مذہب خواہد کرد علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ شان او علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام از آں بلند تر است کہ تقلید علماء امت فرماید بے شائبۂ تکلف و تعصب گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم مینماید و سائر مذاہب در رنگ حیاض و جداول بنظر می در آیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہؒ اند علیہم الرضوان۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۵ ص۱۴ طبع امرتسر)

اور اسی مناسبت کی وجہ سے ہے جو امام ابوحنیفہؒ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں جو کچھ کہ حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے اپنی کتاب فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہونے کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام اعظمؒ (اور ان کے اصول میں ان کے پیروکاروں) کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ کہ وہ ان کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علمائے امت میں سے کسی کی تقلید کریں (کیوں کہ وہ خود مجتہد مطلق ہوں گے)۔ تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کی مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہلِ اسلام کی بڑی اکثریت امام اعظمؒ کی پیروی کرتی ہے ان سب سے اللہ تعالےٰ راضی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ ارشاد کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے۔ اور نہ یہ تعصب کی پیداوار ہے بلکہ نفس الامر اور حقیقت کے عین مطابق ہے کیونکہ فقہ حنفی ضروریات کو پورا کرنے والی فطری بصیرت ہے (جس میں اختلاف اور تفاوت ناقابل انکار امر ہے)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالویؒ (المتوفی ۱۳۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ شیخ علی المتقیؒ صاحب کنز العمال (المتوفی ۹۷۵ھ) اور شیخ محمد طاہر پٹنویؒ مؤلف مجمع البحار (المتوفی ۹۸۶ھ) حضرت شیخ الامام احمد الفاروقی سرہندیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) وغیرہم رحمہم اللہ یہ حضرات فروع میں عملاً حنفیت سے متاثر تھے، لیکن ان حضرات میں نہ جمود تھا نہ تعصب۔ (مقدمہ معیار الحق ص طبع چٹان پریس لاہور)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رائے کے مفہوم و مصداق پر طویل بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

لیس المراد بالرأی نفس الفہم والعقل فان ذالك لا ینفك من احد من العلماء ولا الرأی الذی لا یعتمد علی السنّة اصلاً فانه لا ینتحله مسلم البته ولا القدرة علی الاستنباط والقیاس فان احمدؒ واسحاقؒ بل الشافعیؒ ایضاً لیسوا من اهل الرأی بالاتفاق وهم یستنبطون ویقیسون بل المراد من اهل الرأی قوم توجهوا بعد المسائل المجمع علیها بین المسلمین او بین جمهورهم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین فکان اکثر امرهم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والآثار والظاهری من لا یقول بالقیاس ولا بآثار الصحابةؓ والتابعین کداؤدؒ وابن حزمؒ وبینهما المحققون من اهل السنّة کاحمدؒ واسحاقؒ الخ

(حجة اللہ البالغة ج ۱ ص ۱۶۱ طبع مصر)

"رائے سے نفس فہم اور عقل مراد نہیں کیونکہ اس سے اہلِ علم میں کوئی بھی عاری نہیں ہوتا اور اس رائے سے ایسی رائے بھی مُراد نہیں جس کی بنیاد سنّت پر بالکل مبنی نہ ہو کیونکہ ہرگز کوئی مُسلمان اس کو اپنے لیے گوارا نہیں کرتا۔ اور اس سے استنباط اور قیاس پر قدرت بھی مراد نہیں کیونکہ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ بلکہ خود امام شافعیؒ بھی بالاتفاق اہل الرأی سے نہیں ہیں حالانکہ استنباط و قیاس وہ بھی کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے اُن مسائل کے بعد جو تمام مُسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پا چکے ہیں متقدمین میں سے کسی شخص کے اصل پر مسائل کی تخریج کی ہو اور ان کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ نظیر کو نظیر پر حمل کرتے رہے اور ان کو اصول میں سے کسی اصل کی طرف رد کرتے رہے بغیر اس کے کہ وہ احادیث کا تتبع کرتے" اور ظاہری وہ ہے جو نہ تو قیاس کا قائل ہو اور نہ آثار صحابہؓ کا اور آثار تابعینؒ کا جیسے داؤد بن علیؒ اور (علامہ) ابنِ حزمؒ اور ان دونوں طبقوں کے درمیان

محققین اہل السنّت کا طبقہ ہے جیسے کہ امام احمدؒ بن
حنبلؒ اور امام اسحاقؒ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں دون تتبع الاحادیث کے جملے سے اگر کوئی کوز مغز یہ سمجھے یا سمجھانے کی کوشش کرے کہ اہل الرأی وہ ہوتا ہے جو احادیث سے بے پروا اور مستغنی ہو تو یہ نہ صرف یہ کہ ظلم صریح ہوگا بلکہ یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق بھی ہوگا کیونکہ خود حضرت شاہ صاحبؒ اسی عبارت میں اس کی وضاحت فرما چکے ہیں کہ رائے سے ایسی رائے ہرگز مراد نہیں جس کا اعتماد اور بنیاد سنّت پر نہ رکھی گئی ہو کیونکہ کوئی مسلمان ایسی رائے کو اپنانے کے لیے کسی طرح اور کسی صورت میں راضی نہیں ہے، بلکہ اہل الرائے سے مراد ایسی قوم ہے جو اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد غیر منصوص فروع اور جزئیات میں متقدمین میں سے کسی شخص کے طے شدہ اصول وضوابط اور قواعد پر (جن کی بنیاد اُس نے اپنے اجتہاد و تفقہ کے اعتبار سے قرآن و سنّت پر رکھی ہے) مسائل اور جزئیات کی تخریج اور تفریع کرتی ہو کہیں نظیر کو نظیر پر حمل کرتی ہو کہیں مفرع عنہا اصول میں سے کسی اصل کی طرف مسئلہ اور جزئی کو رد کرتی ہو اور ان غیر منصوص مسائل و جزئیات میں وہ مسئلہ مسئلہ اور جزئی جزئی کے لیے احادیث کی تلاش نہ کرتی ہو جس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن و سنّت اور تمام یا جمہور مسلمانوں کے اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد ہر ہر پیش آمدہ جزئی میں صاف اور صریح الفاظ میں کہاں سے صحیح حدیث دستیاب ہو سکتی ہے؟ اس لئے ایسے مسائل میں تتبع احادیث کو وہ ضروری نہیں سمجھتے بلکہ متقدمین میں سے کسی کے اصول کے تحت ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک خالص علمی بحث ہے مگر افسوس ہے کہ بعض نافہم بلاوجہ اس میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ ؎

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار!
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں!

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"پس محمدؒ در تصنیف خود رائے ایں سہ (امام ابراہیمؒ، امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ) را فراہم کرد بسیار نفع بمردم بخشید و اصحاب ابی حنیفہؒ متوجہ ایں

تصانیف شد ند بتلخیص و تفریع و تخریج و تاسیس و استدلال اھ" (ہدایۃ السائل ص۲۶۸)
اور ان تینوں کی رائے کی بنیاد قرآن وسنّت پر قائم ہے۔

یہ بات بھی بخوبی ملحوظِ خاطر رہے کہ اصحاب الرائے بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (جزئیات و مسائل میں) احادیث کا تتبع تو نہیں کرتے تھے مگر جب کسی جزئی میں ان کو حدیث مل جاتی تو پھر وہ رائے کو درخورِ اعتنا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام زفرؒ بن الہذیلؒ جن کی رائے اور فقہ پر حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی ناز کرتے تھے اور فرماتے تھے ھو اقیس اصحابی، (الجواہر ج ۱ ص۲۴۳) کہ میرے جملہ تلامذہ میں وہ قیاس کا زیادہ ماہر ہے۔ اور انہوں نے ہی بصرہ میں سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ کی رائے اور فقہ پہنچائی تھی (لسان المیزان ج ۲ ص۴۷۷) ان سے حضرت امام عبداللہؒ بن المبارکؒ نقل کرتے ہیں کہ :۔

سمعت زفرؒ یقول نحن لا نأخذ بالرائ ما دام اثر و اذا جاء الاثر ترکنا الرّائ۔ (مناقب ابی حنیفہؒ لملا علی القاریؒ بذیل الجواہر ج ۲ ص۵۳۴)

میں نے امام زفرؒ سے سُنا انہوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی حدیث موجود ہوتی ہے ہم رائے پر عمل نہیں کرتے اور جب کوئی حدیث مل جاتی ہے تو ہم اپنی رائے کو ترک کر دیتے ہیں۔

اس کی مزید بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی، یہاں تو صرف اس قدر ذکر کرنا ہے کہ اصحاب الرائے نے نہ تو ابتداءً حدیث کو چھوڑا ہے اور نہ انتہاءً ہاں اہلِ علم کے طریقہ کے مطابق کسی حدیث میں روایتی یا درایتی لحاظ سے کوئی علّتِ قادحہ نظر آئے یا کوئی حدیث کسی دوسری سے متعارض ہو یا منسوخ ہو یا کسی اور قوی عذر کی وجہ سے وہ ترک کرتے ہیں تو یہ بات الگ ہے مگر کوئی صاحب فہم اور دیانت دار انسان اس کو ترکِ حدیث نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ طریقہ تو قدر مشترک کے طور پر تمام محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رائج ہے اور اس باطل نظریہ کے تحت پھر تو سبھی تارکِ حدیث کہلائیں گے۔ (العیاذ باللہ) نواب صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی سابق عبارت کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

" بلکہ نیست مراد بہ رائے نفس فہم و عقل چہ ازاں خود احدے از علماء منفک نمی تواند شد و نہ آں رائے کہ نیست معتمد بر سنّت اصلاً زیرا کہ آں را خود مسلمانی حلال نمی تواند دانست

البتۃ اھ" (ہدایۃ السائل ص۲۸۴)

اگر اہل رائے مسلمان ہیں؟ اور ان کی نامسلمانی کی آخر کوئی وجہ بھی تو نظر نہیں آتی تو پھر وہ کیوں ایسی رائے قائم کرتے ہوں گے جو سنّت سے متصادم ہو اور اس کی بنیاد سنّت پر نہ رکھی گئی ہو؟

حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

جماعتے کہ ایں اکابر دین را اصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاناں بہ رائے خود حکم میکردند و متابعت کتاب و سنّت نمی نمودند پس سوادِ اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد ایشاں ضال ومبتدع باشند بلکہ از جرگۂ اہل اسلام بیروں بوند ایں اعتقاد نکند مگر جاہلے کہ از جہلِ خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطرِ دین است ناقصے چند احادیث چند را یاد گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر دراں ساختہ اند و ما ورائے معلوم خود را نفی منیمانید و آنچہ نزد ایشاں ثابت نشدہ منتفی میسازند ؎

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمانِ او ہماں است

(مکتوبات امام ربانیؒ دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوبات ۵۵ ص۱۵ طبع امرتسر)

وہ جماعت جو ان اکابر دین کو اصحاب رائے سمجھتی ہے اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنّت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی بلکہ اہلِ اسلام کے ٹولہ ہی سے باہر ہو جائے گی اور یہ خیال یا تو وہ جاہل کرے گا جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے اور یا وہ زندیق کرے گا جس کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے، کچھ کوتاہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام شریعت کو انہی میں منحصر کرتے ہیں اور اپنے معلومات کے علاوہ، اور چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں۔ جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہو، اس کی زمین و آسمان ہی بس وہ سب ہے۔

غیر مقلّدین حضرات حضرت مجدّد صاحبؒ کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور پھر از راہِ انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت مجدّد صاحبؒ کیا فرما گئے ہیں۔

الغرض نہ تو رائے اور سمجھ فی نفسہٖ کوئی بری شے ہے اور نہ اہل الرائے احادیث کے منکر اور

اُن سے مستغنی ہیں اور نہ اہل الرائے ہونا کوئی موجبِ تنقیص امر ہے، اور یہ بھی درست نہیں کہ صرف علماءِ حنفیہ ہی اہل الرأی ہیں اور ان کے علاوہ اہل الرأی اور کوئی نہیں ہوا۔ جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحبؒ (وغیرہ) کو اس کا مغالطہ ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

فاعلم ان اهل الرّأی هم العلماء الحنفية اهـ — جاننا چاہیئے کہ اہل الرأی علماءِ حنفیہ ہی ہیں۔

(مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۰۵)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امام عجلیؒ نے حضرت امام شافعیؒ کو صاحب الرای کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:۔

فاجتمع له علم اهل الرّأی وعلم اهل الحديث — امام شافعیؒ میں اہل الرائے اور اہل الحدیث دونوں کا علم جمع ہو چکا تھا۔

(توالی تاسیس ص۱۵۱ طبع مصر)

اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ربیعہؒ اہل الرائے بلکہ ملقب بہ الرائے تھے اور حنفی نہ تھے اور الملک المظفر ابوبکرؒ بن ایوب الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد رأينا مذاهب جماعة من اهل الرأی قد ذهبت واضمحلت ومذهب ابی حنيفة رضی الله تعالیٰ عنه باق اهـ — ہم نے دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب تو ختم اور مضمحل ہو گئے مگر امام ابوحنیفہؒ کا مذہب باقی ہے۔

(السہم المصیب ص۶۴)

مشہور امام اور محدّث ابن قتیبہؒ (المتوفی ۲۷۶ھ) نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سُرخی قائم کی ہے اور نیچے یہ نام لکھے ہیں:۔ ابن ابی لیلیؒ، ابوحنیفہؒ، ربیعۃ الرائےؒ، زفرؒ، اوزاعیؒ سفیان ثوریؒ، مالکؒ بن انسؒ، ابویوسفؒ اور محمدؒ بن الحسنؒ (محصلہ سیرۃ النعمان ص۸۸ از علامہ شبلیؒ)

الغرض اہل الرأی تو اور بھی ہیں مگر فقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے میں جو بلند مقام حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ کو ملا وہ اور کسی کو نہ مل سکا۔ ع

یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!

کیا رائے کے بغیر حدیث سمجھی جا سکتی ہے؟

رائے کے لغوی اور اصطلاحی معنے کے بعد اس امر پر بھی غور کرنا ہے کہ کیا رائے اور فہم کے

بغیر حدیث سمجھی بھی جا سکتی ہے؟ اگر سمجھی جا سکتی ہے تو ٹھیک ہے، پھر رائے کو لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر رائے اور فہم کے بغیر حدیث نہیں سمجھی جا سکتی تو پھر وہ مذموم کیسے ہوگئی؟ کیا کوئی مذموم چیز بھی کسی مقبول و محمود چیز کا ذریعہ اور موقوف علیہ بن سکتی ہے؟

مولیٰ طاش کبریٰ زادہؒ حضرت امام محمدؒ بن الحسنؒ کے حالات میں جو خود چوٹی کے اصحاب الرائے میں شمار ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ:۔

نشأ بالكوفة وغلب عليه الرائى اى الاجتهاد
(مفتاح السعادة ج ۲ ص[illegible])

وہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور ان پر رائے یعنی اجتہاد کا غلبہ تھا۔

کتاب ادب القاضی میں تصریح فرماتے ہیں کہ:۔

لا يستقيم الحديث الا بالرائى اى باستعمال الرائى فيه بان يدرك معانيه الشرعية التى هى مناط الاحكام ولا يستقيم الرائى الا بالحديث اى لا يستقيم العمل بالرائى والاخذ به الا بانضمام الحديث اليه اھ
(بحوالۂ مقدمۂ فتح الملہم ص۲)

حدیث رائے کے استعمال ہی سے درست ہو سکتی ہے بایں طور کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے لیے مناط ہیں رائے ہی سے ادراک کیے جا سکتے ہیں اور رائے بھی بدون حدیث کے درست نہیں ہو سکتی یعنی محض رائے پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس رائے کے ساتھ حدیث نہ مل جائے۔

اِنصاف سے فرمائیے کہ صاحب الرائے امام محمدؒ بن الحسنؒ کیا فرما گئے ہیں؟ یہی فرمایا ہے کہ نری رائے کوئی حقیقت اور وقعت نہیں رکھتی جب تک کہ اس کی بنیاد حدیث پر نہ رکھی جائے۔ مگر بایں ہمہ کوسنے والے ان کو صاحب الرائے کہہ کر کوسنے سے باز نہیں آتے۔ اِنصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرْ۔

امام ابن حجر مکی الشافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وقد قال المحققون لا يستقيم العمل بالحديث بدون استعمال الرائى فيه انه هو المدرك لمعانيه التى هى مناط الاحكام ومن ثمه لما لم يكن لبعض المحدثين تأمل لمدرك

محققین نے فرمایا ہے کہ بغیر استعمال رائے کے عمل بالحدیث درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رائے ہی سے معانی کا ادراک ہوتا ہے جس پر احکام کا دارومدار ہے اور اسی وجہ سے جب بعض محدثین کو رضاعت

التصریح فی الرضاع قال بان المرتضعین بلبن شاۃ تثبت بینھما المحرمیۃ ولا العلم بالرأی المحض ومن ثم لم یفطر الصائم بنحو الاکل ناسیا اھ (الخیرات الحسان ص۷۱)

کی تحریم کی علت کا ادراک نہ ہو سکا تو اس نے یوں کہہ دیا کہ بکری کا دودھ پینے والے دو بچوں کے درمیان رضاعت کا حکم ثابت ہے اور اسی طرح رائے محض پر بھی عمل صحیح نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بھول چوک سے روزہ کھانے والے کا روزہ نہیں جاتا۔

غور فرمایئے کہ رائے اور دل کی بصیرت سے محروم ہونے والے بعض محدثین نے کیسی ٹھوکر کھائی کہ وہ لڑکی اور لڑکا جو آپس میں نسبی اور رضاعی طور پر تو بہن اور بھائی نہیں مگر انہوں نے مل کر ایک ہی بکری کا دودھ پی لیا ہو وہ آپس میں بھائی اور بہن ہو جائیں گے اور ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہوگا۔ پھر پوچھنے کی بات یہ ہے کہ گائے بھینس اور اونٹنی نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ ان کے دودھ سے رضاعت کیوں نہ ثابت ہوگی؟ اگر بکری رضاعی ماں بہن ہو سکتی ہے تو بھولی بھالی گائے فربہ اندام بھینس اور بلند قد اور دراز گردن اونٹنی کیوں ماں نہیں بن سکتی؟ اور ان بیچاریوں کو ماں کی مامتا سے کیوں محروم کر دیا جائے؟ اور اس فتویٰ کے رُو سے تمام روئے زمین پر مسلمانوں کے نکاحوں اور ان کی اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہنے والے نے کہا ہے کہ ؎

"ایں چنیں ارکانِ دولت مُلک را ویراں کنند"

اور جس طرح رائے کی محرومی سے یہ ٹھوکر لگتی ہے اسی طرح حدیث سے استغنا برت کر محض رائے پر بھروسہ کرنا بھی انسان کو ورطۂ ضلالت میں ڈال دیتا ہے۔ اگر محض رائے ہی سے دین کے احکام اخذ کئے جا سکیں تو بھول کر روزہ کھانے والے کا جو خوب سیراب اور سیر شکم ہو کر کھا پی لے، روزہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ اور کس کی عقل اس کو باور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود روزہ جوں کا توں باقی ہے؟ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد اور حدیث کی موجودگی میں اطعمك الله وسقاك (ابوداؤد ج ۱ ص۳۲۶ واللفظ لہ وبخاری ج ۱ ص۲۵۹ ومسلم ج ۱ ص۳۶۴) کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے، عقل اور رائے کی کیا وقعت اور قیمت ہے؟ یہاں تو محبوبِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اشارۂ ابرو پر ہزاروں رائیں اور لاکھوں عقلیں آنِ واحد میں قربان کرنا ہوں گی۔ ؎

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

حضرت علیؓ (المتوفی سنہ ۴۰ھ) نے دین کے ایسے ہی منصوص مسائل کے مقابلہ میں رائے محض کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

لوکان الدین بالرّائی لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ وقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی ظاھر خفیہ۔ (ابوداؤد ج۱ ص۲۲)

اگر دین نری رائے ہی سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصّہ اوپر کے حصّہ سے مسح کا زیادہ مستحق ہے حالانکہ میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو موزہ کے اوپر ہی مسح کرتے دیکھا ہے۔

انسان جب چلتا ہے تو زمین پر اس کے پاؤں کا نچلا حصّہ ہی لگتا ہے، اور گرد و غبار اور نجاست وغیرہ سے اسی کے زیادہ ملوّث اور آلودہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے مسح کا حقدار بھی صرف یہی حصّہ ہونا چاہیئے مگر چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے موزوں کے اعلیٰ حصّے پر ہی مسح کیا ہے تو کسی دانشور کی دانش اور کسی عقلمند کی عقل اور کسی فہیم کی فہم و رائے کی اس پیارے عمل کے مقابلہ میں بھلا حیثیت ہی کیا ہے؟ اس موقع پر اگر تسلّی اور چین ہو سکتا ہے تو صرف آپ کی پیاری ادا اور آپ کے پسندیدہ عمل اور بہترین اسوۂ حسنہ سے اِس لیے کہ ؎

برسوں فلاسفہ کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

حدیث سے رائے کی عمدگی کا ثبوت

جس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے بصراحت روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسئلہ میں کون سا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس کے حل کرنے کے لیے کیا صورت عمل میں لائی جا سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کے پیش نظر کتاب و سنّت کے اصولی قوانین اور ضوابط کو لازمی اور قابل عمل قرار دے کر ہر ایسی پیش آمدہ ضرورت کے متعلق جس کی تفصیل و تشریح یا بصراحت تذکرہ قرآن و سنّت میں موجود نہ ہو، قرآن و سنّت کے جاننے والوں اور صحیح معنیٰ میں مجتہدین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و رائے سے کام لے کر قرآن و سنّت کی روشنی میں وقتی، ضروری اور ہنگامی مسائل کو حل کریں اسی کو تفقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے کہتے ہیں مجتہد مطلق کا درجہ اگرچہ

نہیں رہا۔ ہاں فی الجملہ اجتہاد قیامت تک باقی ہے لیکن منصوص اور اجماعی مسائل میں اجتہاد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی پیروی کرے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جلیل القدر صحابی حضرت معاذؓ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ) کو جب یمن کا عامل اور گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا "اے معاذؓ:-

کیف تقضی ان عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد برائی ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسول اللہ۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۹ واللفظ لہ و مسند طیالسی ص ۷۹ و ترمذی ج ا ص ۱۵۹ و دارمی ج ا ص ۶۰ طبع دمشق والانتقاء ص ۱۴۳ لابن عبدالبرؒ طبع مصر والبدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۰۳ طبع مصر والمشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۴ وسنن الکبرٰی ج ۱۰ ص ۱۱۴)

جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو اس میں تو کیسے فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالے کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟ وہ کہنے لگے کہ پھر میں سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سنّت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ آپ نے حضرت معاذؓ کی چھاتی پر (شفقت کی وجہ سے) دست مبارک مارا اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالے کا رسول راضی ہے۔"

شیخ الاسلام حافظ ابوعمرؒ بن عبدالبر المالکیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

وحدیث معاذؓ صحیح مشہور رواہ الائمۃ العدول وھو اصل فی الاجتہاد والقیاس علی الاصول اھ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۵۵ طبع مصر)

حضرت معاذؓ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتہاد اور قیاس علی الاصول کے لیے ایک اصل اور مدار ہے۔

حافظ ابو الفداء اسمعیلؒ بن عمرؒ بن کثیر الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) جو الفقیہ، المفتی اور المحدث وذو الفضائل تھے (تذکرہ ج ۴ ص ۲۹) ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وھذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید کما ھو مقرر فی موضعہ اھ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱ طبع مصر)

یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر مقرر اور ثابت شدہ ہے۔

مشہور غیر مقلد اور محقق عالم محمدؒ بن علی المعروف بالقاضی الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۵ھ) اسی حدیث سے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وھو حدیث صالح للاحتجاج بہ کما اوضحنا ذٰلک فی بحث مفرد اھ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۱۹ طبع مصر للشوکانیؒ)

یہ حدیث استدلال واحتجاج کے لیے صلاحیت رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت ایک مفرد بحث میں کر دی ہے۔

اس صحیح مشہور جید اور صالح للاحتجاج حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جن نوازل وحوادث اور مسائل پر قرآن وحدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو ان میں کتاب وسُنّت کی روشنی میں اجتہاد و رائے سے کام لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مسرور اور نہایت خوش ہیں اور اپنے قاصد ونمائندہ کے اس معقول اور تسلّی بخش جواب پر راضی ہو کر قولی اور فعلی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ کے سینہ پر ہاتھ مبارک مار کر گویا یہ بتلاتے ہیں کہ کیا ہی بابرکت سینہ ہے جس میں ایسی ایسی عمدہ اور کام کی باتیں پنہاں ہیں، جن پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی داد تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکے اور الحمد للہ کے ساتھ قولی طور پر "اجتہد برائی" پر اپنی رضا اور خدا تعالےٰ کی رضا کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اب اگر کوئی ناداں ایسی رائے کی توہین وتذلیل کرتا اور ایسی رائے قائم کرنے والے اہل لوگوں کی تجہیل وتحمیق کرتا ہے جس کا منبع و ماخذ قرآن وحدیث ہو تو ایسا شخص صرف رائے اور اہل الرائے کا ہی دشمن ہے بلکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس صحیح اور صریح حدیث اور آپ کی پسند کردہ بات کا بھی مخالف ہے اور اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے، کہیں دوسروں کی عداوت اپنی تباہی کا سبب ہی نہ بن جائے۔ سے

بہت کچھ جل چکا ہے اور جلے گا دیکھئے کب تک ہے زد میں برقِ سوزاں کی ترا کاشانہ برسوں سے

حضرت علیؓ کی ایک روایت یوں آتی ہے:۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم فقال مشاورۃ اھل الرأی ثم اتباعھم (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۲۰ طبع مصر)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اہل الرائے سے مشورہ کرکے پھر ان کی پیروی کرنا

اور نیز حضرت علیؓ نے سوال کیا، یا رسول اللہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ در پیش ہو کہ جس میں نہ امر ہو نہ نہی تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۸ رجالہ موثقون۔)

حضرت ابوبکرؓ کا یہ معمول تھا کہ:۔

انّ ابابکرؓ اذا نزلت بہ قضیۃ لم یجد لھا فی کتاب اللہ اصلاً ولا فی السُّنّۃ اثرًا فقال اجتھد برأئی فان یکن صوابًا فمن اللہ وان یکن خطأً فمنّی واستغفر اللہ۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۶)

جب ان کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں اگر ان کو اس کی وضاحت نہ ملتی تو فرماتے کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوگی ورنہ میری خطا ہوگی اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔

حافظ شمس الدین ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جب کوئی اہم معاملہ در پیش ہوتا تو اس کو کتاب و سنت میں تلاش کرتے، اگر وہاں سے بھی کامیابی حاصل نہ ہوتی تو اُمت کے بہترین افراد کو جمع کرکے ان سے رائے لیتے اور اتفاق رائے سے جو طے ہوتا اسی پر فیصلہ صادر فرمادیتے"

(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۱ طبع مصر)

اور امام عبداللہؒ بن عبدالرحمٰن الدارمیؒ (المتوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے یہ مضمون نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:۔

فاذا اجتمع رأیھم علی امر قضی بہ (دارمی ج ۱ ص ۵۸ طبع دمشق)

جب ان حضرات کی رائے ایک امر پر جمع ہو جاتی تو حضرت ابوبکرؓ اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

وانہ مقدم عندھم فی العلم والرأی و

وہ حضرات صحابہؓ میں علم رائے اور زیادہ مشورہ لینے

كثرة الاستشارة اھ — میں پیش پیش تھے۔

(کتاب اختلاف الحدیث علی ہامش الام ج ۷ ص۲۶۷ طبع مصر)

حضرت عمرؓ جب لوگوں کو فتوٰی دیا کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ :۔

هٰذا رأی عمرؓ فان كان صوابا فمن الله و ان كان خطاءً فمن عمرؓ (میزان شعرانی ج ۱ ص۴۹ طبع مصر۔ وسنن الکبرٰی ج ۱۰ ص۱۱۶)

یہ عمرؓ کی رائے ہے، اگر درست ہوئی تو اللہ تعالےٰ کا احسان ہوگا، اور اگر خطا ہوئی تو عمرؓ کی خطا سمجھنا۔

اور حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دور میں مشہور تابعی قاضی شریح" (المتوفی ۸۵ھ) کو ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں اس کی تصریح فرمائی تھی کہ اگر کوئی ایسا مقدمہ اور مسئلہ پیش آئے جس پر کتاب و سنت سے روشنی نہ پڑتی ہو اور اس کے بارے میں پہلے کسی نے گفتگو بھی نہ کی ہو تو :۔

فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتھد برأیك ثم تقدم فتقدم اھ (دارمی ج ۱ ص۶۰ طبع دمشق وسنن الکبرٰی ج ۱۰ ص۱۱۵ و نحوه فی کنز العمال ج ۳ ص۱۷۴)

ان دو امور میں سے جو نسا تم چاہو پسند کر لو یا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے ہو بڑھو۔ الخ۔

دوسرا امر انہوں نے ترک الرائے ذکر فرمایا ہے لیکن اجتہاد بالرائے اور ترک دونوں میں ان کو اختیار دیا ہے اور اجتہاد بالرائے اور اس میں تقدم کا ذکر پہلے کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جن مسائل میں اشکالات پیش آئے تھے اُن میں ایک وراثتِ جد کا مسئلہ بھی۔ جب اُن کو فیروز نامی بدبخت نے زخمی کیا تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

انی رأیت فی الجد رأیا فان رأیتم ان تتبعوه فقال عثمانؓ ان نتبع رأیك فهو رشد وان نتبع رأی الشیخ قبلك فنعم ذو الرأی كان ۔ (مستدرك حاكم ج ۴ ص۳۴۰ قال الحاكم والذهبی صحیح)

میں نے دادا کے بارے میں ایک رائے قائم کی ہے اگر تمہارا خیال ہو تو اس کی پیروی کرو۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر ہم آپ کی رائے کی پیروی کریں تو وہ کیا ہی بھلی رائے ہے۔ اور اگر ہم آپ سے پہلے بزرگ (حضرت ابوبکرؓ) کی رائے کی پیروی کریں تو وہ بھی صاحب الرائے تھے۔

اور یہ روایت دارمی جلد ۱ ص۱۵ طبع دمشق میں بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود (المتوفی ۳۲ھ) نے فرمایا کہ اگر کسی کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آئے تو کتاب اللہ کے مطابق اس میں فیصلہ صادر کرے اور اگر کتاب اللہ میں نہ مل سکے تو سنّت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے موافق فیصلہ کرے اور اگر سنّت میں اس کو کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر نیک لوگوں نے (اتفاق سے) جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر ان سے اس کو کچھ نہ ملے تو:۔

فلیجتہد رایہ فان لم یحسن فلیقر ولا یستحی (متدرک ج۴ ص۹۴، قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح ونحوہ فی سنن الکبریٰ جلد ۱۰ ص۱۱۵)

پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر رائے کا مالک نہ ہو تو صاف اقرار کرے اور اس میں حیا نہ کرے۔

اور یہ روایت کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ دارمی میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

فان لم یکن فیما اجتمع علیہ المسلمون فاجتہد رایک اھ (ج۱ ص۶۱ طبع دمشق)

سو اگر مسلمانوں کے اجماع سے بھی وہ حل نہ ہو سکے تو پھر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ (المتوفی ۶۸ھ) کا یہ معمول تھا کہ کتاب و سنّت کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ان کو کوئی ثبوت نہ مل سکتا تو پھر:۔

قال فیہ برأیہ (مسند دارمی ج۱ ص۵۹ طبع دمشق ومستدرک حاکم ج۱ ص۱۲۷ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح ونحوہ فی سنن الکبریٰ ج۱ ص۱۱۵)

اس میں اپنی رائے سے عمل کرتے۔

حضرت زیدؓ بن ثابت (المتوفی ۴۵ھ) نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ مل سکے تو پھر سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے موافق فیصلہ صادر کرو اور اگر سنّت میں بھی حکم نہ مل سکے تو پھر:۔

فادع اھل الرأی ثم اجتہد واختر لنفسک ولا حرج۔ (سنن الکبریٰ ج۱ ص۱۱۵)

تم اہل الرائے کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لیے (مناسب حکم) اختیار کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (المتوفی ۵۲ھ) کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ

جملہ بھی لکھا تھا کہ :۔

فیما یختلج فی صدرك مما لم یبلغك فی القرآن والسنۃ فتعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور عند ذالك اھ (سنن الکبریٰ ج۱۰ ص۱۱۵) — اگر کوئی ایسا مسئلہ تیرے دل میں تردّد کا ذریعہ بنے جس میں قرآن و سنت سے روشنی نہ پڑتی ہو تو امثال و نظائر کو پہچان کر اس وقت ان امور کو قیاس کرو۔

یعنی اصل اور مقیس علیہ کی مثال اور نظیر پیش نظر رکھو اور فرع اور مقیس کے اندر علت اور وجہ تلاش کرو، اگر اصل کی علت اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی کڑی اس سے ملا کر اصل کا حکم فرع میں ثابت کرو، اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) نے قاضی کے لیے پانچ شرطیں لگائی ہیں کہ :۔

یکون عالماً بما کان قبلہ۔ مستشیراً لذی الرّای۔ ذا نزھۃ عن الطمع۔ حلیماً عن الخصم۔ محتملاً للائمۃ۔ (سنن الکبریٰ ج۱۰ ص۱۱۷) — وہ ان امور کا عالم ہو جو پہلے گزر چکے ہوں، رائے والے سے مشورہ لینے والا ہو، طمع سے پاک ہو، جھگڑا کرنے والے کے مقابلہ میں حلیم ہو۔ ملامت کو گوارا کر سکتا ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت چھ حضرات کو نامزد کیا تھا کہ یہ حضرات اپنے میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا دیں، ان میں سے پانچ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو اختیار دیدیا کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، انہوں نے پہلے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے علیؓ اگر میں تجھے خلیفہ چن لوں تو بتاؤ کہ تم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے طریقہ پر چلو گے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ :۔

احکم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ واجتہد رائی اھ (شرح فقہ اکبر لملا علی ن القاری ص۹۷ طبع کانپور) — میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

اور حضرت علیؓ جب عراق فتنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو قیسؓ بن عبادؓ نے دریافت کیا کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ :۔

ما عہد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی بابت

بشیئ لکنہ رائ رأیتہ' کچھ نہیں فرمایا لیکن یہ میری اپنی ذاتی رائے ہے جو مجھے سوجھی ہے۔

(ابوداؤد ج۲ ص۲۸۵)

مشہور محقق اور صاحب قلم عالم ابومحمد زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ:۔

ان الحکم بالرائ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مشہور واحتمال الخطأ فی اجتہادہم ثابت اذ لیسوا بمعصومین عن الخطأ الخ (ابوحنیفۃ۔ حیاتہ' ۔ وعصرہٗ ۔ آراؤہ، ص۳۰۸ طبع مصر از محمد ابوزہرہ)

رائے کے مطابق حکم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ سے مشہور ہے اور ان کے اجتہاد میں بھی خطاء کا احتمال ثابت ہے کیونکہ وہ خطاء سے معصوم تو نہ تھے۔

حضرت حبابؓ بن منذر کی بدر کے موقع پر رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے پسند فرماکر قبول فرمائی تھی (مستدرک ج۳ ص۴۲۷)

اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بڑے صاحب الرائے تھے چنانچہ لوگ ان کو مغیرہ الرائی کہتے تھے۔ (مستدرک ج۳ ص۴۴۷)

الغرض غیر منصوص مسائل میں حضرات صحابہ کرامؓ نے جہاں رائے اور اجتہاد سے کام لیا ہے اگر ان کو جمع کیا جائے تو اچھا خاصا دفتر تیار ہوسکتا ہے، مگر ہمارا مقصد دلائل اور براہین کا استیعاب نہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ قرآن وحدیث اور اجماعی مسائل کے بعد رائے اور قیاس سے کام لینا خود مرفوع اور صحیح حدیث اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ثابت ہے اور جمہور امت بھی اس کی قائل ہے۔ پھر رائے اور قیاس کی مذمت اور اہل الرائے اور صاحب قیاس کی توہین وتذلیل کیونکر قابل سماعت ہوسکتی ہے؟

نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"وخلاف در قیاس شرعی است۔ جمہور از صحابہؓ وتابعینؒ وفقہاء ومتکلمینؒ بآں رفتہ کہ اصلی از اصول شریعت است استدلال میسرود بدل براحکام واردہ بسمع وظاہریہ انکارش کردہ اند"

قیاس شرعی کے بارے اختلاف ہے، جمہور صحابہ کرامؓ تابعینؒ فقہاء، اور متکلمینؒ اس طرف گئے ہیں کہ قیاس اصول شریعت میں ایک اصل ہے جو احکام سماعت سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں قیاس سے استدلال درست ہے

اھ (افادۃ الشیوخ ص۱۲۱) اور اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں۔

اور نواب صاحبؒ قیاس کے حجّتِ شرعی ہونے کے مثبت و منفی دلائل پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"و دلالت سمع بر قیاس نزد اکثر قطعی است و نزد آمدیؒ ظنی ابنِ عبد البرؒ گفتہ نیست خلاف درمیان فقہاء امصار و سائر اہل سنّت در نفی قیاس در توحید و اثبات او در احکام مگر داؤد کہ وے در ہر دو نفی آں کردہ" اھ (ھدایۃ السائل ص۴۱۸)

اور قیاس پر سمعی دلیل کی دلالت اکثر کے نزدیک قطعی ہے اور علامہ آمدیؒ کے نزدیک ظنّی ہے امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ شہروں کے فقہاء اور تمام اہل سنّت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید (یعنی عقائد) میں قیاس نہیں ہوسکتا اور احکام میں قیاس ہوسکتا ہے اور داؤد ظاہریؒ دونوں میں قیاس کی نفی کرتے ہیں۔

مشہور غیر مقلّد اور صاحبِ قلم عالم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ:

"جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعیّن نص موجود نہیں ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جاسکتا ہے کہ قیاس و رائے کی تگ و تاز ان میں مسلّم ہے" اھ (مسئلہ اجتہاد ص۱۰۱)

اِن تمام عبارات اور اقتباسات سے یہ امر آفتابِ نیمروز کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں قرآن و حدیث و اجماع کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ فقہاء نیک فرجامؒ اور متکلّمین ذوالاحترامؒ وغیرہم کے نزدیک قیاس و رائے شرعی حجّت ہے اور توحید وغیرہ عقائد کے بنیادی مسائل کے علاوہ اس سے احکام کا اثبات جمہور اہلِ اسلام اور جملہ اہلِ سنّت کا اتفاقی مسئلہ ہے، ہاں صرف داؤدؒ بن علی الظاہری اور اس قسم کے کچھ حضرات کا اس میں اختلاف ہے مگر جمہور اُمّت کے قولِ منصور کے مقابلہ میں ان کی اس رائے کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ اور دلائل و براہین کی دنیا میں اس کو کون تسلیم کرتا ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ کس وقت رائے قائم کرتے تھے؟

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ قیاس و اجتہاد اور استنباط و رائے سے کام لیتے

تھے لیکن یہ بات نہایت قابلِ غور ہے کہ وہ کس موقع اور محل پہ اور کس وقت ومقام پر قیاس ورائے سے کام لیتے تھے؟ اس لیے ہم اس عنوان میں بھی قدرے تفصیل سے کلام کرنا چاہتے ہیں، غور فرمایئے۔

حضرت ابوحنیفہؒ کا اپنا بیان یہ ہے :۔

آخُذُ بکتاب الله فما لم اجد فبسنّة رسول الله صلی الله علیه وسلّم فان لم اجد فی کتاب الله ولا سُنّة رسول الله صلی الله علیه وسلّم اخذتُ بقول اصحابه آخُذُ بقول من شئت منهم وادع من شئت منهم ولا اخرج من قولهم الی قول غیرهم فاما اذا انتهی الامر وجاء الی ابراهیم والشعبی وابن سیرین والحسن وعطاء وسعید بن المسیب وعدد رجالاً فقوم اجتهدوا فاجتهد کما اجتهدوا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۸)	کہ میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم نہیں پاتا تو سنّت رسول اللہ کو لیتا ہوں اور اگر کتاب و سنّت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرامؓ کے قول کو لیتا ہوں ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن سب حضرات صحابہؓ کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیمؒ شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسنؒ، عطاءؒ، سعیدؒ بن المسیبؒ تک (اور ان کے علاوہ کچھ اور حضرات کے نام بھی گنے) پہنچتا ہے تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

اسی کے قریب قریب الفاظ شیخ الاسلام ابن عبدالبرؒ کے بھی ہیں۔ (الانتقاء ص ۱۴۳) اور مولانا مبارکپوری صاحبؒ نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۲ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن حجر مکیؒ اور ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ان کان فی المسئلة حدیث صحیح تبعه وان کان عن الصحابةؓ والتابعینؒ فکذالک والا قاس فاحسن القیاس۔ (الخیرات الحسان ص ۲۷ واللفظ له وذیل الجواهر ج ۲ ص ۴۷۲)	اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ہوتی تو آپ اس کی اتباع کرتے اور اگر حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ سے اس کا حکم ملتا تو ان کی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور عمدہ قیاس کرتے۔

علامہ ذہبیؒ امام یحییٰؒ بن معینؒ کے طریق سے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ :۔

آخُذُ بکتاب الله فما لم اجد فبسنّة رسول	میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں، اگر اس میں

الله والآثار الصحاح عنه التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات فان لم اجده فبقول اصحابه اخذ بقول من شئت واما اذا انتهی الامر الی ابراهیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتهد کما اجتهدوا۔
(مناقب ابی حنیفہؒ ص۲ طبع مصر للذہبیؒ)

حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن آثار صحیحہ پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے ثقہ راویوں میں پہنچ کر پھیل چکے ہوں، اگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوتی تو میں آپ کے حضرات صحابہؓ کے اقوال میں سے جس کو پسند کرتا ہوں لے لیتا ہوں اور جب نوبت ابراہیمؒ، شعبیؒ، حسنؒ اور عطاءؒ تک پہنچتی ہے تو انہوں نے بھی اجتہاد کیا اور میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ، امام ابن حجر مکیؒ اور امام سیوطیؒ امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابی هو وامی فعلی الرأس والعین وماجاء عن اصحابه تخیرنا وماجاء عن غیرهم فهم رجال ونحن رجال (میزان ج ۱ ص۲۹ طبع مصر اللفظ لہ والخیرات الحسان ص۲۷ وتبییض الصحیفہ ص۲۷)

کہ جو حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں تو وہ سر اور آنکھوں پر اور جو چیز آپ کے حضرات صحابہؓ سے آئے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر غیر صحابہؓ سے آئے تو وہ بھی ہماری طرح کے انسان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت امام صاحبؒ بھی بالاتفاق رؤیت کے اعتبار سے تابعی ہیں اس لحاظ سے تابعینؒ کے ساتھ ان کی تفقہ و اجتہاد میں مزاحمت اور علمی اور تحقیقی رسہ کشی کوئی قابلِ انکار بات نہیں ہے اور ھم رجال ونحن رجال کہنا کوئی بے موقع اور بے محل امر نہیں ہے، اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی اس کے قریب الفاظ نقل کیے ہیں (الانتقاء ص۱۴۴ طبع مصر)

ابو حمزہ السکریؒ کا بیان ہے کہ

سمعت ابا حنیفةؒ یقول اذا جاءنا الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذنا به واذا جاءنا عن الصحابةؓ تخیرنا واذا جاء نا عن

میں نے امام ابو حنیفہؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچتی ہے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جب ہمارے پاس

التابعين زاحمناهم. (الانتقاء ص۱۴۳ طبع مصر لابن عبد البرؒ واللفظ له وتبييض الصحيفة ص۲۶ والجواهر المضية ج۲ ص۴۹۹)

حضرات صحابہؓ کے اقوال آتے ہیں تو ان میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ہمارے پاس تابعینؒ کے اقوال آتے ہیں تو ہم ان سے علمی مزاحمت کرتے ہیں

اور حضرت ملا علی القاریؒ امام صاحبؒ کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ :۔

ماجاء عن الله ورسوله لا نتجاوز عنه وما اختلف فيه الصحابة اخترناه وما جاء عن غيرهم اخذنا وتركنا (ذيل الجواهر ج۲ ص۴۷۳)

جو حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں پہنچا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس چیز میں حضرات صحابہؓ کا اختلاف ہوتا ہے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو چن لیتے ہیں اور غیر کے اقوال کو لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی ہیں۔

اور مولیٰ احمدؒ بن مصطفیٰؒ امام صاحبؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ :۔

ماجاءنا عن الصحابة فعلى الرأس والعين وما جاءنا عن التابعين فهم رجال ونحن رجال (مفتاح السعادة ج۲ ص۶۳)

جو چیز ہمارے پاس حضرات صحابہؓ سے پہنچتی ہے تو اس کو ہم سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو تابعینؒ سے آتی ہے سو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں۔

امام ابن حجر مکیؒ اور ملا علی القاریؒ ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ :۔

ليس لاحد ان يقول برائيه مع كتاب الله تعالى ولا مع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا مع ما اجمع عليه اصحابه (الخيرات الحسان ص۲۷ واللفظ له وفي لفظ القارئ او اجماع عن الامة ذيل الجواهر ج۲ ص۴۷۳)

کسی شخص کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے مقابلے میں رائے کا کوئی حق حاصل نہیں اور اسی طرح جس چیز پر حضرات صحابہؓ کا (اور امت) کا اجماع واقع ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں بھی کسی کو رائے پیش کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

ان تمام واضح اور روشن اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات آشکارا ہو گئی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نہ تو کتاب وسنت اور اقوال حضرات صحابہؓ سے بے نیاز تھے اور نہ منکر بلکہ صاف طور پر وہ کھلے لفظوں میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اپنی رائے اور قیاس سے کام لیتا ہوں جب قرآن وحدیث اور اقوال حضرات صحابہؓ میں مجھے کسی حکم پر روشنی پڑتی نظر

نہیں آتی ما اب اہلِ علم ہی انصاف سے فرمائیں کہ ایسے موقع پہ محدث کامل فقیہ دوران اور عالمِ ربّانی کو کیا کرنا چاہیئے تھا؟ آیا کنجِ عافیت اور زاویۂ خمول میں خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیئے تھا؟ یا اپنی خداداد بصیرت، علمی تفوق اور فقہی بصیرت کے تحت مشکل مسائل اور نوازل کی کھتی سلجھانی چاہیئے تھی؟ اور اگر انہوں نے وقت کی اس اہم ضرورت کو اپنے ناخنِ تدبیر و تفقہ سے حل کر کے امتِ مرحومہ پہ احسان کیا ہے تو اس کی وجہ سے کیا وہ دادِ تحسین کے مستحق ہیں یا باعثِ نفرین ہیں؟ ؎

وہ ایک عالم جسے جہاں نے خراجِ تحسین لوا کیا ہے
وہ ایک مومن جو لطفِ خالق کی برکتوں سے قمر بنا ہے

امام موصوفؒ کے زمانہ میں بھی بعض کم فہم یا متعصب لوگوں نے ان کو رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے طعنہ دیا تھا جس کا جواب امام موصوفؒ نے یوں دیا کہ:۔

عجبا للناس يقولون افتی بالرّایٔ ما افتی الا بالاثر (الخیرات الحسان ص۲۷ و تبییض الصحیفه ص۲۸ والجواهر المضیه ج۲ ص۲۰۲)

لوگوں پہ تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

حضرت عبداللہؒ بن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

لا تقولوا رائی ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ولکن قولوا انه تفسیر الحدیث۔ (ذیل الجواهر ج۲ ص۴۶۰)

تم یہ نہ کہا کرو کہ ابو حنیفہؒ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا کرو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے۔

امام عبداللہؒ بن المبارکؒ ہی فرماتے ہیں کہ:۔

لیکن الّذی تعتمد علیه الاثر وخذ من الرّائی ما یفسر لك الحدیث (جامع بیان العلم ج۲ ص۱۳۲)

تیرا اعتماد حدیث پر ہونا چاہیئے اور رائے و فہم سے اتنا حصّہ ضرور حاصل کر جو تیرے لیے تفسیرِ حدیث میں ممد ہو۔

امام صدر الائمہ مکیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہؒ بن المبارکؒ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ:۔

علیکم بالاثر ولابد للاثر من ابی حنیفۃ فیعرف به تاویل الحدیث ومعناہ اھ (مناقب موفق ج۲ ص۵۳)

حدیث واثر کا لینا تم پر لازم ہے لیکن اثر کے لیے امام ابوحنیفہؒ کی ضرورت ہے تاکہ ان کی وجہ سے حدیث کی تفسیر اور اس کا معنیٰ سمجھا جا سکے۔

اور علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہؒ بن المبارکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرائ فرائ مالکؒ وسفیانؒ وابی حنیفۃؒ وابوحنیفۃؒ احسنہم وادقہم فطنۃً واغوصہم علی الفقہ وھو افقہ الثلاثۃ اھ (بغدادی ج۱۳ ص۳۴۳)

اگر اثر وحدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت پیش آئے تو امام مالکؒ، امام سفیانؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیئے اور ابوحنیفہؒ ان سب میں فقہ کی تہ تک پہنچنے والے اور ان تینوں میں بڑے فقیہ تھے۔

یہ رائے کبھی تو حدیث کے منطوق کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی مفہوم کے موافق۔ اگر حدیث سے اس طرز استدلال کا کسی نے اندازہ لگانا ہو تو وہ حضرت امیرالمومنین فی الحدیث امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کے ابواب وتراجم سے لگا سکتا ہے کہ بعض مقامات میں حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ جیسے اساطین حدیث وفقہ بھی حدیث اور ترجمۃ الباب کی تطبیق کرنے میں حیران وششدر رہ جاتے ہیں اور توجیہ پر توجیہ کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر دعویٰ اور دلیل کی مطابقت نظر نہیں آتی۔ مگر نہایت باریک بینی سے کام لیا جائے تو ہوتی ضرور ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ فقہ البخاریؒ فی الابواب والتراجم۔

انتہائی تأسف کی بات ہے کہ اگر کوئی ایسی ہی دقیق اور باریک فقہی دلیل حضرت امام ابوحنیفہؒ کسی حدیث سے استنباط کرتے ہیں تو جھٹ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث کے مخالف ومنکر ہیں اور علمی ترکش اس مقام میں توجیہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور بدگمانی اور سوءِ ظن کا تلاطم خیز سمندر سینوں اور سفینوں میں اُبلنے لگتا ہے اور جی بھر کر کہنے والے اَن کہنی باتیں کہہ گزرتے ہیں۔

مشہور محدث علیؒ بن خشرمؒ (المتوفی ۲۵۷ھ جو ثقہ تھے، تہذیب ج۷ ص۳۱۶) کا بیان ہے کہ :-

کنا فی مجلس سفیان بن عیینۃؒ فقال یا

ہم امام سفیانؒ بن عیینہؒ کی مجلس میں تھے انہوں نے

اصحاب الحدیث تعلموا فقه الحدیث لئلا یقہرکم اصحاب الرائ ما قال ابوحنیفۃ شیئًا الّا ونحن نروی فیہ حدیثا او حدیثین لہ (معرفت علوم الحدیث ص۶۶ طبع القاہرہ)	فرمایا کہ اے اصحاب الحدیث تم حدیث میں تفقہ پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحاب الرائے تم پر غالب آجائیں امام ابوحنیفہ رح نے کوئی چیز ایسی نہیں کہی جس میں ہم ایک یا دو حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں۔

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ اصحاب الرائے کا کام تفقہ فی الحدیث رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام سفیانؒ بن عیینہؒ اصحاب الحدیث کو اصحاب الرائے کی طرح تفقہ فی الحدیث کی ترغیب دے رہے ہیں اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ جو کچھ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے اس میں بقول امام سفیانؒ بن عیینہؒ ایک یا دو حدیثیں موجود ہیں، اس سے زیادہ امام صاحبؒ کی رائے و فقہ کے حدیث کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل درکار ہے کہ امام حدیث اس کی تائید کرتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رح نے جو کچھ کہا ہے ہم اس میں ایک یا دو حدیثیں روایت کرتے ہیں گویا امام صاحبؒ کا قیاس و اجتہاد عین حدیث کے مطابق نکلا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ قرآن و حدیث کی موجودگی میں اور حضرات صحابہؓ کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز رائے اور قیاس سے کام نہ لیتے تھے اور نہ ان کی رائے احادیث و آثار سے بے نیاز ہوتی تھی۔ امام ابو القاسم غسانؒ بن محمدؒ بن عبداللہؒ بن سالم التمیمیؒ (المتوفی سنہ...) نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے کہ :۔

وضع القیاس ابوحنیفۃ کلہ	فاتی باوضح حجۃ و قیاس
تمام قیاس کی بنیاد ابوحنیفہؒ نے رکھی ہے	اور اس میں انہوں نے واضح حجت اور قیاس سے کام لیا ہے
وبنیٰ علی الآثار راس بنائہ	فاتت غوامضہ علی الاساس
اور انہوں نے اپنے قیاس کی عمارت احادیث پر رکھی ہے	اس لیے اس کی باریکیاں مضبوط بنیاد پر کھڑی ہیں

باوجودیکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے و قیاس کی بنیاد قرآن و سنّت اور حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماعی مسائل پر قائم ہے اور باوجود اس کے کہ امّت کی اکثریت ان کی اصابت رائے کی تعریف کرتی اور ان پر اعتماد کرتی ہے۔ معہذا ان کی وسعتِ نظری اور علم دوستی کا حال یہ تھا کہ وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے تھے کہ :۔

هذا الذی نحن فیه رأی لا نُجْبِرُ احدًا علیه ولا نقول یجب علی احد قبوله بکراهیة فمن کان عنده شیئ احسن منه فلیأت به اھ (الانتقاء ص۱۴۰ واللفظ له، والخیرات الحسان ص۲۷)

یہ جو ہم نے اختیار کی ہے رائے ہے ہم اس پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ کہتے ہیں کہ بکراہت اس کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے، اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ اس کو لے آئے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

هذا رأئی وهو احسن ما قدرنا علیه فمن جاءنا باحسن من قولنا فهو اولیٰ بالصواب منا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۵۲)

یہ وہ اچھی رائے ہے جس پر ہم قادر ہوئے ہیں اور جو شخص ہمارے قول سے بہتر قول ہمارے پاس لائے تو وہ ہمارے قول سے زیادہ اولیٰ اور بہت درست ہوگا۔

اور امام شعرانیؒ ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:-

وکان اذا افتٰی یقول هذا رأئ ابی حنیفةؓ وهو احسن ما قدرنا علیه فمن جاء باحسن منه فهو اولیٰ بالصواب اھ (میزان ج ۱ ص۵۰ طبع مصر)

جب وہ فتویٰ دیا کرتے تھے تو صاف فرماتے تھے کہ یہ ابوحنیفہؒ کی رائے ہے جس پر ہم عمدگی کے ساتھ قادر ہوئے ہیں جو شخص اس سے بہتر رائے پیش کرے تو اس کی رائے زیادہ قابلِ قدر ہوگی۔

اندازہ کیجئے اس بے نفسی اور تواضع کا کہ اپنی رائے کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ اپنی رائے بجبر و کراہت کسی کے گلے میں مڑھنا چاہتے ہیں، بایں ہمہ تقریباً نصف امّت سے زیادہ حضرات نے ہر دور میں ان کی رائے کو محض اس لیے قبول کیا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد پوری امّت میں ان کی رائے سے بہتر رائے کسی کی ان کو نظر نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ چوٹی کے محدّثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی پیروی کرتے رہے ہیں جیسا کہ یہ اپنے مقام پر مصرّح ہے۔

الحاصل بلاشک امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب اہل الرائے ہیں مگر مذموم اور قبیح رائے کا انھوں نے ہرگز ارتکاب نہیں کیا اور نہ فی نفسہٖ اہل الرائے ہونا کوئی موجبِ تنقیص امر اور باعثِ

توہین صفت ہے۔ ہاں اگر کوئی جاہل یا متعصب اخلاقی پستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا تشریح کے چھوڑتے ہوئے رائے اور اہل الرائے کی تذلیل کرتا یا ان سے عداوت و دشمنی رکھتا ہے تو اس کا علاج اِس جہان میں کچھ نہیں ہو سکتا، آنے والے جہان ہی میں اس کی قلعی کھُلے گی اِنْشَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز۔

چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم انه يتعين عليك ان لا تفهم من اقوال العلماء عن ابی حنيفةؒ واصحابه انهم اصحاب الرّای ان مرادهم بذالك تنقيصهم ولا نسبتهم الی انهم يقدمون رايهم علی سنّة رسُول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلّم ولا علی قول اصحابهؓ لانهم برآء من ذالك فقد جاءعن ابی حنيفةؒ من طرق كثيرة ما ملخصه انه اولا يأخذ بما فی القرآن فان لم يجد فبالسنة فان لم يجد فبقول الصحابةؓ فان اختلفوا اخذ بما كان اقرب الی القرآن او السنّة من اقوالهم ولم يخرج عنهم فان لم يجد لاحد منهم قولًا لم يأخذ بقول احد من التابعين بل يجتهد كما اجتهدوا - اھ

(الخيرات الحسان ص۲۶ و ص۲۷ طبع مصر)

تجھے جاننا چاہیئے اور تم پر یہ بات لازم ہے کہ تم علمأ کے ان اقوال سے جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے کہا ہے یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے ان کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان کی اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنّت رسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے حضرات صحابہؓ کے قول پر مقدم کرتے ہیں حاشا وکلّا وہ اس سے بالکل بری اور بیزار ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہؒ سے متعدد طرق سے یہ آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتے تھے، اگر اس میں ان کو حکم نہ ملتا تو سنت پر عمل کرتے تھے، اگر سنّت بھی نہ ملتی تو حضرات صحابہؓ کا قول لیتے، اگر حضرات صحابہؓ کا اختلاف ہوتا تو ان کا جو قول قرآن یا سنّت کے قریب تر ہوتا اس کو لے لیتے اور ان کے قول سے خارج نہ ہوتے اور اگر حضرات صحابہؓ کا قول بھی ان کو نہ ملتا تو تابعینؒ کا قول نہ لیتے بلکہ جیسا کہ انہوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح وہ خود بھی اجتہاد کرتے تھے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم ومدلول میں بالکل واضح ہے، مزید کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے

امام عبدالوہاب شعرانی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام ابی حنیفۃ الی انہ یقدم القیاس علی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم ان ھذا الکلام صدر من متعصب علی الامام متھور فی دینہ غیر متورع فی مقالہ غافلاً عن قولہ تعالی ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا اھ

(میزان جلد ا ص۵۱ طبع مصر)

یہ فصل ان لوگوں کی بات کو ضعیف بتانے میں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر مقدم کرتے ہیں جاننا چاہیئے کہ یہ کلام امام موصوفؒ کے بارے میں اس شخص سے صادر ہوا ہے جو متعصب ، دین میں بے باک اور گفتگو میں پرہیز کرنے والا نہیں ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے غافل ہے کہ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں اس سے پوچھ ہوگی ۔

اور اس پر اچھی خاصی بحث کرنے کے بعد آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

فعلم من جمیع ما قررناہ ان الامام لم یقس ابداً مع وجود النص کما یزعمہ المتعصبون علیہ وانما یقیس عند فقد النص اھ

(میزان ج ا ص۵۲)

ہم نے جو بحث کی ہے اس سے بخوبی یہ معلوم ہو گیا ہے کہ امام موصوفؒ نص کی موجودگی میں کبھی قیاس نہیں کرتے تھے جیسا کہ متعصبین نے ان پر یہ الزام تھوپا ہے ، ہاں وہ اس وقت قیاس کرتے تھے جب نص موجود نہیں ہوتی تھی ۔

اور پھر آگے رقمطراز ہیں کہ :۔

فاولھم تبریا من کل رأی یخالف الشریعۃ الامام الاعظم ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ خلاف ما یضیفہ الیہ بعض المتعصبین ویا فضیحتہ یوم القیامۃ من الامام اذا وقع الوجہ فی الوجہ اھ (میزان ج ا ص۵۸)

ان ائمہؒ میں سے سب سے پہلے نمبر پر ہر ایسی رائے سے جو شریعت کے مخالف ہو بیزار ہونے والے امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں برعکس اس کے کہ جو خیال متعصب لوگ ان کی طرف نسبت کرتے ہیں کیا ہی رسوائی ہوگی ایسے متعصب کی قیامت کے دن جب کہ وہ امام صاحب کے رو در رو ہوگا ۔

لُطف کی بات یہ ہے کہ امام موصوفؒ اور آپ کے اصحابؒ کی یہ صفائی پیش کرنے والے حنفی نہیں تاکہ مذہبی تعصب یا ہٹ دھرمی کا الزام ان پر عائد کرکے ان کی تصریحات کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ حضرات شافعی المسلک ہیں اور امام شعرانیؒ تو وہ بزرگ ہیں جن کی متعدد عبارات سے مولانا میر صاحبؒ نے تاریخ اہلحدیث میں اور مؤلف نتائج التقلید نے (مثلاً دیکھئے ص۳ وغیرہ) استدلال و احتجاج کیا ہے، اور ان کے علم و دیانت پر کُلّی اعتماد کیا ہے۔

یہی امام شعرانیؒ باوجود شافعی ہونے کے احنافؒ کے دلائل و براہین کی قوت سے متأثر ہو کر ببانگِ دُہل یہ فرماتے ہیں کہ:۔

فصل فی تضعیف قول من قال ان ادلة مذهب الامام ابی حنیفة ضعیفة غالباً اعلم یا اخی انی طالعت بحمد الله تعالی ادلة المذاهب الاربعة لاسیما ادلة مذهب الامام ابی حنیفة رضی الله عنه فانی خصصته بمزید اعتناء وطالعت علیه کتاب تخریج احادیث الهدایة للحافظ الزیلعیؒ وغیره من کتب الشروح فرأیت ادلته رضی الله عنه وادلة اصحابه ما بین صحیح او حسن او ضعیف کثرت طرقه حتی لحق بالحسن او الصحیح فی صحة الاحتجاج به من ثلاثة طرق واکثر الی عشرة اھ

(میزان ج ۱ ص۵۸ طبع مصر)

یہ فصل ان لوگوں کے اس قول کی تضعیف میں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابُوحنیفہؒ کے مذہب کے دلائل غالباً ضعیف ہیں اے میرے بھائی تو جان لے کہ بے شک میں نے بحمداللہ تعالیٰ مذاہب اربعہ کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے اور خصوصیت سے امام ابُوحنیفہؒ کے مذہب کے دلائل کا سو میں نے ان کے مذہب کو دلائل کے مزید اہتمام کے ساتھ دیکھا ہے چنانچہ میں نے احادیثِ ہدایہ کی تخریج میں حافظ زیلعیؒ کا نصب الرایہ اور اسی طرح اور کتبِ شروح دیکھی ہیں، میں نے امام صاحبؒ اور ان کے اصحابؒ کے ادلہ ملاحظہ کئے ہیں جو صحیح یا حسن حدیث کی طرف راجع ہیں یا ایسی ضعیف حدیثیں ہیں جو کثرت طرق کی وجہ سے حسن یا صحیح کے ساتھ جا ملتی ہیں اور تین سے دس طرق تک سے مروی ہیں جن سے احتجاج صحیح ہوتا ہے۔

امام شعرانیؒ ہی لکھتے ہیں کہ:۔

وانه ما طعن احد فی قول من اقوالهم الا

جس شخص نے ان ائمہؒ کے کسی قول پر طعن کیا ہے تو محض

لجهله به اما من حيث دليله واما من حيث دقة مداركه عليه لا سيما الامام الاعظم ابوحنيفةؒ النعمان بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنه الذى اجمع السلف والخلف علىٰ كثرة علمه وورعه وعبادته ودقة مداركه و استنباطاته اھ (میزان جلد ۱ ص۵۹)

جہالت کی وجہ سے کیا ہے، یا تو وہ دلیل کو نہیں سمجھ سکا اور یا وہ وجوہِ قیاس کی باریکی کو نہیں سمجھ سکا خاص کر امام اعظم ابوحنیفہؒ پر طعن تو قابلِ التفات ہی نہیں کیونکہ سلف وخلف ان کے کثرتِ علم، ورع، عبادت وجوہ قیاس ومدارک اور استنباطات کی دقت اور باریکی پر متفق رہے ہیں۔

مشہور محدث ابوبکر الآجریؒ (المتوفی ۳۶۰ھ) نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بعض سے یہ نقل کیا تھا کہ نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث۔ اس قول کو نقل کرکے امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ:

فان الحس لا يصدق هذا القائل فيما قاله فى حق الامام ابى حنيفةؒ وقد تتبعت بحمد الله اقواله واقوال اصحابه لما الفت كتاب ادلة المذاهب فلم اجد قولا من اقواله او اقوال اتباعه وهو مستند الىٰ اية او حديث او اثر او مفهوم ذالك او حديث ضعيف كثرت طرقه او الى قياس صحيح علىٰ اصل صحيح الخ (میزان ج ۱ ص۵۵)

اس قائل نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے حس اس کی تصدیق نہیں کرتی کیونکہ میں نے بحمد اللہ تعالیٰ جب کتاب ادلۃ المذاہب تالیف کی تو اس وقت امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے دلائل دیکھے ہیں میں نے ان کا اور ان کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں دیکھا جو آیت یا حدیث یا اثر یا اس کے مفہوم یا ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہوں یا کسی ایسے قیاس کی طرف مستند نہ ہو جو اصل صحیح پر مبنی ہے۔

اگر یہ حوالہ کسی حنفی عالم کا ہوتا تو مشہور کہاوت کے مطابق گھر کی مرغی دال برابر کہہ کر اس کو ٹھکرایا جاسکتا ہے مگر یہ حوالے تو امام عبدالوہابؒ کے ہیں جو بقول میر صاحبؒ کے شافعی تھے لیکن بہت متادب (حاشیہ تاریخ اہلحدیث ص۱۱۵) اور یہ بیان بھی وہ مذاہب اربعہ کے دلائل کا موازنہ کرنے کے بعد دیتے ہیں۔

خبرِ واحد قیاس پر مقدم ہے۔

فقہاء احناف کثّر اللہ جماعتہم کی یہاں تک تصریحات موجود ہیں کہ خبرِ واحد قیاس پر مقدم ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مستند اور متداول کتاب درمختار (مصنفہ علامہ علاؤ الدین محمدؒ بن علی الحصکفی الحنفیؒ المتوفی ۱۰۸۸ھ) اور اس کی شرح ردمختار (مؤلفہ علامہ محمد امین الشامیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ) میں فقیہانہ انداز سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

وقف علی اصحاب الحدیث لا یدخل فیه الشافعی اذا لم یکن فی طلب الحدیث ویدخل الحنفی کان فی طلبه اولا۔	اگر کسی شخص نے اصحاب الحدیث پر کوئی چیز وقف کی تو شافعی المسلک اس میں داخل نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ حدیث کی طلب نہ کرتا ہو اور حنفی اصحاب الحدیث کے زمرہ میں داخل ہے عام اس سے کہ وہ طلب حدیث میں مصروف ہو یا نہ ہو۔

اور اس کی دلیل اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:-

لکونه یعمل بالمرسل ویقدم خبر الواحد علی القیاس (ردالمحتار ج۳ ص۲۶۹)	اس لیے کہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتا ہے اور خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم سمجھتا ہے (لہذا وہ اہلحدیث کا اولین مصداق ہے)

اس عبارت سے جہاں صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ خبرِ واحد قیاس پر مقدم ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر مطلقاً اصحاب الحدیث کا لفظ بولا جائے تو اس سے احناف ہی مراد ہوں گے کیونکہ وہ مرسل حدیث کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور شافعی المسلک مرسل کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام احادیث کو ماننے والے ہی اہل حدیث ہوں گے اگرچہ وہ طلب حدیث میں مصروف نہ بھی ہوں کیونکہ وہ اصولاً سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اگر شافعی المسلک حضرات طلب حدیث میں مشغول ہوں تو اس وجہ سے وہ بھی اصحاب الحدیث کا مصداق ہو سکتے ہیں اور وقف کے حقدار ہیں۔ مرسل حدیث کے حجت ہونے کے بارے میں ہم نے اپنی مبسوط کتاب احسن الکلام میں باحوالہ بحث عرض کر دی ہے وہاں ہی اس کا مطالعہ کر لیجیے۔

انتہائی حیرت اور سخت تعجب کی بات ہے کہ زمانۂ حال کے نو ایجاد فرقہ نے اہلحدیث کا لقب دوسروں کے گھروں سے چھین کر اپنے لیے الاٹ کر رکھا ہے اور ان کو اصحاب الحدیث یا اہل حدیث کہنے اور لکھنے پر بھولے سے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اپنے مقام پر اس کی بحث آئے گی اِنْشَاءَ اللہ الْعَزِیْز مگر انقلابِ زمانہ اور رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ غیر مقلدین کا تعصب بھی عروج پر ہے۔ باقی رہا غیر مقلّدین حضرات کا یہ بے جا وہم کہ حنفی صحیح حدیث کے مخالف ہیں یا وہ اس وقت بھی اپنے امام کے قول کو اخذ کرتے ہیں جب کہ اس کے خلاف کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو یہ صرف ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور بس، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ الحنفی تقلید واجب اور حرام کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے تقلیدِ واجب کی نشانی بتاتے ہیں کہ:۔

وامارة هذا التقليد ان يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط بكونه موافقا للسنّة فلا يزال متفحصا عن السنّة بقدر الامكان فمتى ظهر حديث يخالف قوله هذا اخذ بهذا الحديث واليه اشار الائمة (عقد الجيد ص۸۴ طبع لاهور)

اور اس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ مقلد کا عمل مجتہد کے قول پر اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ سنّت کے موافق ہو اور وہ بقدرِ امکان سنّت کا متلاشی ہو۔ جب اس قول کے خلاف حدیث ظاہر ہو جائے جو اس قول کے مخالف ہو تو حدیث پر عمل کرے اور اسی کی طرف آئمہ نے اشارہ کیا ہے۔

اور تقلید حرام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

فان بلغه حديث واستيقن بصحته ولم يقبله لكون ذمّته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد ليس فيه شاهد من النقل والعقل وما كان احد من القرون السابقة يفعل ذالك (عقد الجيد ص۸۵)

اگر اس کو حدیث پہنچ جائے اور اس کی صحت کا اُسے یقین بھی آجائے مگر بایں ہمہ وہ اس کو اس لیے قبول نہیں کرتا کہ اس کا ذمّہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ اعتقاد فاسد اور کھوٹا قول ہے اور نقل و عقل اس کی شہادت نہیں دیتے اور قرونِ ماضیہ میں ایسا کوئی نہیں کرتا تھا۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذہب عمل بالحدیث ویکون ذالک مذہبہ ولا یخرج مقلدہ من کونہ حنفیا بالعمل بہ فقد صح عنہ انہ قال اذا صح الحدیث فہو مذہبی۔ (شامی ج ۱ ص ۵ طبع مصر)

جب حدیث صحیح ثابت ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے اور حدیث پر عمل کرنا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرنا ہے اور اس وجہ سے ان کا مقلد حنفی ہونے سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام صاحبؒ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے (انہوں نے فرمایا) کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور حضرت ملا علی بن القاریؒ احنافؒ کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ:۔

ان مذہبہم القوی تقدیم الحدیث الضعیف علی القیاس المجرّد الذی یحتمل التزییف (مرقات ج ۱ ص ۳ طبع مصر)

احنافؒ کا قوی مذہب یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث کو بھی محض قیاس پر جو تزییف و کمزوری کا احتمال رکھتا ہو مقدم سمجھتے ہیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو حضرات حدیثِ ضعیف کو بھی قیاس مجرّد پر مقدم سمجھتے ہوں ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو ترک کر دیتے ہوں گے؟ باقی اگر کسی حنفی عالم کے کسی غلط استدلال سے یہ تاثر پیدا کر لیا گیا ہو تو یہ بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ جب ہم حضراتِ مجتہدین کو معصوم عن الخطاء تسلیم نہیں کرتے تو غیر مجتہد کو یہ مقام کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ اور نہ ایسی خطاؤں پر حنفی مسلک کا مدار ہے کیونکہ بات ایسے اجتہاد اور قیاس کی ہو رہی ہے جو صحیح ہو۔

ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے۔

علماء احنافؒ نے حدیث کے بارے میں جو احتیاط کی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی یہ الگ بات ہے کہ دائرۂ تحقیق میں رہ کر ان سے علمی مناقشہ کیا جا سکتا ہے اور ان کی عائد کردہ شرطوں میں شدت اور سہل انگاری پر گرفت کی جا سکتی ہے، یہ علمی میدان ہے اور اس میں انصاف و دیانت کے ساتھ ہر اہلِ علم کو اختلاف رائے رکھنے کا حق حاصل ہے مگر امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقال ابن حزمؒ جمیع اصحاب ابی حنیفةؒ مجمعون علی ان مذہبہ ان ضعیف الحدیث اولی عندہ من القیاس

(الخیرات الحسان ص۲۷)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ تمام اصحاب امام حنیفہؒ اس پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث امام صاحبؒ کے نزدیک قیاس (و رائے) سے اُولیٰ ہے ۔

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وذکر ابن حزمؒ الاجماع علی ان مذہب ابی حنیفةؒ ان ضعیف الحدیث اولی عندہ من الرأی والقیاس اذا لم یجد فی الباب غیرہ (دلیل الطالب ص۸۸۷)

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع واقع ہو چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس و رائے سے اولیٰ ہے جب کہ اس باب میں اس کے بغیر اور کچھ نہ مل سکے ۔

کیسے اور کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہی یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی قیاس و رائے سے اولیٰ ہے اور اس پر علامہ ابن حزمؒ جیسے وسیع النظر محقق عالم اجماع نقل کرتے ہیں تو ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں رائے قائم کرتے ہیں اور بایں معنی وہ صاحب الرائے ہیں کہ قرآن وحدیث کو محل استدلال میں در خورِ اعتناء ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) اور ان کا اثاثہ اور دلائل و براہین کی کائنات ہی فقط رائے ہے یہ خیال کس قدر غلط بے بنیاد اور محض جہل و تعصب کی پیداوار ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ۔

چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ اور امام سیوطیؒ مشہور محدث عبداللہؒ بن داؤد الخریبیؒ (المتوفی سنہ ۲۱۳ھ جو الحافظ الامام اور الثقہ تھے جو ا تذکرہ ص۳۰۸) سے نقل کرتے ہیں ۔ انھوں نے فرمایا کہ :۔

الناس فی ابی حنیفةؒ حاسد وجاہل و احسنہم عندی حالًا الجاہل ۔

(بغدادی ج۱۳ ص۳۶۷ وتبییض الصحیفہ ص۲۲)

لوگ ابوحنیفہؒ کے بارے میں حاسد اور جاہل واقع ہوئے ہیں اور میرے نزدیک ان میں سے اچھی حالت والا جاہل ہے ۔

اور امام عبداللہؒ بن المبارکؒ ، قاضی الحسنؒ بن عمارةؒ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ

انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فرمایا کہ:۔ لوگ آپ کے بارے میں محض حسد کی وجہ سے

ومایتکلمون فیك الا حسدًا۔ کلام کرتے ہیں۔

(بغدادی ج ۱۳ ص۳۶۷)

یہ یاد رہے کہ جاہل سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کلام کرنے والے علم ہی سے جاہل ہیں بلکہ جاہل سے مراد یہ ہے کہ باوجود محدث فقیہ اور عالم دین ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے صحیح علم اور طرزِ استدلال اور فقاہت کے انداز سے ناواقف ہوں بایں طور کہ اُن کا زمانہ نہیں پایا ان سے اور اُن کے اصحاب سے تنفر کی بنا پر ان کی کتابیں نہیں دیکھیں یا حاسدین کے غلط پروپگنڈا سے متاثر ہو کر امام صاحبؒ کے علمی مقام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی وغیر ذالك، اس مقام پر الجاہل کے لفظ سے ایسے ہی حضرات مراد ہیں اگرچہ وہ اپنے مقام پر اکابر محدثین اساطین علم اور پایہ کے محققین ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت یحییٰؒ بن معینؒ کے سامنے جب کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کرتا اور برائی کے ساتھ ذکر کرتا تو وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

حسدوا الفتیٰ اذلم ینالوا فضلہ فالقوم اعداء لہ وخصوم

لوگوں نے اس نوجوان سے حسد کیا جبکہ اس کے رتبہ کو نہ پہنچ سکے سو قوم ان کی مخالف اور دشمن بنی ہوئی ہے

کضرائر الحسناء قلن لوجہہا حسدًا وبغیًا انہا لدمیم

جس طرح خوبصورت عورت کی سوکنیں اس کے خاوند سے حسد اور زیادتی کرتی ہوئی یہ کہتی ہیں کہ وہ تو بدصورت ہے

(ذیل الجواہر ج ۲ ص۴۶۸)

حافظ ابن عبدالبر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ونقموا ایضًا علیٰ ابی حنیفۃ الارجاء ومن اھل العلم من ینسب الی الارجاء کثیر لم یعن احد بنقل قبیح ما قیل فیہ کما عنوا بذالك فی ابی حنیفۃ لامامتہ وکان ایضاً مع ھذا یحسد وینسب الیہ ما لیس فیہ و

لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی ارجاء کی وجہ سے بھی عیب جوئی کی ہے اور اہلِ علم میں سے بہت سے حضرات ایسے ہیں جو ارجاء کی طرف نسبت کئے گئے ہیں لیکن جس طرح امام ابوحنیفہؒ کی امامت کی وجہ سے اس میں بُرا پہلو مراد لی گئی ہے، اوروں کے متعلق ایسا

ويمتلق عليه مالا يليق وقد اثنى عليه جماعة من العلماء وفضلوه اھ (جامع بيان العلم ج۲ ص۱۴۸ طبع مصر)

نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں ان کے ساتھ حسد بھی کیا گیا ہے اور ایسی چیزیں تراش تراش کر ان کی طرف نسبت کی گئی ہیں جو ان میں نہ تھیں حالانکہ علماء کی بڑی جماعت نے ان کی تعریف بیان کی ہے اور ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے مرجئہ ہونے کی بحث ہم باحوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔ ان صریح اقتباسات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مثالب اور عیوب تراش تراش کر اور گھڑ گھڑ کر بیان کرنے میں حاسدین کا بھی کافی سے زیادہ دخل ہے اور تاریخی اور ٹھوس واقعات کے پیشِ نظر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور غلط فہمی اور جہالت کی وجہ سے ان کے بارے میں غیر صحیح نظریہ قائم کرنا تو ڈھکی چھپی بات ہی نہیں ہے۔ اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ فہم و بصیرت اور دیانت سے صرفِ نظر کر کے کوئی شخص امام صاحبؒ کا مقام نہیں سمجھ سکتا ؎

بھٹکتا ہی رہے گا اپنی منزل پر نہ پہنچے گا
نہیں ہیں رہروی سے جس کی آدابِ سفر پیدا

اور اس میں امام ابوحنیفہؒ ہی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جس کے ساتھ بھی ضد و عداوت ہوتی ہے یا جس کے علمی تفوق اور کمال کے ساتھ حسد ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایسی کاروائیاں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قائل کی مُراد کو نہیں سمجھا جاتا اور کوتاہ فہمی کی وجہ سے اس کے ساتھ اختلاف کی نوبت آتی ہے اور غلط کار لوگوں کے ناروا پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر کسی نیک سے نیک آدمی کے متعلق بھی غلط سے غلط نظریہ پیدا ہو جاتا ہے اس پر مستزاد ہے خصوصاً اُس دَور میں جس میں نہ اخبارات تھے نہ ریڈیو اور نہ دیگر بسُرعت خبریں پہنچانے کے ذرائع اور نہ جلدی سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے مواقع ہی آسانی سے دستیاب تھے اور نہ پریس اور مطابع تھے تاکہ بزرگوں کی اپنی کتابیں بکثرت اور بعجلت طبع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آ جاتیں اور وہ اصل کتابوں کو پڑھ کر ان کے

نظریات معلوم کر لیتے الغرض پہلے زمانوں میں تو کسی کے بارے میں غلطی فہمی کا باقی رہ جانا کوئی زیادہ مستبعد امر نہ تھا اس روشن دور میں باوجودیکہ غلطی فہمی کے اسباب کے ازالہ کے لیے بے شمار ذرائع موجود ہیں اگر کوئی شخص بزرگان دین کے نظریات ملاحظہ کر کے بھی اپنی ضد کو ترک نہ کرے تو سوائے متعصب کے اس کو اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تعصب اور ضد سے محفوظ رکھے، اس کے بغیر کوئی اس سے نجات دے ہی نہیں سکتا۔

باب ششم

مذموم رائے

بعض احادیث آثارِ صحابہؓ اور اقوالِ علماء سے رائے کی مذمت اور قباحت بھی ثابت ہے جس سے حقیقت ناشناس متعصب اور خود غرض لوگوں نے بلا کسی تفصیل کے ہر قسم کی رائے کو مذموم ٹھہرانے کی نامبارک سعی کی اور سادہ لوح عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اہل الرائے کی دل کھول کر توہین کی ہے اور اس ناہموار راستہ کے ذریعہ مطلب پرستی کی منحوس منزل تک رسائی حاصل کرنے کی بے جا کوشش کی ہے، اس لیے بہت زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عنوان کو بھی قدرے وضاحت سے پیش کر کے اصل حقیقت کو بے نقاب کریں تاکہ اصلیت کے خوبصورت چہرہ تک پہنچنا دشوار نہ رہے اگرچہ وہ کوئی سرِّ پنہاں نہیں ہے۔ ؎

نقابِ رُخ سے ہر جانب شعاعیں چھوٹ نکلی ہیں
ارے او چھپنے والے، حسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

چنانچہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:۔

ومن قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۹ وقال حسن ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۵)

جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطاء (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۹، ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۵)

اور جس نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور اس کی بات درست بھی نکلی تو اس نے خطا کی۔

اس کی سند میں سہیلؒ بن عبداللہؒ واقع ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ متکلّم فیہ ہے۔ صرف نظر اس کلام سے اس میں کیا شک وشبہ ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر جو خود قرآن وسنّت کی روح کے خلاف ہو اور نری رائے سے ہو اس کے مذموم اور قبیح ہونے میں کیا کلام ہے؟ اور اگر وہ صحیح بھی ہو جائے تو بھی اس لحاظ سے وہ غلط ہے کہ نری رائے سے اقدام کرنا جرم تھا۔

ایک روایت اس طرح آتی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمّت ستّر سے کچھ اُوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تمام فرقوں میں میری اُمّت کے حق میں فتنہ گروہ قوم ہوگی :-

یقیسون الامور برائھم فیحلون الحرام ویحرمون الحلال (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۴۳۰ وقال صحیح علیٰ شرطھما ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۹ وتاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۰۷)

جو امور کو اپنی رائے سے قیاس کرے گی سو وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا کر ہی دم لے گی۔

اس حدیث کے بارے میں حضرت امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا ہے کہ لا اصل لہ (اس کی کوئی اصل نہیں ہے) (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۰۷ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۳۵ وتھذیب التھذیب ج ۱۰ ص ۴۶۰) اور اس کی سند میں نعیمؒ بن حمادؒ واقع ہے جس پر کڑی جرح پہلے نقل کی جاچکی ہے۔ امام حاکمؒ نے اگرچہ اس کو صحیح علیٰ شرطھما کہا ہے لیکن علامہ ذہبیؒ نے تلخیص مستدرک میں سرے سے اس روایت کو نظر انداز کر دیا ہے اور امام حاکمؒ چونکہ متساہل فی الحدیث ہیں (ملاحظہ ہو احسن الکلام ج ۲ ص ۸۴) اس لیے ان کی اس تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس حدیث کے مختلف طرق جمع کرنے میں بعض دیگر محدّثین کی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے کم وبیش چار صفحات میں مبسوط بحث کی ہے اور آخر میں فیصلہ یہ نقل کیا ہے کہ :-

فقال کل من حدث بہ عن عیسیٰ بن یونس غیر نعیم بن حماد فانما اخذہ من من نعیم (ج ۱۳ ص۳۱۱) کہ عیسیٰ ابن یونسؒ سے جس نے بھی نعیمؒ بن حمادؒ کے علاوہ یہ روایت لی ہے تو وہ نعیمؒ ہی کے طریق سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دار و مدار ہی نعیمؒ بن حمادؒ پر ہے اور وہ مکشوف الحال ہے۔ مولانا میر صاحبؒ نے (تاریخ اہلحدیث ص۶۲ میں) نعیم بن حمادؒ پر جرح نقل کرتے ہوئے اس حدیث پر بھی کلام کیا ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ قطع نظر سند کی بحث کے یہ حدیث ان لوگوں کی مذمت میں ہے جو حلال یا حرام کو بلا ثبوت شرعی محض اپنے قیاس سے حرام یا حلال بنا دیں اور ظاہر بات ہے کہ حلت و حرمت تو نص ہی سے ثابت ہو سکتی ہے تو ایسا قیاس جو نص کے مقابلہ میں ہو یقیناً مذموم ہے اور ایسے لوگ جو نص کے مقابلہ میں قیاس کرتے ہوں باعث صد نفرین ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان میں مولدوں (دوغلے) پیدا ہوئے جو قیدیوں اور غلاموں کی اولاد سے تھے۔

فوضعوا الرائ فضلوا (دار قطنی ص۴۸۶/ج۲) سو انہوں نے رائے پر عمل کیا اور گمراہ ہو گئے۔

اسکی سند میں کلبی ہے تعلیق المغنی ص۴۸۶/ج۲ میں ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ تمام محدثین اس کی حدیث کے ترک پر متفق ہیں جوزجانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذاب تھا امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اسکا جھوٹ بالکل واضح تھا (تہذیب التہذیب ص۱۸۰/ج۹) تعلیق المغنی ص۴۸۶/ج۲ میں مجمع الزوائد سے بزار کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ مرفوع روایت بھی نقل کی ہے جس میں ہے۔

فافتوا بالرأی فضلوا واضلوا۔

مگر اسکی سند میں قیسؒ بن الربیعؒ واقع ہے۔ بعض محدثینؒ اس کی توثیق کرتے ہیں اور اکثر انکی تضعیف کرتے ہیں امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن معینؒ انکو ضعیف الحدیث لا یساوی شیئاً کہتے ہیں۔ ابن مدینیؒ انکی سخت تضعیف کرتے ہیں ابو زرعہؒ انکو کمزور کہتے ہیں۔ یعقوبؒ بن ابی شیبہؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ نسائی ان کو متروک الحدیث کہتے ہیں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ شیعہ بھی تھا اور حدیث میں خطا کرتا تھا۔ ابن سعدؒ ان کو ضعیف کہتے ہیں عجلیؒ دار قطنیؒ اور ابو احمد الحاکمؒ بھی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج۸ ص۳۹۳ تا ص۳۹۵ محصلہ)

اور یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے (ابن ماجہ ومجمع الزوائد ص۱۸۰/ج۱) مجمع الزوائد کی سند کی امام ابن القطانؒ نے تحسین کی ہے لیکن اسکی سند میں وہی قیس بن ربیعؒ ہے اور ابن ماجہ کی سند میں سویدؒ بن سعید واقع ہے جس پر بعض محدثین نے خاصا کلام کیا ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب ص۲۷۳/ج۴) علاوہ ازیں مذموم رائے کی قباحت اور برائی میں کیا کلام ہے؟ اسکی مزید تحقیق آرہی ہے انشاء اللہ العزیز۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ایاکم واصحاب الرائ فانھم اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یحفظوھا فقالوا بالرائ فضلوا واضلوا۔ (دارقطنی ج۲ ص۴۸۶)

تم اصحاب الرائے سے بچو کیونکہ وہ سنت کے دشمن ہیں، احادیث کا یاد کرنا تو ان کے بس کا روگ نہیں لہذا انہوں نے رائے پر عمل کر کے گمراہی اختیار کی اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

اس کی سند میں مجالد بن سعیدؒ واقع ہے۔ یہ بھی متکلم فیہ راوی ہے البعض اس کی توثیق اور اکثر اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام یحییٰؒ بن سعیدؒ ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابن مہدیؒ ان سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ امام احمدؒ ان کو محض ہیچ تصور کرتے تھے۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ لا یحتج بحدیثہ۔ داؤد داودیؒ کہتے ہیں، قوی نہیں، نسائیؒ سے بھی ایک روایت میں ان کی تضعیف منقول ہے۔ ابن سعدؒ ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ لا یجوز الاحتجاج بہ (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۴۰ و ص۴۱) کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

انتہائی حیرت ہے کہ ایسی ضعیف و کمزور اور بے بنیاد حدیثوں سے رائے اور اہل الرائے کی مذمت کی جاتی اور اس پر دادِ تحسین حاصل کی جاتی ہے اور اپنے موقع و محل پر رائے کو استعمال کرنے کی صحیح حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت سہلؓ بن حنیف (المتوفی ۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

یا ایہا الناس اتہموا رأیکم علی دینکم الخ (بخاری ج۲ ص۱۰۸۲ و مسلم ج۲ ص۱۰۶)

اے لوگو دین کے بارے میں اپنی رائے کو متہم (ناقابل اعتبار) سمجھو۔

حضرت امام بخاریؒ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ:۔

قال ابوعبد اللہ اتہموا رأیکم یقول ما لم یکن فیہ کتاب ولا سنۃ ولا ینبغی لہ ان یفتی۔ (بخاری ج۲ ص۱۰۸۲)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اپنی رائے کو متہم سمجھو، کا یہ معنیٰ ہے کہ ایسی رائے جس میں کتاب وسنت نہ ہو تو ایسی رائے پر فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے۔

اور شراحِ حدیث اس کا معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

ای لا تعملوا فی امر الدین بالرأی المجرد

تم دین کے بارے میں خالی رائے پر جو دین کے کسی اصل

الذی لا یستند الی اصلٍ من الدین اھ — کی طرف مستند نہ ہو عمل نہ کرو۔

(حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۲)

اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں ایک مستقل باب یوں قائم کیا ہے کہ :۔

باب ما ینکر من ذم الرّائی وتکلف القیاس اھ (ج ۲ ص ۱۰۸۶) — وہ باب کہ جس میں رائے کی مذمت اور بتکلف قیاس کرنے کا ذکر ہے۔

شراح حدیث بیان کرتے ہیں کہ :۔

ای الذی یکون علی غیر اصل من الکتاب والسّنّۃ والاجماع واما الرّائی الذی یکون علی اصل من ھذہ الثلاثۃ فھو محمودٌ وھو الاجتھاد وقولہ وتکلف القیاس ای الّذی لا یکون علی ھذہ الاصول لانہ ظن والظّن رد واما القیاس الّذی یکون علی ھذہ الاصول فغیر مذموم وھو الاعتبار والاعتبار مامورٌ فالقیاس مامور بہ وذالک لقولہ تعالٰی فاعتبروا یا اولی الابصار فکان حجۃ۔ (حاشیہ ج ۲ ص ۱۰۸۶)

یعنی وہ رائے مذموم ہے جو کتاب و سنت اور اجماع کے اصول پر مبنی نہ ہو اور وہ رائے جو ان تینوں میں سے کسی اصل پر مبنی ہو تو وہ پسندیدہ ہے اور اس کو اجتہاد کہتے ہیں اور تکلف قیاس سے ایسا قیاس مراد ہے جو ان تین اصول پر متفرع نہ ہو کیونکہ وہ نرا گمان ہے اور ایسا ظن مردود ہے اور رہا وہ قیاس جو ان تینوں اصولوں میں سے کسی پر مبنی ہو تو مذموم نہیں اور وہ چوتھا اصل ہے جو ان تینوں سے مستنبط ہے اور قیاس کے معنی اعتبار کے ہوتے ہیں اور اعتبار مامور بہ ہے چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں اے نظر و بصیرت والو تم اعتبار کرو تو یہ اعتبار و قیاس حجت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :۔

من احدث رأیا لیس فی کتاب اللہ ولم تمض بہ سنّۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یدر ما ھو منہ اذا لقی اللہ عزّوجلّ (دارمی ج ۱ ص ۵۸ طبع دمشق)

جس نے کوئی ایسی رائے قائم کی جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نہ ہو تو معلوم نہیں کہ جب اس کی ملاقات اللہ تعالٰی سے ہو گی اس کا کیا حشر ہو گا؟

حضرت امام شعبیؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ جب تم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس پر عمل کیا کرو۔

وما قالوه برأيهم فالقه في الحش۔ (دارمی ج۱ ص۶۷)	اور جو کچھ وہ اپنی رائے سے کہیں تو تم اس کوٹھی میں پھینک دو۔

اور ایسی ہی مذموم رائے سے ائمہ دین گریز کرتے تھے۔ امام ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ امام شعبیؒ اتباع آثار و اخبار میں بہت سخت تھے اور (محض) قیاس و رائے سے بہت منع کیا کرتے تھے۔ (تاویل مختلف الحدیث ص۶۹ طبع مصر)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے حکام کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ:۔

لا رأي لاحد في كتاب وانما رأي الائمة فيما لم ينزل فيه كتاب ولم تمض فيه سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا رأي لاحد في سنة سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم (دارمی ج۱ ص۱۱۴ طبع دمشق وطبع هند ص۶۲)	کتاب میں کسی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ائمہ کی رائے ان چیزوں میں قابل اعتبار ہوگی جن میں کتاب اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے روشنی نہ پڑتی ہو۔ اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں کسی کی رائے قابل سماعت ہی نہیں ہے۔

ان تمام اقتباسات سے یہ ثابت ہوا کہ ایسی رائے قابل اعتبار نہیں جو کتاب وسنت سے متصادم ہو یا جس رائے کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع اُمت پر نہ رکھی گئی ہو۔ بخلاف اس کے وہ قیاس اور رائے محمود اور مقبول ہے جو ان تینوں میں سے کسی اصل پر مبنی ہو اور اس کے لیے متعدد دلائل موجود ہیں جن میں ایک اجتہد برائی کی مذکور حدیث بھی ہے جو تصحیح محدثین کے ساتھ باحوالہ ذکر کر دی گئی ہے۔

حضرت امام ابوبکر احمد بن الحسینؒ البیہقی الشافعی (المتوفی ۴۵۸ھ) حضرت عمرؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر یہ فرمایا کہ اے لوگو! جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب رائے قائم کرتے تھے تو چونکہ آپ پر وحی الٰہی نازل ہوتی تھی، اس لیے آپ کی رائے درست ہوتی تھی اور ہماری رائے تو ظن اور تکلف ہی ہے۔ آگے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وانما ارادبه واللّٰه اعلم الرائ الّذی لا یکون مشبها باصلٍ وفی معناه وردمارُوی عنه وعن غیره فی ذمّ الرّای فقد روینا عن اکثرھم اجتھاد الرائی فی غیر موضع النص واللّٰه اعلم۔ (سنن الکبریٰ ج۱ ص۱۱۱ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

اس سے واللّٰہ اعلم ایسی رائے مراد ہے جو کسی اصل کے مشابہ اور اس پر مبنی نہ ہو اور اسی کے معنی میں ہے جو حضرت عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے رائے کی مذمت میں وارد ہوا ہے۔ ہم نے اکثر کی یہ روایت بیان کردی ہے کہ جہاں نص نہیں ہوتی تھی تو وہاں وہ رائے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

حضرت امام بیہقیؒ کے اس واضح اور صریح قول سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت عمرؓ سے رائے کی مذمت کے جو الفاظ آئے ہوں یا کسی اور سے، اس سے مراد ہر وہ رائے ہے جو اصول (ثلاثہ کتاب وسنت واجماع اُمّت) میں سے کسی اصل کے مشابہ اور اس پر متفرع نہ ہو اور جہاں نص موجود نہ ہو ایسے مقام پر رائے واجتہاد سے کام لینا اکثر اُمّت سے ثابت ہے۔ حضرت علیؓ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنّت میں ہوگا اور وہ ایسا قاضی ہوگا جو حق کو پہچانے اور اس کے مطابق اُس کا اجتہاد واقع ہو۔ اور دو دوزخ میں جائیں گے۔ ایک وہ ہے جو عمداً حق کے خلاف فیصلہ کرے، اور دوسرا وہ ہے:۔

اجتھد رائیہ فلخطاء

کہ اُس نے اجتہاد کیا اور اُس کی رائے خطا نکلی۔

امام بیہقیؒ اس کی تفسیر ابو العالیہؒ (المتوفی ۹۳ھ) سے نقل کرکے اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ:۔

ان الخبر ورد فیمن اجتھد رائیہ وھو من غیر اھل الاجتھاد فان کان من اھل الاجتھاد فلخطاء فیما یسوغ فیه الاجتھاد رفع عنه خطاؤه انشاء اللّٰه تعالیٰ بحکم النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم فی حدیث عمرؓو بن العاص وابی ھریرۃؓ الخ (سنن الکبریٰ ج۱ ص۱۱۱)

کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں آئی ہے جو اپنی رائے سے اجتہاد کرے مگر اہلِ اجتہاد سے نہ ہو سو اگر وہ اہل اجتہاد سے ہو اور ایسی چیزیں اجتہاد کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس سے انشاء اللّٰہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حکم کے مطابق جیسا کہ حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے خطا بالکل رفع ہوجائے گی۔

حضرت عمرؓو بن العاص (المتوفی ۴۳ھ) کی روایت یوں ہے :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ	جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد
اجران واذا حکم الحاکم فاجتھد فاخطأ فلہ	درست نکلے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر اس کے
اجر (بخاری ج۲ ص۱۰۹۲ و مسلم ج۲ ص۷۶ و سنن الکبریٰ ج۱۰ ص۱۱۸)	اجتہاد میں خطا واقع ہو تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت بھی انہی الفاظ کے ساتھ (مذکورہ کتب اور سنن الکبریٰ ج۱۰ ص۱۱۸ وغیرہ میں) آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اہل اجتہاد سے نہ ہو اور اجتہادی مسائل میں ٹانگ اڑاتا ہو تو وہ بھی قصوروار ہوگا۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اہل اجتہاد ہونے کا شاید ہی کوئی کورا مغز انکار کرے۔ دیگر علماء کی شہادتیں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مجتہد ہونے کی تو اپنے مقام پر مذکور ہیں لیکن غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل حضرت مولانا السید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) جن کی تعریف میں مؤلف نتائج التقلید نے کافی صفحات لکھے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ :

امامنا وسیدنا ابوحنیفۃ النعمان افاض اللہ	ہمارے امام اور ہمارے سردار ابوحنیفہ نعمانؒ اللہ تعالیٰ
علیہ شآبیب العفو والغفران (معیار الحق ص۲)	ان پر عفو و مغفرت کی موسلا دھار بارش نازل فرمائے۔

اور پھر آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :

"ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے، ان کے فضائل میں اور آیۂ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ زینت بخش مراتب ان کے لیے ہے۔" (معیار الحق ص۱۳ طبع چٹان پریس لاھور و تاریخ اہل حدیث ص۴۳)

زمانۂ حال کے صاحب تصنیف غیر مقلد عالم مولوی محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ۔ خدا کی توفیق اور اس کا فضل آپ کے شامل حال تھا اس کو منظور تھا کہ انہیں دنیا میں علم کا ایک خاص مرتبہ عطا کرے زمانے کا مجتہد بنائے الخ (سبیل رسول ص۲۳۲) نیز لکھتے ہیں کہ۔ آپ کے ہمعصر لاینحل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے علم کی خوبیوں اور بلندیوں کے سبب آپ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہوگئے، بہت سے لوگوں نے آپ سے علم کی دولت پائی آپ

کے شاگرد امامت علم کے مرتبوں کو پہنچ گئے جن میں امام ابُو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ بہت مشہور ہیں۔ (ایضاً صـ۲۳۴) اور لکھتے ہیں کہ۔ آپ بڑے عابد، زاہد، خدا ترس متقی، پرہیز گار تھے۔ دل ہر وقت خوفِ الٰہی سے لبریز رہتا تھا، اللہ کے حضور تضرع کرتے رہتے اور بہت کم بولتے تھے بڑے سلیم الطبع بلند اخلاق پسندیدہ طبیعت منکسر مزاج، ملنسار، بردبار عالم باعمل، اور فرشتہ خصلت انسان تھے، تقویٰ اور خوفِ خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا دیانت آپ کی مسلّم تھی (ایضاً صـ۲۳۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی لاجواب اور بے نظیر کتاب میں رافضی کا ردّ لکھتے ہوئے اس کا اعتراض یوں نقل کیا ہے :۔

فصل قال الرافضی وذھب الجمیع منھم الی القول بالقیاس والاخذ بالرائی فادخلوا فی دین اللہ مالیس منہ وحرّفوا احکام الشریعۃ واتخذ وامذاھب اربعۃ لم تکن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن الصّحابۃ واھملوا تأویل الصحابۃ مع انھم نصّوا علی ترک القیاس وقالوا اوّل من قاس ابلیس اھ

(منہاج السنۃ ج۲ صـ۸۹ طبع بولاق مصر)

فصل رافضی کہتا ہے کہ سارے اہل سنت قیاس اور عمل بالرائے پر عامل ہیں اور اُنہوں نے خدا تعالےٰ کے دین میں ایسی چیز داخل کردی جو دین میں سے نہیں ہے اور احکامِ شریعت کو بدل ڈالا ہے اور چار مذہب بنا رکھے ہیں جو نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ میں تھے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں حالانکہ صحابہ کرامؓ نے ترک قیاس کی تاکید کی ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے۔

قارئین کرام! اکثر غیر مقلدین حضرات نے رافضی کے اس پیش کردہ اعتراض کی تقریباً ایک ایک جز وچرالی ہے اور اپنے رسالوں، کتابچوں اور اخباروں میں مختلف تعبیرات سے اس کو بیان اور پیش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس رافضی بچارے کا جو اس طرزِ استدلال میں ان کا اُستاد ہے نام تک نہیں لیتے اور اس کو بیان کرتے وقت عوام کو لفظ لفظ سے یہ باور کرا کر داد تحسین حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں کہ یہ انہی حضرات کے فکرِ ثاقب کا نتیجہ ہے اور بھولے سے بھی یہ بتانے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ہم نے یہ پیاری دلیل رافضی کے تھیلے اور پٹاری سے چرائی ہے مگر

تم بکھے ؟ ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے رافضی کے اس اعتراض کی ایک ایک جزو کو لے کر اس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں اور اس طرح اس کے بخیئے ادھیڑے ہیں کہ رافضی اور اس قسم کے اور معترض اس کو مدت العمر بھی رفو نہ کر سکیں مگر چونکہ یہ ایک بہت طویل بحث ہے، اس لیے ہم ان کے جوابات میں سے یہاں صرف ایک ہی جواب عرض کرتے ہیں جو ہمارے مدعیٰ کے مطابق ہے :-

الوجه التاسع قوله الصحابة نصوا على ترك القياس يقال له الجمهور الذين يثبتون القياس قالوا قد ثبت عن الصحابة انهم قالوا بالرأي واجتهاد الرأي وقاسوا كما ثبت عنهم ذم ما ذموه من القياس قالوا وكلا القولين صحيح فالمذموم القياس المعارض للنص اھ (ص۲؍۹۱)

نویں وجہ یہ ہے کہ رافضی کا یہ کہنا کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے ترکِ قیاس کی تاکید کی ہے، اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جمہور جو قیاس کو ثابت کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ سے قول بالرّای اور اجتہاد و قیاس بھی ثابت ہے جس طرح کہ اُن سے قیاس کی مذمت ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے یہ دونوں قول صحیح ہیں کیونکہ اُن سے جس قیاس کی مذمت آئی ہے وہ ایسا قیاس ہے جو نص کا معارض ہو (اور قیاس محمود وہ ہے جو نص کے مطابق ہو۔)

شیخ الاسلامؒ کی اس صریح عبارت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ اور جمہور اُمّت رائے و اجتہاد اور قیاس کے قائل تھے اور جس قیاس کی مذمّت کا ذکر آیا ہے وہ ایسا قیاس اور رائے ہے جو نص کے مقابلہ اور معارضہ میں ہو اور اس کے مردُود ہونے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے ؟ اور امّت محمدیہ میں ایسے مردُود قیاس کا قائل کون ہے ؟ یہ الگ بات ہے کہ غیر مقلّدین حضرات کو تعصّب کی عینک استعمال کر کے رافضی کی طرح کچھ کا کچھ نظر آئے اور اہل الرائے والاجتہاد اور ان کے متبعین کو ہی ملزم گردانا جائے مگر اس سے اہلِ حق کا کیا نقصان ؟ ؎

تجھے کیوں فکر ہے اے گُل دلِ صد چاک بُلبل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے

علامہ بدر الدین البعلی الحنبلیؒ (المتوفی سنہ ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

وبکل حال یجوز اجتھاد الرّائی للقاضی و المفتی اذا لم یجد فی الحادثۃ نصا من الکتٰب او السنّۃ لقول جماھیر السلف وائمۃ الفقھاءؒ کمالکؒ والاوزاعیؒ والثوریؒ وابی حنیفۃؒ والشافعیؒ واحمد بن حنبلؒ وابی عبیدؒ وغیرھم واستدلوا علی ذالک بدلائل مثل کتاب عمرؓ الی ابی موسیٰ الاشعریؓ وفیہ اعرف الاشباہ والنظائر وقس الامور برائیک اھ

(مختصر الفتاوٰی المصریۃ ص۵۵۴ طبع مصر)

قاضی اور مفتی کے لیے بہر حال رائے اور اجتہاد سے کام لینا جائز ہے جب کہ حادثہ میں قرآن یا سنّت سے نص موجود نہ ہو اور یہی قول ہے جمہور سلف اور ائمہ فقہاء کا مثلاً امام مالکؒ، اوزاعیؒ، ثوریؒ، ابُو حنیفہؒ، شافعیؒ احمد بن حنبلؒ اور ابُو عبیدؒ وغیرہ اور اُنہوں نے اس مدعٰی پر کئی دلائل پیش کئے ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابُو موسیٰ الاشعریؓ کو خط لکھا اور اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ اشباہ و نظائر کو پیشِ نظر رکھ کر پھر اپنی رائے سے اور امور کو ان پر قیاس کرو۔

امام ابراہیمؒ بن موسیٰؒ بن محمدؒ الشاطبی (المتوفی سنہ ۷۹۰ھ) اپنی محقق کتاب میں حضرت عمرؓ حسن بصریؒ، مسروقؒ اور ہشام بن عروہؒ وغیرہ سے چند آثار رائے کی مذمت میں نقل کرکے آگے فرماتے ہیں کہ:

فھذہ الآثار و اشباھھا تشیر الی ذم ایثار نظر العقل علی اثار النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذھب جماعۃ من العلماء الی ان المراد بالرّائی المذموم فی ھذہ الاخبار البدع المحدثۃ فی الاعتقاد کرائی جھم وغیرہ من اھل الکلام لانھم قوم استعملوا قیاسھم وارائھم فی رد الاحادیث۔

یہ اور اس قسم کے دیگر آثار اس بات کی رہنمائی کرتے ہیں کہ نظرِ عقل (یعنی قیاس) کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث پر مقدم کرنا مذموم ہے اور علماءؒ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ان آثار میں جن آراء مذمومہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے آراء ہیں جو بدعتِ اعتقادی کے رنگ میں گھڑ لئے گئے ہوں جیسے جہم وغیرہ اہلِ کلام کی رائے جنہوں نے اپنے قیاس و رائے کو ردِّ احادیث کے لیے استعمال کیا ہے۔

پھر آگے بحث کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وردوا السنن فی ذالک علٰی برایهم و قیاسهم اھ

اور انہوں نے اپنی بدعتِ اعتقادی کے اثبات کے لیے محض اپنے قیاس و رائے سے احادیث کو ٹھکرا دیا ہے۔

اور قیاس مذموم کی اور کئی صورتیں اور محامل بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ :-

فجمیع ذالک راجع الٰی معنی واحد وھو اعمال النظر العقلی مع طرح السنن اما قصدًا او غلطًا وجهلًا والرأی اذا عارض السنة فهو بدعة ضلالة۔ (الاعتصام ج۲ ص۲۹ اور ص۲۹۱-۲۹۲ طبع مصر)

ان سب کا مفہوم ایک ہی نکلتا ہے کہ نظرِ عقلی (یعنی قیاس) کو استعمال کیا جائے اور اس سے احادیث کو رد کر دیا جائے عام اس سے کہ یہ رد قصداً ہو یا غلطاً اور جہلاً اور رائے جب سنت کے معارض ہو گی تو وہ خالص بدعتِ ضلالت ہو گی۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسی رائے و قیاس جو سنت کے رد اور معارضہ میں ہو وہ مردود ہے اور خصوصاً وہ رائے و قیاس جو عقائد بدعیہ کے اثبات کے لیے ہو اور احادیث کو در خورِ اعتنا نہ سمجھا گیا ہو۔ الغرض جن حضرات سے رائے کی مذمت آئی ہے تو علماء اسلام ان کے اقوال سے یہی مذموم رائے مراد لیتے ہیں۔ باقی مشروع اور محمود و مقبول رائے کو رد اور ترک کرنا (جو قرآن و حدیث اور اجماع امت سے حاصل ہو اور نص کے مقابلہ میں نہ ہو اور اہل الرائے والاجتہاد نے رائے قائم کی ہو) خود بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ الشاطبیؒ ہی مہدی مغربی کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وکان من رأیه ترک الرأی واتباع مذهب الظاهریة قال العلماء وھو بدعة ظهرت فی الشریعة بعد المائتین الخ (الاعتصام ج۲ ص۸۹)

اس کی یہ رائے تھی کہ رائے ترک کر دی جائے اور وہ اہل الظاہر کے مذاہب کی پیروی کرتا تھا۔ علماء کا کہنا ہے کہ ترک رائے کا نظریہ بدعت ہے جو دوسری صدی کے بعد شریعت میں ظاہر ہوئی۔

لیجئے بات کیا نکل آئی! آج تو کہنے والے اہل الرائے کو بدعتی کہتے ہیں اور مؤلف نتائج التقلید وغیرہ نے اس پر خوب دل کھول کر زہر اُگلا ہے۔ مگر یہاں تو بات یہ نکلی کہ غیر منصوص امور

میں حضرات صحابہ کرام سے لے کر دوسری صدی تک رائے پر عمل ہوتا رہا۔ہاں دوسری صدی کے بعد اہل الظاہر نے شریعت میں یہ بدعت نکالی کہ رائے پر عمل نہیں کرنا چاہیئے اور دوسروں کو بدعتی قرار دینے والے خود ہی بدعتی قرار پائے۔ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

غیر مقلدین حضرات تو تقلید کو چوتھی صدی کی بدعت کہتے ہیں مگر یہاں خیر سے ترکِ رائے دوسری صدی کی بدعت نکلی۔

حافظ ابو عمرؒ بن عبد البرؒ حضرت معاذؓ کی حدیث نقل کر کے اور اس کی تصحیح کر کے پھر لکھتے ہیں کہ :-

وسائر الفقهاء قالوا فی هذه الآثار وما كان مثلها فی ذم القياس انه القياس على غير اصل والقول فی دين الله بالظن و اما القياس على الاصول والحكم للشيئ بحكم نظيره فهذا ما لا يختلف فيه من السلف اھ (جامع بيان العلم وفضله ج۲ ص۷۷)

تمام فقہاء کا کہنا ہے کہ رائے کی مذمت کے یہ آثار اور ان کی مانند اور آثار ایسی رائے اور قیاس کو مذموم قرار دیتے ہیں جو اصل پر (متفرع) نہ ہو اور محض ظن سے اللہ تعالےٰ کے دین میں بات کہی گئی ہو بہرحال وہ قیاس جو اصول پر مبنی ہو اور کسی چیز پر اس کی مثل کو دیکھ کر اس پر حکم کیا گیا ہو تو اس کے جواز میں سلف میں سے کسی ایک نے اختلاف نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام ابو عمرؒ بن عبد البرؒ کے عہد تک سلف میں قیاس کا منکر کوئی نہیں تھا۔ اس مقام پر سلف سے مراد وہ حضرات ہیں جو اہل السنت میں داخل ہیں اہل الظاہر نے دوسری صدی کے بعد یہ بدعت نکالی ہے کہ رائے اور قیاس بلا تفصیل کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ :-

فقالت طائفة الرأى المذموم هو البدع

ایک طائفہ نے یہ بھی کہا ہے کہ رائے مذموم وہ بدعت

المخالفة للسنن فی الاعتقاد کرأی الجہم و سائر مذاہب اہل الکلام لانہم قوم قیاسہم وارائہم فی رد الاحادیث اھ
(ایضاً ج ۲ ص ۱۳۸)

ہے جو اعتقاد کی صورت میں سنّت کے خلاف اختیار کی گئی ہو جیسے جہم اور باقی اہل کلام کے غلط مذہب والوں کی رائے کیونکہ انہوں نے احادیث کی رد میں اپنے قیاس و رائے سے کام لیا ہے۔

نواب صاحبؒ نے بھی رائے باطل اور رائے محمود پر کافی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنّۃ ص ۱۵ و ص ۱۶)۔

قارئین! بحث ضرورت سے زیادہ لمبی ہوتی جارہی ہے اور ابھی ہم نے بفضلہٖ تعالےٰ کچھ اور بھی عرض کرنا ہے اس لیے اس بحث کو صرف ایک حوالہ پر ہم ختم کرتے ہیں تاکہ مزید بھی کچھ عرض کر سکیں۔

مشہور محقّق و مدقّق غیر مقلّد عالم قاضی شوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۵ھ) رائے محمود و مذموم کی بحث کرتے ہوئے اوّل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

فالعمل بالرّأی فی مسائل الشرع ان کان لعدم وجود الدلیل فی الکتاب والسنّۃ فقد رخص فیہ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کما فی قولہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لمعاذ لما بعثہ قاضیًا بم تقضی قال بکتاب اللّٰہ قال فان لم تجد قال اجتہد رأی وھو حدیث صالح للاحتجاج بہ کما اوضحنا ذالک فی بحث مفرد اھ
(تفسیر فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۹ طبع مصر)

شریعت کے مسئلوں میں عمل بالرّأی اگر تو اس لیے ہو کہ کتاب و سنّت سے کوئی دلیل نہیں مل سکتی تو اس میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اجازت و رخصت دی ہے جیسا کہ آپ کے اس قول سے ثابت ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذؓ کو قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ انہوں نے کہا کتاب اللہ کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے؟ فرمانے لگے پھر میں سنّت رسول اللہ پر فیصلہ کروں گا آپ نے فرمایا کہ اگر سنّت میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ فرمایا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ہم نے مفرد بحث میں اس کی بحث کی ہے کہ یہ حدیث احتجاج کے لیے

صالح ہے۔

اِن تمام سابق پیش کردہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ جن آثار اور اقوال میں رائے کی مذمت کا ذکر آتا ہے وہ ایسی رائے ہے جو کتاب وسنّت کے مقابلہ میں ہو اور باطل فرقوں کی طرح عقائد باطلہ اور بدعات وغیرہا کے اثبات کے لیے ہو جس سے نصوص کا رد لازم آتا ہو۔ اہلِ سنّت اور ان میں علی الخصوص اہل الرّائے اور احناف اور علماء دیوبند ایسی رائے کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں، ہاں مجتہد سے نادانستہ طور پر خطا سرزد ہو جائے تو وہ بات ہی الگ ہے۔ آخر مجتہد معصوم تو ہرگز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

واما ان نخالف حديثاً لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثابتاً عنه فارجو ان لا يوخذ ذالك علينا انشاء الله وليس ذالك لاحد ولكن قد يجهل الرجل السنة فيكون له قول يخالفها لا انه تعمد خلافها وقد يغفل المرء ويخطئ في التأويل۔
(الرسالة ص۳۱ للامام الشافعيؒ طبع بولاق مصر المنضمة مع الام ج۷)

اور یہ کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی کسی صحیح حدیث کی مخالفت کریں تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ الزام ہم پر ثابت نہیں ہو سکے گا اور کسی اور سے بھی اس کا تحقق نہیں ہو سکے گا۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سنّت سے جاہل ہوتا ہے اور اس میں اس کی خلاف ورزی کر جاتا ہے نہ یہ کہ عمداً وہ ایسا کرتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غفلت کر جاتا ہے اور تاویل میں خطا کر گزرتا ہے۔

اِس عبارت میں جہاں امام اہل السنّتؒ نے اپنی صفائی پیش کی ہے ساتھ ہی وليس ذالك لاحد فرما کر دوسروں کی صفائی بھی وہ بیان کر گئے ہیں کہ جان بوجھ کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث صحیح کی مخالفت نہ ہم نے کی ہے اور نہ کسی اور نے کی ہے۔ کسی حدیث سے غفلت وجہالت یا اس کی تفسیر وتاویل میں خطا کا سرزد ہو جانا یہ معاملہ ہی جُدا ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ اس لیے رائے کی مذمت کے ایسے حوالجات سے خلطِ مبحث کرنا اور مدِّمقابل پر خشک رعب ڈالنا یا عوام کو مغالطہ دے کر احناف سے متنفر کرنا انصاف

و دیانت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے کیونکہ قدیماً و حدیثاً عمداً اور دانستہ کوئی حنفی اس کا مرتکب نہیں ہوا کہ نص کے مقابلہ میں محض رائے کو لے کر نصّ کو ٹھکرا دیا ہو۔ حدیث کے مقابلہ میں اگر کسی نصِّ قرآنی یا کسی دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے تو یہ بات الگ ہے، اس سے انکار نہیں ہے لیکن یہ استدلال رائے سے نہیں بلکہ نصّ اور حدیث سے ہے۔ ہمارے اکابر نے تصریح کی ہے کہ احادیث صحیحہ کا انکار اور نصوص کی تاویل دین کے خلاف ہے، چنانچہ حضرت مولانا عثمانیؒ سورۂ کہف میں یاجوج ماجوج کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اور احادیثِ صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلاتِ بعیدہ دین کے خلاف ہے۔" (حاشیہ ص ۳۹۳)

امام ابو حنیفہؒ پر مخالفتِ حدیث کا الزام

کہنے کو تو یہ بات بڑی آسان معلوم ہوتی ہے کہ فلاں امام نے حدیث کی مخالفت اور انکار کر دیا ہے اور فلاں نے اپنی رائے اور تفقہ کو ترجیح دے کر حدیث کو رد کر دیا ہے اور حدیث کے خلاف عمل کیا ہے، مگر جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو کسی مسلّم امام کے خلاف اس کا ثبوت بڑا مشکل نظر آتا ہے کہ انہوں نے بلا کسی عذرِ قوی کے حدیث کو ترک کیا ہو، مندرجہ ذیل امور پر انصاف سے غور فرمائیں:۔

حضرت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ اور اسی طرح امام ابن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) حسن قسم کی حدیث کو قابلِ استدلال و احتجاج نہیں تصوّر فرماتے۔ چنانچہ علامہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وکذا یجوز الاحتجاج بما صرح احد الائمة المعتبرین بحسنه لان الحسن یجوز العمل به عند الجمهور ولم یخالف فی الجواز الا البخاریؒ و ابن العربیؒ والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل بالآحاد وقبولها شاملة له۔

(نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲ طبع مصر و الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة ص ۵۵)

اور اسی طرح اس حدیث سے بھی احتجاج جائز ہے جس کو معتبر ائمہ میں سے کسی نے حسن کہا ہو کیونکہ جمہور کے نزدیک حسن سے استدلال جائز ہے اس میں صرف امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے کہ حسن حدیث سے استدلال جائز ہے کیونکہ اخبار آحاد کے واجب العمل اور ان کے قبول ہونے کے

دلائل حسن کو بھی شامل ہیں۔

علامہ صالح بن المہدی المقبلی الکوکبانیؒ (المتوفی ۱۱۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

ولم یشترط فی المعمول به کونه صحیحا باصطلاح المتأخرین الا البخاریؒ وھو قول بعید عن الادلة بل لو قیل خلاف ما علیه الاولون والاٰخرون لساغ ذالك اھ (ارواح النواقح لآثار الآباء والمشائخ ص۶۸۹ طبع مصر)

حدیث کے معمول بہ ہونے کے لیے باصطلاح متأخرین صحیح ہونے کی شرط امام بخاریؒ کے بغیر اور کسی نے نہیں لگائی اور ان کا قول دلائل سے بعید ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کا یہ قول متقدمین اور متأخرین کے مسلک کے خلاف ہے تو یہ کہنا بھی درست ہے۔

علمِ حدیث کے ساتھ شغف رکھنے والے اور اصولِ حدیث وطبقاتِ رواۃ سے آگاہ حضرات جانتے ہیں کہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں سند کے لحاظ سے حسن ہیں اور صرف ایک ہزار حسن حدیث تو امام حمادؒ بن سلمہؒ سے مروی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص۱۵) تو کیا ایسی تمام حسن قسم کی حدیثیں کتبِ حدیث سے چُن چُن کر ان کی ایک فہرست مرتب کر دینی چاہیئے اور معتبر محدثین سے باحوالہ ان کا حسن ہونا نقل کر دینا چاہیئے اور پھر کتابوں اور رسالوں اخباروں اور تقریروں میں جماعتی شکل میں یہ مکروہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام بخاریؒ تو اتنی حدیثوں کے منکر ہیں؟ حاشا وکلا کہ اس سے کوئی منصف مزاج اہلِ علم متاثر ہو کر حضرت امام بخاریؒ کے خلاف کچھ کہنے پر آمادہ ہو بس یہی کہے گا کہ چونکہ امام بخاریؒ مجتہد تھے۔ انہوں نے اپنی دیانت اور صوابدید سے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے روایات کے بارے میں کوئی سخت اور کڑی شرط لگائی ہو جس کے فقدان کی صورت میں وہ حدیث کو قابلِ احتجاج واستدلال نہیں سمجھتے تو وہ کیونکر منکرِ حدیث اور مخالفِ حدیث قرار دیئے جا سکتے ہیں؟ اور ہم باحوالہ ان کی حدیث کے بارے میں کڑی شرطوں کا ذکر پہلے کر آئے ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کو یہ بات ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچنی چاہیئے کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اور وہ کیوں جماعتی صورت میں اس مکروہ پروپیگنڈہ میں اپنا زور صرف کر رہے ہیں؟ آخر ہم بھی ؎

ہر چند اہلِ ضبط ہیں پر بے زباں نہیں

حافظ مغرب ابن عبد البرؒ روایت کرتے ہیں کہ:۔

عن اللیث بن سعد انه قال احصیت علی مالك ابن انسؒ سبعین مسئلة کلّها مخالفة لسُنّة النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم مما قال فیه برأیه قال ولقد کتبت الیه فی ذالك قال ابو عمرؒ لیس لاحد من علماء الامة یثبت حدیثا عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم ثم یردہ دون ادعاء نسخ علیه باثر مثله او باجماع او بعمل یجب علی اصله الانقیاد الیه او طعن فی سندہ ولو فعل ذالك احد سقطت عدالته فضلًا عن ان یتخذ اماما ولزمه اثم الفسق اھ

(جامع بیان العلم و فضله ج۲ ص۱۴۸)

امام لیثؒ بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالکؒ بن انسؒ کے ستر مسئلے ایسے شمار کئے ہیں جو سب کے سب سنّت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کے مخالف ہیں جن میں امام مالکؒ نے محض اپنی رائے استعمال کی ہے اور میں نے ان کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع بھی دی ہے۔ امام ابُوعمر فرماتے ہیں کہ علماء امّت میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کسی صحیح حدیث کو پائے اور پھر اس کو ردّ کرے بدون اس کے کہ وہ کسی ایسے ہی اثر کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے کا دعوٰے کرے یا اجماع یا کسی ایسے عمل کے ساتھ جس کی اصل پر عمل واجب ہے ادعاء نسخ کرے یا اس کی سند میں طعن کرے، اگر کوئی ان وجوہ کے سوا ایسا کرے گا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس پر فسق کا گناہ لازم ہو جائے گا چہ جائیکہ اس کو امام تسلیم کیا جائے۔

غیر مقلّدین حضرات کو یہ عبارت بار بار پڑھنی چاہیئے کہ امام لیثؒ بن سعدؒ جو چوٹی کے محدّثین اور فقہاء میں شمار ہوتے ہیں اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں (جن کا پورا ترجمہ ہم نے طائفہ منصورہ میں ذکر کر دیا ہے) کیا فرما گئے ہیں کہ ستر مسئلے ایسے ہیں جن میں حضرت امام مالکؒ بن انسؒ نے جناب رسول اللّٰہ صلّے اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنّت کی صریح مخالفت کی ہے اور یہ بات بھی انہوں نے چھپا کر نہیں رکھی بلکہ امام مالکؒ کے ساتھ انہوں نے اس میں خط و کتابت بھی کی ہے، اور یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ امام لیثؒ بن سعدؒ کے حضرت امام مالکؒ سے اچھے

خاصے دوستانہ تعلقات اور مراسم بھی تھے، یہ نہیں کہ انہوں نے محض حسد اور بغض یا تعصب کی وجہ سے ان کے مسائل میں کیڑے نکال کر ان کی تحقیر کرنے کی سعی کی ہے اور نہ یوں ہی دل کی بھڑاس نکالی ہے (معاذ اللہ) چنانچہ علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ:

کان اللیث یصل مالکاً کل سنۃ بمائۃ دینار وکتب مالک الیہ ان علی دینًا فبعث الیہ بخمس مائۃ دینار (تذکرہ ج۱ ص۲۰۹)

امام لیثؒ بن سعدؒ امام مالکؒ کو سالانہ ایک سو اشرفی عطیہ دیا کرتے تھے اور امام مالکؒ نے ان کی طرف لکھا کہ مجھ پر قرضہ ہوگیا ہے تو انہوں نے پانچ سو دینار ان کو بھیجے۔

ایسے دوستانہ ماحول میں یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ اس میں حسد و تعصّب کارفرما ہو۔ کیا اب سچ مچ یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام مالکؒ کے نشتر مسئلے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنّت کے سراسر خلاف ہیں اور پھر ان پر فتویٰ لگانا شروع کر دیا جائے اور ناظمِ اعلیٰ کے تحت ایک پروگرام تیار کر لیا جائے کہ دُنیا بھر میں حضرت امام مالکؒ کو مخالفِ سنّت ٹھہرا کر ہی دم لیا جائے گا اور کسی بدوی کے کندھے پر بندوق رکھ کر ایک کتاب بھی لکھوالی جائے اور تعصّبِ مذہبی کے نشہ میں سرشار ہو کر اس کی تصدیقات بھی لکھ دی جائیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر اس کی اشاعت بھی شروع کی جائے۔ لِللہ کچھ تو فرمایئے کہ آخر کرنا کیا چاہیئے؟ آہ ؎

اِس قدر بھٹکا حیاتِ نوعِ انسان کا یقیں
کارواں کو اعتمادِ راہنما جاتا رہا!

حافظ ابن عبدالبرؒ تو علمی رنگ میں جواب دے گئے ہیں کہ کوئی امام بدوں کسی معقول عذر کے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ ہاں اس نے کسی حدیث یا اجماع یا قابلِ اطاعت عمل سے نسخ کا دعویٰ کیا ہوگا یا سند کے اندر طعن کیا ہوگا جس کی وجہ سے انہوں نے حدیث ترک کی ہوگی۔ اس چیز کو خود مجتہد ہی سمجھ سکتا ہے۔ کوئی دوسرا اُن کے دل کے راز اور بھید بھلا کیا جان سکتا ہے؟

علامہ ابنِ حزمؒ نے اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام مالکؒ کے

مؤطا میں جب مسند حدیثیں شمار کیں تو اُن کی تعداد پانچ سو سے اُوپر نکلی اور جب مرسل روایتیں گنیں تو وہ تین سو سے زائد نکلیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ :

وفیہ نیف وسبعون حدیثاً قد ترک مالکؒ لنفسہ العمل بہا اھ	ان کے مؤطا میں ستّر سے زیادہ حدیثیں ایسی ہیں جن پر خود امام مالکؒ نے عمل نہیں کیا۔

(بحوالہ مقدمہ تحلیق الممجد ص۲۰ مولٰنا لکھنویؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بیان کے مطابق تمام کتب حدیث کے چند طبقات ہیں، طبقۂ اولیٰ مؤطا امام مالک، بخاری اور مسلم ہے۔ (دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۳۳ طبع مصر وعجالۂ نافعہ ص۵) تعجب ہے کہ صرف طبقۂ اولیٰ ہی نہیں بلکہ امام مالکؒ کی خود اپنی انتخاب کردہ کتاب کی حدیثیں ستّر سے زیادہ ایسی ہیں جن پر انہوں نے عمل نہیں کیا مگر کسی نے حضرت امام مالکؒ کی امامت اور شان سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کو مطعون ٹھہرایا ہے اور اگر کوئی احمق ایسا کرے بھی تو اُس کی سُنتا کون ہے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ دستور المتبدی کے ساتھ ساتھ بخاری شریف پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں اب علمی تحقیق رہ گئی ہے فالی اللہ المشتکیٰ ع

این چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

امام محمد بن عبداللہؒ بن عبدالحکم المالکیؒ (المتوفی ۲۶۸ھ جو الامام، الحافظ اور فقیہ عصر تھے تذکرہ ج۲، ص۱۱۵) جن کے بارے میں امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہؒ المتوفی ۳۱۱ھ جو الحافظ الکبیر امام الائمۃ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرہ ج۲ ص۲۵۹) فرماتے ہیں کہ :

ما رایت فی فقہاء الاسلام اعرف باقاویل الصحابۃ والتابعین من محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم (تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۱۱۵ و طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۱ ص۲۲۴ طبع مصر)	میں نے فقہاء اسلام میں حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال کا محمدؒ بن عبداللہؒ بن عبدالحکمؒ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔

نے حضرت امام شافعیؒ کے ردّ میں

صنف کتابا سماہ الرد علی الشافعیؒ فیما	ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے

خالف فیہ الکتاب والسنۃ اھ — ایسے مسائل جن میں امام شافعیؒ نے کتاب وسنت کی مخالفت کی ہے۔

(طبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴)

سنت کی مخالفت کا ذکر تو رہا اپنی جگہ اس کتاب میں ابن عبد الحکمؒ نے امام شافعیؒ کو کتاب اللہ کا مخالف بھی ظاہر کیا ہے۔ کیا ہم ایسا ہی سمجھ لیں کہ واقعی حضرت امام شافعیؒ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ہے؟ (معاذ اللہ) یہی کہیں گے کہ تعصب مذہبی میں آکر ابن عبد الحکمؒ نے یہ غلطی کی ہے اور یا دیانۃً اپنی فہم کے موافق انہوں نے حضرت امام شافعیؒ کے مسائل کو کتاب وسنت کے خلاف پایا ہے مگر ان کا ایسا سمجھنا دلائل کی رُو سے سراسر غلط ہے۔ فنفعہ اللہ تعالیٰ بعموم فضلہ وکرمہ۔

مؤلف نتائج التقلید نے امام وکیعؒ بن الجراحؒ کو حنفیت اور تقلید کے دائرہ سے خارج کرنے کے لیے عجیب قسم کے پاپڑ بیلے ہیں اور مداری کی طرح انوکھی قسم کی شعبدہ بازی دکھائی ہے۔ یہ بحث تو انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گی کہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ مقلد تھے یا غیر مقلد؟ حنفی تھے یا غیر حنفی؟ یہاں ان کا اعتراض خود ان کے اپنے الفاظ میں سن لیجئے اور پھر اس کا جواب بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

" کیونکہ تاریخ بغداد وغیرہ میں ہے ذکر الساجی انا ابو سائب قال سمعت وکیع بن الجراح یقول وجدت اباحنیفۃ خالف مائتی حدیث عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابو سائبؒ کہتے ہیں کہ میں نے وکیعؒ ایسے جلیل القدر امام حدیث کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی نظر میں کم از کم امام ابو حنیفہؒ کو دو سو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرنے والا پایا ہے۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم کے حوالہ پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کاش کہ دو سو احادیث میں سے کسی ایک ہی حدیث سے انکار کا حوالہ وثبوت ذکر کیا ہوتا الخ (نتائج التقلید ص ۱۰۸ و ۱۰۹ بلفظہ)

اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ :۔

" عثمانی صاحبؒ اگر مصنف ابن ابی شیبہ کا جزء رد ابی حنیفہؒ دیکھ لیتے تو یہ

کہنے کی جرأت نہ ہوتی"۔ (انتہی بلفظہٖ)

ان عبارات سے مؤلف مذکور کا اصل مدعا تو صرف اس قدر ہے کہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ کیونکر مقلد اور حنفی ہو سکتے ہیں جب کہ وہ کم از کم دو سو روایات میں امام ابوحنیفہؒ کو مخالف حدیث بتا رہے ہیں یہ معلوم نہیں کہ مؤلف نے کم از کم کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ عبارت عربی میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ کم از کم ہو۔ مگر خیر ہماری بلا سے، مؤلف جانے اور اس کی شعبدہ بازی۔ اب یہاں مرکزی نقطے دو ہیں (۱) کہ بقول امام وکیعؒ بن الجراحؒ امام ابوحنیفہؒ نے کم از کم دو سو حدیث کی مخالفت کی ہے (۲) عثمانی صاحبؒ تو ایک حدیث کے متلاشی ہیں مگر مصنف ابن ابی شیبہؒ میں امام ابوحنیفہؒ کے رد میں مستقل جزو موجود ہے۔

پہلی شق کا جواب مؤلف مذکور کا اس سے استدلال چند وجوہ سے باطل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ اس کی سند میں الساجی ہے علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں احد الاثبات ما علمت فیہ جرحا کہتے ہوئے بھی امام ابوالحسن ابن القطانؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کی توثیق اور بعض نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (میزان ج ۱ ص ۹)

امام ابوبکر رازیؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:۔

انہ لیس بمأمون ولا ثقۃ اھ — نہ وہ مامون ہے اور نہ ثقہ۔

(بحوالہ تقدمۂ نصب الرایہ ص ۵۸)

اور یہ تصریح بھی ان کے متعلق موجود ہے کہ:۔

کان وقاعا ینفرد بمناکیر عن مجاھیل بادی التعصب قال ابن القطان وثقہ قوم وضعفہ اٰخرون وکلام ابن حبان فی روایۃ البخیرمی مذکور فی انساب ابن سمعانیؒ۔

(حاشیہ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۵ طبع مصر)

وہ لوگوں کی پگڑیاں اچھالا کرتے تھے اور مجہول راویوں سے منکر روایتیں بیان کرنے میں منفرد ہوتے تھے۔ ان کا تعصب بالکل ظاہر ہے۔ ابن قطانؒ کہتے ہیں کہ ایک قوم نے ان کو ثقہ اور دوسروں نے ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبانؒ کا کلام بخیرمیؒ کی روایت سے کتاب الانساب علامہ ابن سمعانیؒ میں مذکور ہے۔

اگر ہم ان کی تضعیف سے صرفِ نظر بھی کرلیں اور انکو ثقہ بھی تسلیم کرلیں جیساکہ حافظ ابن حجرؒ کی رائے ہے (ملاحظہ ہو لسان ج۲ ص۴۸۸) تب بھی ان کا تعصّب خصوصیّت سے احناف کے بارے میں چھپی ڈھکی بات نہیں ہے۔ مقدمہ فتح الملہم ص۶۷ اور تقدمہ نصب الرایہ ص۵۸ میں ان کے تعصّب کا خصوصیّت سے ذکر موجود ہے۔ وتعصبه البارد مما لايطاق ظاہر بات ہے کہ ایسے متعصب کی روایت کیونکر قبول ہوسکتی ہے؟ امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں والساجیؒ ممن كان ينافس اصحاب ابی حنيفةؒ (الانتقاء ص۱۹۱) یعنی امام ساجیؒ حنفیوں سے چڑتے تھے۔

امام تاج الدین سبکی الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

بل الصواب عندنا ان من ثبتت امامته وعدالته وكثر مادحوه ومزكوه وندر جارحوه وكانت هناك قرينة دالة على سبب جرحه من تعصب مذهبی اوغيره فانا لا نلتفت الى الجرح فيه ونعمل فيه بالعدالة والا فلو فتحنا هذا الباب او اخذنا تقديم الجرح على اطلاقه لما سلم لنا احد من الائمة اذما من امام الا وقد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون اھ

(طبقات الشافعية الكبرىٰ ج۱ ص۱۸۸ طبع مصر)

بلکہ درست بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس کی امامت وعدالت ثابت ہو اور اس کی مدح اور صفائی بیان کرنے والے زیادہ اور ان پر جرح کرنے والے کم ہوں اور وہاں کوئی قرینہ بھی موجود ہو جو دلالت کرتا ہو کہ جرح تعصّب مذہبی وغیرہ کی وجہ سے ہے تو ہم اس کے بارے میں جرح کو قابلِ التفات نہیں سمجھیں گے اور ہم ان کو عادل ہی کہیں گے۔ ورنہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں یا ہم جرح کو علی الاطلاق مقدم سمجھیں تو ائمہ میں سے کون بچ سکتا ہے؟ کیونکہ کوئی امام ایسا نہیں جس میں طعن کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو یا ان میں ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوئے ہوں

پھر اسی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ولكن نرى ان الضابط ما نقوله من ان ثابت العدالة لا يلتفت فيه الى قول من تشهد القرائن بانه متحامل عليه اما لتعصب

لیکن ضابطہ یہ ہے جو ہم کہہ رہے ہیں کہ جس کی عدالت ثابت ہو اس کے بارے میں اس شخص کی بات قابلِ التفات ہی نہیں جس سے متعلق قرائن یہ شہادت

مذھبی او غیرہ اھ (ایضاً) دیتے ہوں کہ وہ زیادتی یا تعصب مذہبی وغیرہ کی وجہ سے الزام قائم کرتا ہے۔

ان ٹھوس اقتباسات کے پیشِ نظر تعصب مذہبی کے تحت کلام کرنے والے الساجی ہوں یا کوئی اور ہو، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کلام کریں یا کسی اور امام کے بارے میں جن کی امامت وعدالت ثابت ہو چکی ہو اور اُن کی مدح و تعریف بیان کرنے والے زیادہ اور جرح کرنے والے کم اور متعصب ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

وثانیاً اگر امام وکیعؒ بن الجراحؒ کی یہ روایت صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے جب انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کو بغور نہیں دیکھا ہو گا یہ رائے قائم کی ہو گی، مگر جب نظرِ دقیق کے ساتھ ان کے بیان کردہ مسائل کا جائزہ لیا ہو گا تو اُن کی رائے بدل گئی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بالآخر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے اُن کی تقلید کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا تھا اور انہی کے قول اور رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ طائفہ منصورہ میں ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ اگر واقعی امام وکیعؒ بن الجراحؒ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ نے بقولِ مؤلف نتائج التقلید کم از کم دو سو۲۰۰ حدیث کی مخالفت کی ہوتی تو وہ کبھی اُن کی تقلید نہ کرتے اور نہ اُن کی رائے پر فتویٰ دیتے۔ دو سو۲۰۰ حدیث کی مخالفت تو بہت بڑی چیز ہے، اگر بالفرض امام ابوحنیفہؒ کسی ایک ہی صحیح اور صریح حدیث کے مخالف ہوتے تو بھی امام وکیعؒ بن الجراحؒ جیسے پختہ کار محدّث کبھی ان کی مدح و توصیف نہ کرتے اور نہ ان کی تقلید کرتے۔

وثالثاً علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ ابن کرامہؒ (محمدؒ بن عثمانؒ بن کرامہؒ المتوفی ۲۵۶ھ ابوحاتم فرماتے ہیں کہ صدوق تھے اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں اُن سے احتجاج کیا ہے بغدادی ج ۳ ص۴۸، محدث مسلمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں بخاری میں ان کی چار روایتیں ہیں۔ تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۳۹) سے روایت کرتے ہیں کہ:

قال کنا عند وکیعؒ یوماً فقال رجل اخطأ ابوحنیفةؒ فقال وکیعؒ کیف یقدر ابوحنیفةؒ یخطئ ومعه مثل ابی یوسفؒ و زفرؒ فی قیاسهما ومثل یحییؒ بن ابی زائدةؒ وحفصؒ بن غیاث	ہم ایک دن وکیعؒ کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے کہا ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے۔ امام وکیعؒ نے فرمایا یہ کیسے فرض کیا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے خطا کی ہے جب کہ ابو یوسفؒ اور زفرؒ جیسے قیاس دان اور فقیہ اور

وحبانٌ ومندلٌ فی حفظهم الحدیث والقاسم بن معنٌ فی معرفته باللغة والعربیة وداوٗد الطائیٌ وفضیلٌ بن عیاضٌ فی زهدهما وورعهما من کان ھؤلاء جلساءہ لم یکد یخطئ لانه ان اخطأ ردوہ ۔

(تاریخ بغداد ج۱۴ ص۲۴۷)

یحییٰؒ بن ابی زائدہؒ، حفصؒ بن غیاثؒ، حبانؒ اور مندلؒ جیسے حفاظ حدیث اور قاسمؒ بن معنؒ جیسے لُغت اور عربی کے ماہر اور داوٗد طائیؒ اور فضیلؒ بن عیاضؒ جیسے زاہد اور متقی ان کے ہم مجلس ہوں ان حالات امام ابوحنیفہؒ کی خطا کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے کیونکہ ان کی موجودگی میں اگر وہ خطا کرتے تو وہ ان کو راہ راست کی طرف لوٹا دیتے۔

یہ روایت امام ابنِ حجر مکیؒ مولیٰ طاش کبری زادہؒ اور حضرت ملا علی ن القاریؒ نے بھی نقل کی ہے اور ان کی روایت کے آخر میں یوں ہے کہ:۔

وان اخطاء ردوہ الی الحق (وفی روایة للحق) (الخیرات الحسان ص۲۸ مفتاح السعادۃ ج۲ ص۸۳ وذیل الجواھر ج۲ ص۴۵۸)

کہ اگر امام ابوحنیفہؒ خطا کرتے تو یہ حضرات ان کو حق کی طرف لوٹا دیتے۔

علامہ الخوارزمی الحنفیؒ (المتوفی ۶۶۵ھ) یہ پوری روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

ثم قال وکیع رحمه اللہ والذی یقول مثل ھذا کالانعام بل ھم اضل۔ (جامع المسانید ج۱ ص۳۳ طبع دکن حیدرآباد)

پھر امام وکیعؒ نے فرمایا کہ جو شخص امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ کہتا ہے وہ تو جانوروں کی مانند یا ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہے۔

مؤلف نتائج التقلید اور اُن کے حواری دیدۂ بینا اور چشمِ بصیرت کے ساتھ یہ اقتباسات بار بار پڑھیں اور انصاف و دیانت سے یہ فرمائیں کہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ کیا امام ابوحنیفہؒ کے مخالف ہیں یا موافق؟ اور کیا وہ اُن کے علم و دیانت پر اعتماد کرتے ہیں یا بداعتمادی؟ اور امام ابوحنیفہؒ پر خطار کا الزام عائد کرنے والوں کو بروایت الخوارزمیؒ انہوں نے کیا خطاب دیا ہے؟ ہم کچھ نہیں کہتے خود ع مصلحت ہیں وکار آساں کُن۔

اشعارِ بُدن

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام وکیعؒ بن الجراحؒ کے اس بیان کے ساتھ ایک اور ضروری

بحث بھی عرض کر دیں جس کی وجہ سے وبجز غیر مقلدین حضرات کی طرح مولانا مبارکپوری صاحبؒ (دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۱۱۶) اور مؤلف نتائج التقلید، وغیرہ حضرات کو خاصی غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ مؤلف نتائج التقلید، امام وکیعؒ بن الجراحؒ کو حنفیت کے زمرہ سے خارج کرنے اور امام ابوحنیفہؒ کا مخالف بتانے کے سلسلہ میں ترمذی شریف (ج ۱ ص۱۱۶ طبع نولکشور) کی عبارت نقل کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم انہی کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:۔

"حضرت وکیعؒ اشعار کی حدیث بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے کہ اشعار سنّتِ ثابتہ اور اہل الرائے کوفہ والوں کا قول بدعت ہے لہذا ان کے قول باطل کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ ابوسائبؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت وکیعؒ کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تو اشعار کو مُثلہ قرار دیتے ہیں اور مُثلہ ہونے کی دلیل میں ابراہیم نخعیؒ اپنے دادا استاذ کا قول پیش کرتے ہیں۔ پس حضرت وکیعؒ اس شخص کا یہ جواب سن کر انتہائی جوش غصّہ میں فرمانے لگے کہ تیرے جیسے نالائق و منکرِ سنّت کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ تجھے قید کیا جائے اور جب تک تُو اپنے اس قول وعقیدہ بد سے توبہ نہ کرے تجھے قید سے نہ نکالا جائے۔ دوسو حدیث کی مخالفت سے بطور نمونہ ایک مصرح صحیح خلاف و انکار کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ اھ" (نتائج التقلید ص۱۰۹)

مؤلف نتائج التقلید اور ان کے ہمنوا ساتھیوں کا اس سے استدلال بچند وجوہ مردود ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ اس حکایت ہی میں خاصا کلام ہے جس کی مبسوط بحث علامہ قاسمؒ بن قطلوبغا الحنفیؒ (المتوفی ۸۷۹ھ) نے اپنی کتاب مُنیۃ الالمعی ص۳۹ میں کی ہے۔

وثانیاً امام وکیعؒ بن الجراحؒ نے اس ساری عبارت میں امام ابوحنیفہؒ کی شان کے خلاف کوئی ہلکا سا جملہ بھی استعمال نہیں کیا اور اہلِ کوفہ میں صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نہیں بلکہ امام ثوریؒ وغیرہ بے شمار حضرات شامل ہیں جیسا کہ مولانا مبارکپوری صاحبؒ نے اس کی تصریح کی ہے، اور باحوالہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اور سائل نے جب حدیث کے خلاف ابراہیمؒ کا حوالہ دیا تو اس پر حضرت وکیعؒ بن الجراحؒ برہم ہوئے لیکن امام ابوحنیفہؒ کا نام تادباً پھر بھی نہیں لیا، اس لیے اس عبارت سے

منطوق اور نص کے طور پر امام ابوحنیفہؒ کی تنقیص ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

وثالثاً امام طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے اشعار اور ترکِ اشعار دونوں میں تخییر نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ فعل سنّتِ مؤکدہ نہ تھا بلکہ محض اباحت اور استحباب کے درجہ میں تھا۔ (ملاحظہ ہو فتح الملہم ج۳ ص۳۱۰) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی مطلق اشعار کے ہرگز منکر نہ تھے بلکہ اس اشعار کے منکر تھے جو ان کے زمانہ میں لوگ بے احتیاطی کے ساتھ کیا کرتے تھے چنانچہ اعلم الناس بمذہب ابی حنیفۃؒ امام طحاویؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ:۔

فقال لم یکرہ ابوحنیفۃؒ اصل الاشعار وانما کرہ مایفعل علی وجہ یخاف منہ ھلاک البدن کسرایۃ الجرح لاسیما مع الطعن بالشفرۃ فاراد سد الباب عن العامۃ لانہم لا یراعون الحد فی ذالک الخ

(بحوالہ فتح الملہم ج۳ ص۳۱۰)

امام ابوحنیفہؒ اصل اشعار کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس اشعار کو مکروہ کہتے ہیں جو ایسے طریق پر کیا جاتا تھا جس سے قربانی کے جانوروں کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا تھا جب کہ زخم سرایت کر جاتا۔ اور خصوصاً چھری سے زخم کرنا تو امام صاحبؒ نے سدِ ذرائع کے طور پر اس سے منع کیا کیونکہ عوام اس کی رعایت نہیں رکھ سکتے تھے۔

اور امام صاحبؒ کا یہی مذہب امام ابومنصور ماتریدیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ) علامہ حصکفیؒ اور ابنِ عابدینؒ (وغیرہ) نے بھی نقل کیا ہے اور حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ویتعین الرجوع الی ماقال الطحاوی فانہ اعلم من غیرہ باقوال اصحابہ اھ

(فتح الباری ج ص فتح الملہم ج۳ ص۳۱۰)

طحاویؒ نے جو کچھ کہا ہے اسی کی طرف رجوع کرنا متعین ہے کیونکہ وہ اپنے اصحاب کے قول کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

اور حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) نے بھی امام طحاویؒ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو العرف الشذی ص۳۲۳)

اشعار کے مسئلہ میں سب سے زیادہ لے دے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر علامہ ابنِ حزمؒ نے کی ہے لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے ان کا قول نقل کر کے آخر میں یہی لکھا ہے کہ امام طحاویؒ کے قول کے مقابلہ میں کسی اور کی بات تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ باقی یہ کہنا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو اشعار کا حکم دیا ہے، ہلاکت اور غیر ہلاکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا تو بلاشک ایسا ہی ہے مگر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی دیگر صحیح اور صریح روایات جانوروں پر تعدی کرنے سے منع کرتی ہیں۔ اہلِ عرب کے پاس اونٹ بھی فراواں تھے اور وہ سنت کے مطابق اشعار کا طریقہ بھی بخوبی جانتے تھے۔ بخلاف اکثر اہلِ عجم کے جن کی بے اعتدالی کو دیکھ کر امام صاحبؒ نے اس غلو کو مکروہ کہا ہے۔

الغرض امام ابو حنیفہؒ کا غلو فی الاشعار کو بدعت کہنا اور چیز ہے اور نفسِ اشعار کا جواز تسلیم کرنا الگ بات ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھئے جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں کے مسجد میں صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ :-

بدعۃ۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۳۸ و مسلم ج ۱ ص ۴۰۹) یہ بدعت ہے۔

امام نووی الشافعیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

ان مرادہ ان اظہارھا فی المسجد والاجتماع لھا ھو البدعۃ لا ان اصل صلوٰۃ الضحیٰ بدعۃ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۰۹)

ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع کرنا یہ بدعت ہے نہ یہ کہ نفس صلوٰۃ الضحیٰ ہی بدعت ہے۔

اور اہلِ علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ بعض چیزیں باوجود سنت ہونے کے جب کہ ان کے ساتھ مزید غیر شرعی قیود شامل ہو جائیں تو وہ بدعت ہو جاتی ہیں۔ اس کی مزید تحقیق راقم کی کتاب "راہِ سنت" میں ملاحظہ کیجئے۔

ورابعاً اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام وکیع بن الجراحؒ نے اپنی فہم کے مطابق اشعار کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو رد کر دیا ہے تو اس سے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ وہ کلی طور پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مخالف تھے یا ان کے مقلد نہ تھے؟ اس قسم کی تاریخی طور پر سینکڑوں مثالوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اسی پر نگاہ ڈالیے کہ کیا حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں اصولاً حنفی نہ تھے؟ مگر بیسیوں مسائل میں انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف رائے کیا اور ان کے خلاف دلائل پیش کئے ہیں، کیا اس طریق سے وہ حنفیت سے خارج ہو گئے تھے؟ مولانا مبارکپوری صاحبؒ کا یہ کہنا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ، امام ابو حنیفہؒ کے مقلد اور حنفی نہ تھے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۴۷)

محض تسکین قلب کا سامان ہے اور بس۔ طائفۂ منصورہ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے وہاں ہی ملاحظہ کرلیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ترمذی کی اشعار والی عبارت سے امام ابوحنیفہؒ کا مخالفِ سنّت ثابت کرنا اور امام وکیعؒ بن الجراحؒ کو ان کا مخالف قرار دے کر اُن کے حلقۂ تقلید سے خارج کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ نہ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کسی صحیح حدیث کے منکر تھے اور نہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ غیر مقلّد تھے بلکہ وہ پکّے مقلّد اور کٹر حنفی تھے مگر اسی طرح جس طرح کہ اہلِ علم تقلید کیا کرتے ہیں۔

دوسری شق کا جواب :- بلاشک امام کبیر ابوبکر عبداللہؒ بن محمدؒ بن ابی شیبہؒ (المتوفی ۲۳۵ھ) جو الحافظ عدیم النظیر اور الثبت النحریر تھے (تذکرہ ج۲ ص۱۸) نے اپنے مصنّف میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے :-

ھذا ما خالف بہ ابو حنیفۃ الاثر الّذی	کہ یہ وہ باب ہے جس میں یہ بیان کیا جائیگا کہ ابوحنیفہؒ نے
جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم	آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث کی مخالفت کی ہے

اس باب میں اُنہوں نے بزعمِ خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک سو پچیس ۱۲۵ مسائل میں امام ابوحنیفہؒ نے احادیث و آثار کی مخالفت کی ہے لیکن اسکی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی فہم سے جو کچھ احادیث سے سمجھا ہے امام ابوحنیفہؒ کے تفقہ کو اس سے متصادم پاتے ہوئے حدیث کی مخالفت کی بھیانک شکل میں پیش کیا ہے۔ بالفاظِ دیگر ان دونوں بزرگوں کے درمیان تفقہ اور اس کے طریقِ کار کا اختلاف ہے۔ گویا یوں کہیے کہ امام ابوحنیفہؒ امام ابن ابی شیبہؒ کے فقہی مذہب کے خلاف کیا ہوئے بلکہ ان کے زعم میں حدیث ہی کے مخالف ہوگئے۔ (معاذ اللہ) اور اس سے بڑھ کر اس کی اور کوئی حقیقت نہیں ع

بس اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

بعینہٖ یوں سمجھیے جس طرح امام لیثؒ بن سعدؒ نے امام مالکؒ کو ستّر حدیثوں کا مخالف بتایا ہے اور علامہ ابنِ حزمؒ نے ان کو ستّر سے زاید حدیثوں کا تارک گردانا ہے یا جس طرح امام ابن عبدالحکمؒ نے حضرت امام شافعیؒ کو کتاب اللہ و سنّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مخالف گردانا ہے۔ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ائمہ دین اور اساطین علم جن پر عالمِ اسباب میں علومِ شریعت کا

انحصار ہے واقعی ایسے تھے؟ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین حضرات کو فہم عطا فرمائے کہ وہ بات کو سمجھ سکیں اور ائمہ دین میں سے کسی کے خلاف اگر کتابوں میں کوئی حوالہ نظر آئے تو اس کو لے کر چوہے کی طرح پنساری نہ بن بیٹھیں جس کو سونٹھ کی گرہ ملی تھی اور وہ پنساری و عطاری بننے کا خواب دیکھتا رہا تھا مگر افسوس ہے کہ :۔ ع

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب ہیں

یہ یاد رہے کہ امام ابن ابی شیبہؒ کے جواب میں بہت سے علماء اسلام نے تردیدی کتابیں لکھی ہیں جن میں خصوصیت سے مندرجۂ ذیل حضرات کی کتابیں قابلِ ذکر ہیں :۔

(۱) حافظ عبد القادر القرشی الحنفیؒ مؤلف الجواہر المضیہ ان کی کتاب کا نام الدرر المنیفۃ فی الرد علی ابن شیبۃ فی ما اوردہ علی ابی حنیفۃ ہے۔

(۲) حافظِ حدیث اور فقیہ وقت قاسمؒ بن قطلوبغا الحنفیؒ المتوفی ۸۷۹ھ جن کو حافظ ابن حجرؒ باوجود اُستاد ہونے کے ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :۔ الامام العلامہ المحدث الفقیہ اور الشیخ الفاضل المحدث الکامل الاوحد (الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع ص ۱۸۶ ج ۶ از علامہ السخاوی الشافعیؒ) ان کی کتاب کا نام الاجوبۃ المنیفۃ عن اعتراضات ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفۃ ہے۔

(۳) علامہ بحاثہ محمد زاہد کوثری الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) ان کی تالیف کا نام النکت الطریفۃ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفۃ ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے نہ تو حدیثِ اشعار کا انکار اور مخالفت کی ہے اور نہ کسی ایسی حدیث کی جو انکی عائد کردہ شرطوں کے مطابق ہے۔ ان پر انکار حدیث یا مخالفتِ حدیث کا الزام بالکل بے بنیاد اور محض و خالص افتراء ہے۔ ہاں چونکہ وہ مجتہد ہیں اسلیے یہ تو ممکن ہے کہ کسی شرط کے عائد کرنے میں غلطی کر گئے ہوں جس طرح کہ حضرت امام بخاریؒ نے حدیث حسن کو قابلِ استدلال نہیں گردانا۔ حالانکہ گزر چکا ہے کہ ان کا یہ نظریہ بقول ابن العربیؒ کے اور تمام متقدمین و متاخرین کے خلاف ہے، مگر اس سے انکی دیانت پر کیا اثر؟ اور اسی طرح فقہی اور معنوی طور پر خطائے اجتہادی تو قابلِ انکار چیز ہے اور نہ قابلِ گرفت۔ صحیح صریح اور مرفوع روایت سے گزر چکا ہے کہ مجتہد بصورت خطا بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ بقول شخصے ع

" اُس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت "

بابِ ہفتم

مخالفتِ حدیث کی ایک نفیس بحث

اس مقام پر اصولی طور پر یہ بحث بھی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ مخالفتِ حدیث کا مفہوم کیا ہوتا ہے؟ کیا ہر مقام پر مخالفت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے الفاظ کی مخالفت مراد ہوتی ہے یا ان الفاظ کے اندر جو معنیٰ اور مدلول پنہاں ہوتا ہے، اس کی مخالفت بھی مراد ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی شخص آپ کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن ان کے اندر جو معنیٰ مستنبط ہوتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے جو بظاہر لفظوں سے متبادر نہیں ہوتا تو کیا اس شخص کو مخالفتِ حدیث کا ملزم قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر اس منع اور نہی سے حرمت اور کراہتِ تحریمیہ ہی مراد ہوگی یا اس سے ترکِ اولیٰ اور کراہت تنزیہیہ بھی مراد ہو سکتی ہے؟ اور اگر آپ نے کوئی حکم ارشاد فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر وہ امر اور وجوب ہی کے لیے ہوگا یا کہیں محض ارشاد اور مشورہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جس کا نہ ماننے والا عاصی اور نافرمان نہیں کہلایا جا سکتا؟ ہم نہایت اختصار کے ساتھ صحیح احادیث سے ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں، غور فرمائیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے غزوۂ احزاب کے موقع پر (جب کہ یہود بنی قریظہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی ریشہ دوانی کرنے کے بعد مدینہ طیبہ سے چند میل دُور قلعہ بند ہو گئے تھے) یہ ارشاد فرمایا کہ فوراً بنو قریظہ کے

پاس پہنچو اور

لا يصلين احد العصر الا في بني قريظة فادرك بعضهم العصر في الطريق فقال بعضهم لا نصلي حتى نأتيها وقال بعضهم بل نصلي لم يرد منا ذالك فذكر ذالك للنبي صلى الله عليه وسلم فلم يعنف واحداً منهم (بخاری ج۲ ص۵۹۱)

تم میں سے کوئی ایک شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جا کر چنانچہ راستہ میں ان میں سے بعض پر عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ ان میں سے کچھ حضرات نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ ہی میں جا کر نماز پڑھیں گے اور بعض دیگر نے کہا کہ ہم تو نماز یہاں ہی پڑھیں گے کیونکہ ہم سے یہ تو طلب نہیں کیا گیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں انہوں نے نماز پڑھ لی۔ جب آپ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔

ان میں سے ایک گروہ نے معنیٔ مراد کو ملحوظ رکھ کر عصر کے وقت نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے ظاہری الفاظ کو دیکھا اور نماز عصر عشا کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر پڑھی۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ پہلا گروہ فقیہ تھا اور وہ دوھرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا گروہ معذور بلکہ ماجور تھا مگر ایک اجر کا وہ بھی مستحق ہوا۔ (زاد المعاد ص۲۷۶ ج۲)

تعجب ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہی جو نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ ہے اور لفظ احد جو نکرہ ہے نہی کے نیچے داخل ہو کر استغراق کا فائدہ دیتا ہے جس سے کوئی فرد مستثنٰی نہیں مگر باایں ہمہ حضرات صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ ظاہری الفاظ کے خلاف عمل کرتا ہے اور وہ پھر بھی قابلِ ملامت نہیں ٹھہرتا بلکہ ماجور ہوتا ہے اور اجر بھی دوھرا اور مفہوم کو وہ لفظوں کے اندر چھپا ہوا پاتا ہے ظاہری الفاظ میں تو اس کی کہیں بُو تک محسوس نہیں ہوتی، چاہیئے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو مخالف حدیث گردانا جاتا اور آپ کی صریح نہی کا (جو اُن کے حق میں قطعی تھی کیونکہ ان کو یہ حکم بالمشافہ ملا تھا) مخالف قرار دے کر قابلِ ملامت سمجھا جاتا، مگر ایسا نہیں ہوا سوچیئے کیوں؟ اور جس گروہ نے ظاہری الفاظ دیکھے اور انہی پر عامل ہوا اور عصر کی تاکیدی نماز کو قضا کر دیا تو ایک اجر کا وہ بھی مستحق رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال السهيلي وغيره في هذا الحديث من الفقه

امام سہیلیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے جو فقہ

انه لا یعاب علی من اخذ بظاہر حدیث اوایة وعلی من استنبط من النّص معنی یخصصهٗ (فتح الباری پ ۱۶ ص ۷۶ طبع دهلی)

حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی حدیث یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب نہیں اور ان لوگوں پر بھی کوئی عیب نہیں جنہوں نے نص سے کوئی معنیٰ استنباط کیا جو اس کو مخصص کرتا ہو۔

اگر مخالفتِ حدیث کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ کی مخالفت ہو اور معنیٔ مستنبط کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ضرور مخالفت ہوگی ورنہ یہ عمل بالحدیث ہی ہوگا جو کسی طرح قابلِ ملامت نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی لونڈی حضرت ماریہؓ کو منافقین کے ایک گروہ نے ان کے چچا زاد بھائی حضرت مابورؓ سے متہّم کر دیا۔ یہ خبر اس انداز سے پھیلی کہ خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی اس خبر کا یقین آگیا اور کچھ قرائن اور شواہد بھی ایسے تھے جن کی وجہ سے آپ کا یہ یقین بے جا نہ تھا۔ آپ نے غیرت میں آکر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مابورؓ کو جہاں ملے جاکر قتل کر دو۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

اذهب فاضرب عنقهٗ (مسلم ج ۲ ص ۳۶۸) جا اور جاکر اس کی گردن اڑا دے۔

حضرت علیؓ گئے تو دیکھا کہ وہ ایک کنوئیں میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے، اس کو جو وہاں سے کھینچا تو اس کشمکش میں اس کا تہ بند کھل گیا، حضرت علیؓ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ:۔

لم یخلق اللہ له ما للرجال (مستدرک ج ۴ ص ۳۹) اللہ تعالیٰ نے فطرتاً اس کا آلہ ہی پیدا نہیں کیا۔

اور امام مسلمؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

وانه لمجبوب ماله ذکر (مسلم) وہ مجبوب و نامرد تھا اس کا سرے سے آلۂ تناسل ہی نہ تھا۔

حضرت علیؓ نے جب یہ محسوس کیا کہ اس شخص میں قتل کرنے کی وہ علّت ہی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر مجھے دربارِ رسالت سے حکم ملا تھا۔ تو انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی اور واپس جاکر آپ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

الشاهد یری ما لا یری الغائب (مسند احمد) حاضر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

ج ۱ ص استادہ رجال ثقات، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۴

.وروی انسؓ مثلہ، واسنادہ صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۴

آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا صریح اور بالمشافہ حکم اور وہ بھی تعزیر وحد کی مد کا جس میں بحکم خداوندی کسی نرمی اور رأفت کی کوئی گنجائش ہی نہیں، کیا درجہ رکھتا ہے؟ مگر حضرت علیؓ اس حکم کی تعمیل کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں اور دربارِ نبوت سے بجائے ملامت اور سرزنش کے وہ اس ترکِ حکم پر دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں۔ اب کیا کہا جائے کہ حضرت علیؓ آپ کے اس حکم اور حدیث کی مخالفت کی وجہ سے منکر اور مخالفِ حدیث ہیں؟ حاشا وکلّا کوئی مسلمان اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔

(۳) حضرت علیؓ ہی کی ایک روایت میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

فان امۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم زنت فامرنی ان اجلدھا فاذا ھی حدیث عھد بنفاسٍ فخشیت ان انا جلدتھا ان اقتلھا فذکرت ذٰلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلّم فقال احسنت (مسلم ج ۲ ص ۷۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک لونڈی نے زنا کیا۔ مجھے آپ نے فرمایا کہ جاکر اس کو کوڑے لگا دو۔ میں گیا تو دیکھا کہ اس کے ہاں بچّہ پیدا ہوا ہے، مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اس کو سزا دی تو کہیں وہ مر ہی نہ جائے میں بغیر سزا دیئے واپس آپ کی خدمت میں پہنچا اور سارا قصّہ سنا دیا۔ آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا ہے۔

غور فرمایئے کہ آپ کا ظاہری حکم مقیّد اور مشروط نہ تھا، لیکن حضرت علیؓ نے جو فقہائے صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں اپنے تفقہ واجتہاد سے یہ سمجھا کہ آپ کا حکم درحقیقت مشروط ومقیّد ہے۔ بایں شرط کہ وہ لونڈی ہلاک نہ ہوجائے اور زچگی کی حالت میں سزا دینا ہوسکتا ہے کہ اس کی موت پر منتج ہو اس لیے انہوں نے کوئی سزا نہ دی اور واپس چلے آئے۔ آپ نے یہ سُن کر بجائے اس کے کہ ان کو عصیان اور روگردانی کے داغ سے داغدار کرتے اُلٹا اُن کی تائید وتصویب اور تحسین فرمائی اَحْسَنْتَ کہ تو نے اچھا کیا۔ برعکس اس کے اگر اس حالت میں حضرت علیؓ اس کو کوڑے لگا دیتے تو آپ کے ظاہری حکم کی تعمیل کی وجہ سے بہت ممکن ہے کہ وہ معتوب

ٹھہرتے ۔ اس ایک ہی واقعہ سے بہت سے اجتہادی، قیاسی اور فروعی مسائل جو بظاہر بعض احادیث کے ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر مجتہدین تفقہ و اجتہاد کا ملکہ ہونا ضروری امر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کشتیٔ تفقہ کا پانچواں سوار ہی یہ دعوےٰ کر نہ بیٹھے۔ سچ ہے کہ :۔

ترے رِندوں پہ سارے کُھل گئے اسرارِ دیں ساقی
ہُوا علم الیقیں، حق الیقیں، عین الیقیں ساقی

(۴) حضرت براءؓ بن عازبؓ (المتوفی ۷۱ھ) کی ایک طویل حدیث میں، جس میں انہوں نے صلح حدیبیہ کے پورے حالات کا نقشہ کھینچا ہے، اُس میں یہ مضمون بھی آتا ہے کہ بالآخر جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور قریشِ مکّہ کے درمیان معاہدہ طے ہُوا تو آپ نے عہد نامہ پر اپنے کاتب حضرت علیؓ سے یہ الفاظ بھی لکھوائے کہ ھذا ما قاضٰی علیہ محمد رسول اللہ الخ یعنی یہ وہ عہد نامہ ہے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فریق ثانی سے طے کیا ہے۔ مشرکین کے نمائندہ (سہیلؓ بن عمرو جو بعد کو مسلمان ہو گئے تھے) نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور کہنے لگا کہ اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لیں تو پھر ہمارا اور آپ کا اختلاف کیا؟ اس لیے رسول اللہ کے الفاظ آپ کو صلح نامہ سے کاٹنے پڑیں گے اور محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھوانے پڑیں گے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں صلی اللہ علیہ وسلم مگر جب مشرکین نہ مانے تو حالات کی انتہائی نزاکت کے پیشِ نظر آپ نے فرمایا کہ :۔

ثم قال لعلیؓ امح رسول اللہ قال لا واللہ لا امحوك ابدًا۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۷۲)

علیؓ ! رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی میں تو کبھی نہ مٹاؤں گا۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے :۔

فامر علیًا ان یمحاھا فقال علیؓ واللہ لا امحاھا (مسلم ج ۲ ص ۱۰۵)

کہ آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہ الفاظ مٹا دیں مگر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بخدا میں ان کو نہیں مٹاؤں گا۔

بڑا ہی عجیب معاملہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تو حضرت علیؓ کو نام لے کر امر اور حکم دے رہے ہیں کہ اے علیؓ یہ لفظ مٹا دو مگر حضرت علیؓ ہیں کہ آپ کے اس صریح حکم کی تعمیل

کرنے کے بجائے حلفیہ طور پر یہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں تو کبھی نہ مٹاؤں گا۔ انصاف سے فرمائیے کہ حضرت علیؓ پر کیا فتویٰ لگانا چاہیئے؟ اور لگانا بھی چاہیئے یا نہیں؟ نظر بظاہر تو فتویٰ نہ لگانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رد در روحکم ہو اور نام بے کر ہو۔ لیکن اس کے جواب میں حضرت علیؓ خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر عدم تعمیل پر مُصِرّ اور کمر بستہ ہوں تو پھر وہ فتویٰ بازی سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟ اور کب بچ سکتے ہیں؟ (معاذ اللہ) ظاہر بین جانیں اور اُن کی فتویٰ بازی، ہاں البتہ دیدۂ بصیرت رکھنے والے اور بات کی تہ اور حقیقت کو سمجھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ قریشِ مکّہ کے نمائندوں کی موجودگی میں حضرت علیؓ کے اس ظاہری انکار میں بھی ادب اور عشقِ محمدی سمندر کی اندرونی موجوں کی طرح اُبل رہا ہے اور زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ جس رسول اللہ کی محبت اور فدائیت نے دنیا کے تمام لذائذ و مسرّتوں سے بے نیاز کر دیا ہے، اس کے نقشِ پاک کو دل کے آئینہ سے مٹانا تو رہا الگ بخدا ان کے اس پیارے نام کو سطحِ کاغذ سے مٹانے پر بھی دل آمادہ نہیں ؎

سکوت شمع سرِ بزم کو خبر ہی نہیں
تڑپ رہا ہے ازل سے مذاقِ پروانہ

چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وھذا الذی فعلہ علیؓ من باب الادب المستحب لانہ لم یفھم من النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم تحتیم محو علیؓ بنفسہ ولھذا لم ینکر ولو حتم محوہ بنفسہ لم یجز لعلیؓ ترکہ ولما اقرّہ النبی صلّی اللہ علیہ و سلّم علی المخالفۃ	یہ کاروائی جو حضرت علیؓ نے کی ہے ادب مستحب کے باب سے ہے کیونکہ وہ آپ کے قول سے یہی سمجھے تھے کہ اس نوشت کا مٹانا خود علیؓ پر لازم نہیں اور اسی لیے آپ نے حضرت علیؓ پر کوئی گرفت نہیں کی۔ اگر ان کے لیے بدست خود مٹانا ضروری ہوتا تو نہ حضرت علیؓ کے لیے اس حکم کا ترک جائز ہوتا اور نہ آپ ان کو اس مخالفت پر برقرار رہنے دیتے۔
(شرح مسلم ج۲ ص۱۰۴)	

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ظاہری الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے اور ان کی تہ میں ادب مستحب کا جو معنیٰ خفتہ و پنہاں ہے جس کو حضرت علیؓ کی دُور رس اور فقیہانہ نگاہ تاڑ سکی

ہے۔ وہ بھی دیکھ لیجیے جس کا ظاہری الفاظ میں کہیں نام ونشان تک نہیں ملتا۔ آج تک اُمّتِ مرحومہ میں سے کسی کو یہ بات نہ سُوجھی کہ وہ حضرت علیؓ کو منکر یا مخالفِ حدیث بنا کر کوستا ہو اور منظّم طور پر مخالفِ حدیث ہونے کا مکروہ پراپیگنڈا ان کے خلاف شروع کرتا ہو۔ مگر ؎

جو دل میں عشق نہیں دل ہے جنسِ ناکارہ!
نہ ہو چمک تو ہے آئینہ ایک پارۂ سنگ!

(۵) حضرت عبداللہؓ بن عمرو بنؓ العاص (المتوفی ۶۵ھ) کی یہ شکایت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو پہنچی کہ انہوں نے تا زیست ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات کے قیام کا التزام کر لیا ہے جس کی وجہ سے بقیہ جائز کاموں کے علاوہ حقوق زوجیت میں بھی خلل واقع ہوتا ہے۔ آپ نے ان کو اس فعل پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ رات کو قیام بھی کرو اور ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھو، یہ صوم الدھر ہو جائے گا۔ انہوں نے اس سے زیادہ کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ سب سے افضل روزہ ہے۔ (بخاری ج۱ ص۲۶۵)

اور ایک روایت یوں ہے کہ :-

قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم لاصام من صام الابد مرّتین (بخاری ج۱ ص۲۶۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا۔

اس صحیح اور صریح روایت کے ظاہری الفاظ سے صوم الدّھر کی ممانعت یا کراہت ثابت ہوتی ہے لیکن امّتِ مرحومہ میں بے شمار لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو صائم الدّھر تھے۔

حضرت امام شُعبہؒ بن الحجّاجؒ صائم الدّھر تھے۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۲۲)

امام وکیعؒ بن الجراح صائم الدّھر تھے۔ (تاریخ بغداد ج۱۳ ص۴۷۰)

حضرت امام بخاریؒ صائم الدّھر تھے۔ (میزان الکبریٰ ج۱ ص۵۰)

اگر ہم چاہیں تو کتب اسماء الرجال اور طبقاتِ رواۃ سے سینکڑوں مثالیں ان حضرات کی پیش کر سکتے ہیں جو صائم الدّھر تھے مگر صرف ایک حوالہ اور عرض کرتے ہیں :-

مؤلّف نتائج التقلید اپنے اُستاد محترم حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی رح

کے حالات میں زیرِ عنوان مشاہدہ لکھتے ہیں کہ :-

"مدتِ مدید اور عرصۂ بعید سے صائم الدھر ہیں ۔ صرف ایک ہی وقت شام کو کھایا کرتے ہیں" (بلفظہٖ ص۳۰)

اِس حوالہ سے معلوم ہوا کہ مولانا روپڑی صاحبؒ سحری بھی نہیں کھاتے تھے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صحیح اور صریح حدیث یوں آتی ہے کہ :-

تسحّروا فانّ فی السحور برکة (بخاری ج۱ ص۲۵۷ ومسلم ج۱ ص۳۵۰ ومشکوٰة ج۱ ص۱۷۵) یعنی تم سحری (کھایا) کرو۔ کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

تسحّروا امر کا صیغہ ہے ، وجوب کے لیے نہ سہی استحباب سے کیا کم ہوگا ؟ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ سحری کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے (ج۱ ص۳۵۰) مگر اس حوالے کے پیشِ نظر مولانا حافظ روپڑی صاحبؒ کا عمل اس پر نہیں تھا ، اور پہلی روایت کے ظاہری الفاظ کی خلاف ورزی کرنے والے جمہور اُمت میں علاوہ امام شعبہؒ ، امام وکیعؒ ، امام بخاریؒ کے خود مولانا روپڑی صاحبؒ بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تو لاصام من صام الابد فرما کر اس کی نفی کی ہے مگر یہ حضرات اس کے خلاف چلتے رہے ہیں تو کیا اب ان تمام حضرات کو مخالفِ حدیث کہہ کر کوسنا شروع کر دیا جائے ؟ یا یہ کہا جائے کہ اگرچہ آپؐ نے یہ ارشاد تو فرمایا ہے مگر اس کی تہ میں امتِ مرحومہ کے ساتھ ترفّق اور سہولت منظور ہے ۔ اگر کوئی شخص اپنے لیے سہولت سمجھتا ہے اور ایامِ ممنوعہ کے علاوہ ہمیشہ روزے رکھتا ہے تو وہ اس حدیث کے اندر جو مفہوم پنہاں و پوشیدہ مگر زبانِ حال سے گویا ہے اس پر عامل ہے اور یہ کارروائی حدیث کے مخالف نہیں اور نہ اس کی وجہ سے کسی پر ملامت جائز اور روا ہے ، اور اس طرزِ عمل میں صرف امام ابو حنیفہؒ ہی نہیں بلکہ اکثر ائمہؒ ان کے ساتھ ہیں غرضیکہ ؎

"ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند"

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خصالِ فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ :-

ونتف الابط (بخاری ج۲ ص۸۷۵ ومسلم ج۱ ص۱۲۹) زیرِ بغل بال اکھاڑے جائیں۔

وابوعوانہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ وغیرہ)

لغت عربی میں نتف کے معنی موچنے کے ساتھ بالوں کے اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح اور مرفوع روایت میں حلق الابط (استرے کے ساتھ زیر بغل بالوں کا منڈانا) نہیں آتا مگر جمہور اُمّت نتف پر عمل نہیں کرتے بلکہ خود غیر مقلّدین حضرات بھی جہاں تک ہم نے دیکھا اور سُنا ہے اور جو عمل بالحدیث کے بزعمِ خویش مدعی بھی ہیں نتف پر عامل نہیں ہیں۔ تو کیا اب سب اُمّت کو اس حدیث کا تارک اور مخالف قرار دے کر ان پر برسنا شروع کر دیا جائے؟

امام نوویؒ اور قاضی شوکانیؒ نتف الابط کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

اما نتف الابط فسُنّة بالاتفاق والافضل فیہ النتف لمن قوی علیہ ویحصل ایضاً بالحلق وبالنورة وحکی عن یونس بن عبد الاعلی قال دخلت علی الشافعی رحمہ اللہ وعندہٗ المزیّن یحلق ابطہ فقال الشافعی علمت ان السّنة النتف ولکن لا اقوای علی الوجع۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ ونیل الاوطار ص ۱۲۴ ج ۱)

بہرکیف زیر بغل بالوں کا اکھاڑنا بالاتفاق سنّت ہے۔ اور افضل اس میں جو اس پر قوی ہو اکھاڑنا ہی ہے اور منڈوانے اور چونہ سے زائل کرنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ یونسؒ بن عبد الاعلیٰ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے پاس گیا تو ان کے پاس حجام تھا جو اُن کی بغلوں کے بال اُسترے سے صاف کر رہا۔ حضرت امام شافعیؒ نے از خود ہی یہ فرمایا کہ میں اس کو جانتا ہوں کہ سنّت بالوں کا اکھاڑنا ہی ہے مگر میں تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اِس حدیث میں بصراحت کوئی ایسی قید ثابت نہیں کہ یہ حکم اُس شخص کے لیے ہے جو اُکھاڑنے پر قوی ہو مگر شراحِ حدیث لمن قوی علیہ کی قید سے اس کو مقیّد کرتے ہیں اور اُسترے اور چونہ سے بھی فرماتے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام اہل سنّت حضرت امام شافعیؒ بھی نتف ابط کی حدیث پر باوجود اس کو سنّت کہنے کے عمل نہیں کر سکے اور معذرت کر گئے ہیں۔ اب کیا تمام اُمّت

کو نتف ابط کی حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے منکر یا تارکِ حدیث کہہ دیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جو حضرات روحِ شریعت سے واقف ہیں اور صرف پوست پر ہی اکتفا نہیں کرتے وُہ از روئے تفقہ یہ سمجھتے ہیں کہ مقصود بالذات تو بالوں کا دُور کرنا ہے، خواہ وہ کسی بھی صورت سے حاصل ہو جائے۔

(۷) حضرت انسؓ بن مالک (المتوفی ۹۳ھ) سے روایت ہے کہ:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یتمنین احدکم الموت من ضرٍ اصابہ فان کان لابد فاعلاً فلیقل اللّٰھم احینی ماکانت الحیوٰۃ خیرًا لی وتوفّنی اذا کانت الوفاۃ خیرًا لی۔ (بخاری ج۲ ص۸۴۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ہرگز کسی دُکھ کی وجہ سے جو اُسے پہنچا ہو موت کی تمنّا مت کرے سو اگر خواہ مخواہ یہ تمنّا کرنی ہی ہے تو یوں کہے اے اللہ تو مجھے زندہ رکھ اگر میرے لیے زندگی بہتر ہے اور تو مجھے وفات دے دے اگر میرے حق میں وفات بہتر ہے۔

اس حدیث میں لفظ ضرّ مطلق ہے، عام اس سے کہ یہ ضرر دینی ہو یا دنیوی اور نہی بھی نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مگر شرّاحِ حدیث اس مقام میں ضُرّ کو دنیوی ضرر سے مقیّد کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ نے موت کی آرزو کی تھی جب کہ معاملات بہت پیچیدہ ہو گئے اور فتنے بڑھ گئے اور قتل و قتال کا بازار گرم ہو گیا اور قیل و قال بہت کثرت سے شروع ہو گئی تھی اور اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے بھی موت کی آرزو کی تھی۔

لمّا اشتد علیہ الحال ولقی من مخالفیہ الاھوال

جب ان کی حالت سخت ہو گئی اور اپنے مخالفین سے پریشانیوں کا سامنا ہوا۔

اور حدیث نہی عن الموت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

والمراد بالضر ھھنا مایخص العبد فی بدنہ من مرض ونحوہ لا فی دینہ الخ (البدایہ والنہایہ ج ص۲۱۹)

ضرر سے مراد اس حدیث میں ایسا ضرر ہے جو آدمی کو بدنی طور پر پیش آئے، مثلاً بیماری وغیرہ، اس سے دینی ضرر مراد نہیں ہے۔

غور فرمایئے کہ جو شخص ضرر کی دینی اور دنیوی تقسیم نہیں کرے گا اور حدیث میں نہی کو عام

سمجھے گا تو اس کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ اس صحیح حدیث کے مخالف نظر آئیں گے اور اگر وہ اس حدیث کے اندر یہ تقسیم تلاش کرے گا تو اس کو ناکامی ہوگی مگر شراح حدیث اور فقہاء امت کے تفقہ سے یہ گتھی سلجھے گی اور ان اکابر کے خلاف مخالفِ حدیث ہونے کا ادنیٰ وہم بھی نہیں ہو سکے گا۔

حضرت امام بخاریؒ کو جب اپنے استادِ محترم امام محمدؒ بن یحییٰ الذھلیؒ سے بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا تو حاکمِ بخارا اور دیگر بعض اہلِ وطن کی گہری سازش سے ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور سمرقند سے دو فرسخ کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں حضرت امام بخاریؒ فروکش ہوئے کیونکہ ان کے کچھ رشتہ دار وہاں رہتے تھے۔ امام عبدالقدوسؒ بن عبدالجبارؒ السمرقندی کا بیان ہے کہ:-

فسمعتہ لیلۃ من اللیالی وقد فرغ من صلوٰۃ اللیل یدعو ویقول فی دعائہ اللّٰھم انہ ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک قال فما تم الشھر حتّٰی قبضہ اللہ الیہ وقبرہ بخرتنگ۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۴ وطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴ طبع مصر)	میں نے ان کو ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے سو تو مجھے اپنی طرف اٹھالے اس کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا ہی لیا اور ان کی وفات ہو گئی، اور ان کی قبر خرتنگ میں ہے۔

جو شخص لَا یَتَمَنَّیَنَّ کی حدیث کو عمومی نگاہ سے پڑھے گا تو اسے حضرت امام بخاریؒ کا یہ فعل ضرور مخالفِ حدیث نظر آئے گا لیکن اگر تعمق و باریک بینی اور تفقہ کی نگاہ سے وہ دیکھے گا تو اسے کوئی مخالفت نظر نہ آئے گی اور ہر چیز اپنے مقام پر رہے گی کہ ہینگ لگے نہ پھٹکری۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کتنے عرصے میں قرآن کریم ختم کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

اقرأ فی کل سبع لیالٍ مرۃً۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۵۵)	یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کیا کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ :۔

فاقرأہ فی سبع ولا تزد علی ذالک (بخاری ج ۲ ص ۷۵۶) ہفتہ میں صرف ایک بار پڑھو اور اس زیادہ مت کرو۔

حضرت امام بخاریؒ اختلافِ روایات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

قال بعضھم فی ثلاث وفی خمس واکثرھم علی سبع (بخاری ج ۲ ص ۷۵۶) بعض نے تین راتوں میں اور بعض نے پانچ میں اور اکثر نے سات راتوں میں ایک بار ختم قرآن کا کہا ہے۔

گویا فنِ روایت کی رُو سے حضرت امام بخاریؒ نے اکثر روایات (اور ایک روایت میں ہے کہ اکثر روات) کا اتفاق سات راتوں میں قرآن کریم کو ختم کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور بظاہر اسی کو ترجیح دی ہے۔ چلئے تین ہی راتوں میں قرآن کریم ختم کرنے کی روایات کو لے لیجیے، تب بھی روایت اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین سے کم راتوں میں قرآن کریم ختم کرنے کا ذکر حضرت امام بخاریؒ کے پیشِ نظر نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اُمّتِ مرحومہ میں بہت سے حضرات ایسے بھی ہوئے ہیں جو صرف ایک ہی رات میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمان بن عفان المتوفی ۳۵ھ (قیام اللیل ص ۶۱ و طبقات ابنِ سعدؒ ج ۳ ص ۵۳) حضرت تمیم داریؓ المتوفی سنہ ۴۰ھ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۵ و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۱۱) اور حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ (المتوفی ۷۳ھ طحاوی ج ۱ ص ۲۰۵ و قیام اللیل ص ۶۳) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں اور ائمہ دین میں حضرت امام شافعیؒ صرف رمضان مبارک کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۹) اور ایک مرتبہ انہوں نے ایک مسئلہ کی تلاش میں روزانہ تین مرتبہ اور تین دنوں میں نَو دفعہ قرآن کریم ختم کیا تھا (مفتاح الجنۃ ص ۲۹ للسیوطی طبع مصر) اور امام وکیعؒ بن الجراحؒ ایک رات میں قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۴۷۰) امام الجرح والتعدیل یحییٰؒ بن سعید القطانؒ چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (بغدادی ج ۱۴ ص ۱۴۱ و تہذیب الاسماء واللغات نووی ج ۲ ص ۱۵۴)۔

ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں باحوالہ تاریخی طور پر اس کی پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہمارا مقصد دلائل و حوالجات کا استیعاب نہیں ہم تو صرف اپنی بات کو مُبَرہن کرنا چاہتے ہیں صرف

ایک حوالہ اور سُن لیجئے۔ حضرت امام بخاریؒ کے حالات میں کُتُب تاریخ، طبقاتِ رولت اور اسماء الرجال میں یہ بھی مذکور ہے کہ:-

وکان یختم بالنہار فی کل یوم ختمۃ ویکون ختمہ عند الافطار کل لیلۃ ویقول عند کل ختم دعوۃ مستجابۃ۔ (تاریخ بغداد ج۲ ص۱۲ وطبقات الکبریٰ ج۲ ص۹ علامہ سُبکیؒ والحطۃ ص۲۲)

امام بخاریؒ ہر روز دن کو ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے اور یہ ختم افطار کے وقت ہر شب کو ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے دَعْوَۃٌ مُسْتَجَابَۃٌ۔

اگر حدیث مذکور کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو بعض اہلِ ظاہر کی طرح یہ نظریہ قائم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ دنوں سے کم میں قرآن پاک کو ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (ہامش بخاری ج۲ ص۷۵۶) اور سلف صالحینؒ کے ان اکابر کو معاذ اللہ مکروہ تحریمی کا مرتکب کہنا پڑے گا۔ اگر حدیث کے ظاہری الفاظ کی مخالفت ہی سچ مچ مخالفت ہوتی ہے اور اس کی تہ میں کسی پنہاں معنیٰ اور مضمر حقیقت کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو یقین جانیئے کہ ان اکابر کو مخالفِ حدیث کا لقب دیا جائے گا۔ اور کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جس سے ان کی رستگاری ہو سکے مگر معاذ اللہ کہ کسی اہلِ علم کا ضمیر اور دل اس کو گوارا کرتا ہو کہ یہ اکابر مخالفِ حدیث تھے بلکہ اس حدیث کے دیگر بیان کردہ مطالب کے علاوہ ایک آسان مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ ارشاد اُمّت پر شفقت اور ترحّم کے سلسلہ میں ہے تاکہ اتنے دنوں میں غور و فکر سے قرآن کریم پڑھا جائے اور اس کے معنی کو سمجھا جا سکے کیونکہ ہر آدمی تو مثلاً امام شافعیؒ نہیں کہ مسئلہ اجماع کے سمجھنے کے لیے تین دن میں تین سو مرتبہ قرآن کریم ختم کرے اور منتہائے نظریہ ہو کہ یہ مسئلہ استنباط کرنا ہے، ہر ایک کو بھلا یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ ع

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(۹) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے نہی فرماتے ہیں لیکن الفاظ اس تفصیل اور تشریح سے خاموش ہوتے ہیں کہ اُس میں نہی کا درجہ کیا ہے؟ حرام ہے یا خلاف اولیٰ؛ مگر تاڑنے والی نگاہیں اپنی خداداد فراست و بصیرت اور تفقہ سے

اس کا مقام متعین کر لیتی ہیں مثلاً حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ:۔

نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۱)

ہم عورتوں کو جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:۔

كُنّا نُنهى عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا (مسلم ج ۱ ص ۳۰۴)

(ہم (عورتیں) جنازوں کے ساتھ جانے سے تو منع کی جاتی تھیں مگر ہم پر اس کی تاکید نہیں کی جاتی تھی۔

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

معناه نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك نهى كراهة تنزيه لا نهى عزيمة وتحريم۔ (نووی ج ۱ ص ۳۰۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا ہے لیکن یہ نہی تنزیہی کے درجہ کی ہے۔ یہ نہی تاکیدی اور تحریم کے مرتبہ کی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام عطیہؓ نے اپنی بصیرت اور تفقہ سے آپ کی اس نہی کا درجہ قائم کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ خلافِ اولیٰ اور تنزیہی کے مرتبہ کی ہے، حالانکہ حدیث میں صرف نہی کے الفاظ ہیں اور اس میں یہ تقسیم مذکور و موجود نہیں ہے مگر اس کے اندر کی حقیقت اور تہ کو سمجھنا بڑا اہم اور ضروری کام ہے اور اسی کو پا لینے کا نام تفقہ ہے۔

(۱۰) بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم صادر فرماتے ہیں مگر وہ حکم صرف مشورہ کی حد تک ہوتا ہے اور اس کا ماننا اور نہ ماننا دونوں جائز ہوتے ہیں اور آپ کے ایسے حکم کا انکار (معاذ اللہ) آپ کی نافرمانی تصور نہیں ہوتی، مثلاً ملاحظہ کیجیے کہ جب حضرت بریرہؓ کو آزادی حاصل ہوئی تو شرعی مسئلہ کے تحت ان کو اپنے خاوند حضرت مغیثؓ کے پاس رہنے یا نکاح فسخ کرانے کی اجازت ملی، انہوں نے حضرت مغیثؓ سے رستگاری کو ترجیح دی اور وہ بے چارے گلیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے رو رو کر یہ التجا کرتے رہے کہ تو مجھ سے

الگ نہ ہو مگر وہ نہ مانیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ بریرہؓ تو مغیثؓ کے پاس ہی رہے تو کیا اچھا ہے۔ وہ کہنے لگی کہ:۔

یارسول اللہ تامرنی؟ قال انما اشفع قالت فلاحاجۃ لی فیہ۔ (بخاری ج۲ ص۷۹۵ ومشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۶)

یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حکم تو نہیں دیتا ہاں صرف سفارش کرتا ہوں انہوں نے کہا تو پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

دیکھئے کہ حضرت بریرہؓ اپنے تفقہ فی الدین کی وجہ سے آپ کے حکم وارشاد کا درجہ خود آپ ہی سے متعین کرانا چاہتی ہیں کہ اگر یہ حکم اور امر ہے تو مجھے اس کے تسلیم کرنے سے کیا چارہ ہے؟ اور اگر صرف مشورہ ہے تو مجھے قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے بعد حضرت بریرہؓ نے وہی کچھ کیا جو ان کو پسند تھا اور حضرت مغیثؓ سے رہائی حاصل کرلی۔

(۱۱) بعض مواقع اور مقامات ایسے بھی ہوسکتے ہیں کہ ان میں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صریح الفاظ کی مخالفت ہی سے مُرادِ رسالت اور منشائے نبوّت کی تعمیل ہوسکتی ہے اور ظاہری الفاظ پر عمل کرنا جُرم اور رضائے مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خلاف ہوگا۔ یقین نہ آئے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ (المتوفی ۵۱ھ) کی روایت ملاحظہ فرمائیے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قضائے حاجت کے مسائل واحکام بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ تم نہ تو کعبہ کی طرف پیٹھ کرو اور نہ مُنہ۔ آگے فرمایا کہ:۔

شرّقوا اوغرّبوا۔ (بخاری ج۱ ص۲۶) مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:۔

ولکن شرّقوا اوغرّبوا (مسلم ج۱ ص۱۳۰) اور لیکن مشرق یا مغرب کی طرف مُنہ کرو

حضرت امام نوویؒ (وغیرہ) فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہلِ مدینہ اور اُن کی سمت والوں کو ہے جن کا قبلہ شمال یا جنوب رویہ ہے (محصلہ ج ص۱۳۰)

اب اگر ہم لوگ اِس ملک میں مشرق یا مغرب کی طرف منہ کریں گے تو توہین قبلہ کا ارتکاب لازم آئے گا اور یہ بات منشائے نبوّت کے خلاف ہوگی کیونکہ ہمارے علاقے کا محلِ

وقوع ہی ایسا ہے، لہذا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صریح الفاظ کی مخالفت کرنا لازم ہے تاکہ ہمارے ملک میں اس حکم کی تہ میں جو مراد نبوت مضمر ہے اس پر عمل ہو سکے اور قبلہ کی تعظیم اور احترام ملحوظ رہے۔

(۱۲) پھر کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خداوند عزیز کے حکم کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مجتہد کو حکم خداوندی سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے اجتہادی حکم پر عمل کرنا پڑے گا اور اس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لشکر کو جہاد کے لیے روانہ فرماتے تو امراء لشکر کو نہایت ضروری اور مفید وصایا اور نصائح فرماتے۔ اور ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ :-

واذا حاصرت اهل حصن فارادوك ان تنزلهم على حكم الله فلا تنزلهم على حكم الله ولكن انزلهم على حكمك فانك لا تدري اتصيب حكم الله فيهم ام لا۔ (مسلم ج ۲ ص ۸۲ واللفظ له۔ وابوداؤد ج ۱ ص ۳۵۲ و ترمذی ج ۱ ص ۱۹۵ وابن ماجه ص ۲۱۰)	اور جب تم اہل قلعہ کا محاصرہ کر لو اور وہ تم سے مصالحت کرتے ہوئے یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر اُتارو تو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر پناہ نہ دو لیکن تم ان کو اپنے حکم پر پناہ دو کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ کیا تم ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پا سکو گے یا نہیں۔

اور اسی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر وہ تمہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر راضی ہونے کی پیشکش کریں تو تم ان کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر مت پناہ دو بلکہ خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذمہ پر پناہ دو، کیونکہ یہ بات نہایت آسان ہے کہ تم اپنے اور اپنے اصحاب کے ذمہ کو برقرار نہ رکھ سکو یہ بہتر ہے بجائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کو توڑو اور عہد شکنی کرو۔

غور کیجیے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا حکم ہے ہی نہیں اور دوسری طرف اس صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امراء لشکر کو یہ حکم دیتے ہیں فلا تنزلهم على حكم الله کہ ان کو خدا تعالیٰ کے حکم

پردہ مت اتارو بلکہ اپنے حکم پر ان کو آمادہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالےٰ کے حکم کی حقیقت اور تہ تک تم رسائی حاصل نہ کر سکو۔ اس مقام پر ہمیں اس بحث سے کوئی غرض نہیں کہ کیا اجتہادی مسائل میں مصیب ایک ہوتا ہے یا سب ہی مصیب ہوتے ہیں؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے مگر اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مجتہد بصورت خطا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ توبیخ و سرزنش کا۔

امام نووی الشافعیؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :۔

هذا النهى ايضاً على التنزيه والاحتياط وفيه حجة لمن يقول ليس كل مجتهد مصيباً بل المصيب واحد وهو الموافق لحكم الله تعالىٰ فى نفس الامر الخ (نووی ج ۲ ص ۸۲)

یہ نہی بھی تنزیہی اور برائے احتیاط ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا بلکہ مصیب صرف وہی ہوتا ہے جس کا فیصلہ نفس الامر میں اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق ہو۔

اندازہ فرمایئے کہ ایک مقام وہ بھی نکل آیا جہاں مجتہد بحکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا تعالےٰ کے حکم سے بایں وجہ صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ شاید اس تک نہ پہنچ سکے اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا مامور ہے، علاوہ ازیں آپ کی اس ممانعت اور نہی میں تحریم و تنزیہ کی کوئی قید موجود نہیں مگر امام نوویؒ وغیرہ فلاسفہم کی نہی کو تنزیہی پر حمل کرتے ہیں۔ غور فرمایئے کہ ان دقیق اور عمیق علمی باریکیوں کو بھلا درایت و فراست بصیرت و فہم اور فقہ و اجتہاد کے بغیر کس طرح حل کیا جا سکتا ہے؟ مگر ظاہر بینوں کی بے جا شکایات کو دیکھا جاتے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ فلاں بھی حدیث کا منکر ہے اور فلاں بھی مخالف حدیث ہے اور فلاں بھی تارک حدیث، تارک سنت اور زمرہ اہل حدیث سے خارج ہے اور فلاں بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ہاں مگر صرف وہی عامل بالحدیث اہلحدیث اور اصحاب الحدیث ہیں، باقی سب دنیا اہلحدیث کہلانے کی مستحق نہیں ہے مگر ایسی بیجا شکایات کا کیا علاج ہے؟ ؎

کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں مٹا گئی وہ ایک بات رنجش بیجا کہیں جسے

قارئین کرام! سلسلۂ کلام دراز اور نطاق بیان وسیع ہوتا جارہا ہے. ہم صرف انہی مثالوں پر سردست اکتفا کرتے ہیں جن سے ہر منصف مزاج باآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس کے اندر اور اس کی تہ میں کہیں شرط خفتہ ہوتی ہے اور کہیں قید پوشیدہ ہوتی ہے، کہیں کوئی علت اور لم پنہاں ہوتی ہے اور کہیں بر عکس ظاہری الفاظ کے ادب منتخب مضمر ہوتا ہے. کہیں امر میں استحباب و اباحت کے مراتب مخفی ہوتے ہیں اور کہیں نہی میں احتیاط و تنزیہ کار فرما ہوتے ہیں. کہیں ترفق و ترحم سبب قرار پاتے ہیں اور کہیں مشورہ و سہولت کا مقام ہویدا ہوتا ہے اور کہیں صاف لفظ تو کچھ کہتے ہیں مگر ان کے اندر معنیٔ مستنبط کوئی اور ہی جھلکتا ہے جس کو صرف فقیہ اور مجتہد کی نظر بصیرت اور فراست علمی ہی تاڑ سکتی ہے اور باقی پوست کے دلدادہ مغز کی لطف اندوزی سے یکسر محروم اور حرماں نصیب رہتے ہیں. سچ ہے کہ ؎

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

اس تمام بحث کے بعد ہم ظاہر بینوں کی لفظ پرستی کی سردست صرف ایک ہی مثال عرض کر کے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں. حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ (المتوفی سنہ ۷۳ھ) اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت آتی ہے کہ:۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی ان یبال فی الماء الراکد ۔ وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یغتسل منہ ۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راکد اور دائم (یعنی رکے ہوئے) پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے ۔ اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے ہو سکتا ہے کہ کہیں پھر اسے اس سے غسل کرنے کی ضرورت پیش آجائے ۔

تمام نظر و بصیرت والے فقہاء کرامؒ اور محدثین عظامؒ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح رکے

ہوئے پانی کے اندر پیشاب کرنا ممنوع ہے بعینہٖ اسی طرح پاخانہ بھی ممنوع ہے اور حرام جانوروں کے پیشاب کا بھی یہی حکم ہے اور ایسے پانی کے قریب بھی پیشاب ممنوع ہے جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور کسی کوزے یا برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دینا بھی منع ہے کیونکہ علت یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں پانی ناپاک اور نجس ہو جائے گا۔ مگر مشہور محدث داؤدؒ بن علی الظاہریؒ (المتوفی ۲۷۰ھ) اور اسی طرح دیگر بعض اہل الظاہرؒ الفاظ پر جمود کا شکار ہو کر اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی الشافعیؒ لکھتے ہیں:۔

حکی عن داؤد بن علی الظاهری ان النهی یختص ببول الانسان بنفسه وان الغائط لیس کالبول وکذا اذا بال فی اناء ثم صبه فی الماء او بال بقرب الماء وهذا الذی ذهب الیه خلاف الاجماع وهو من اقبح ما نقل عنه فی الجمود علی الظاهر والله اعلم۔ (نووی ج۱ ص۱۳۸)

داؤدؒ بن علی الظاہریؒ سے حکایت کی گئی ہے وہ کہتے ہیں کہ نہی صرف انسان کے پیشاب سے مخصوص ہے اور پاخانہ پیشاب کے حکم میں نہیں ہے۔ اور اسی طرح جب کوئی شخص برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دے یا پانی کے قریب پیشاب کرے اور وہ بہہ کر پانی میں چلا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ داؤد ظاہریؒ کا یہ مذہب اجماع کے خلاف ہے اور جمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے۔

گویا انسان کا پاخانہ اور اس کا لوٹے میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دینا یا پانی کے قریب پیشاب کرنا جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور اسی طرح "کتے" اور گدھے وغیرہ کا پیشاب ماء راکد کو نجس نہیں کرتا یہ ہے تفقہ کے بغیر ظاہری الفاظ پر عمل بالحدیث کا نمونہ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ:۔

مما یعلم قطعا بطلانه ما ذهب الیه الظاهریة الجامدة من ان الحکم مخصوص بالبول فی الماء حتی لو بال فی کوز وصبه فی الماء لم یضر عندهم او لو بال خارج الماء فجری البول الی الماء

اہل ظاہر کی اس بے جا جمود کا بطلان قطعی طور پر معلوم ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم پانی کے اندر پیشاب کرنے کے ساتھ مخصوص ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کوزے میں پیشاب کرکے اس کو پانی میں بہا دے تو ان کے نزدیک

یضر عندھم ایضاً والعلم القطعی حاصل ببطلان قولھم لاستواء الامرین فی الحصول فی الماء فان المقصود اجتناب ماوقعت فیہ النجاسۃ من الماء ولیس ھٰذا من محال الظنون بل ھو مقطوع بہ (احکام الاحکام ج ۱ ص ۸ طبع انصاری دھلی)

یہ مضر نہیں ہے اور اسی طرح اگر کسی نے پانی کے باہر پیشاب کیا اور وہ بہہ کر پانی میں چلا گیا تو یہ بھی ان کے نزدیک مضر نہیں ہے اور علم قطعی سے یہ بات معلوم ہے کہ ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ پانی کے نجس ہونے کیلئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ پانی کو نجاست سے بچایا جائے اور یہ کوئی ظن کا محل نہیں بلکہ قطعی امر ہے۔

داد دیجئے اس عمل بالحدیث کی کہ ظاہری الفاظ کو لے کر کس قدر غلطی کی ہے اور رُوحِ شریعت کی کس طرح خلاف ورزی کی ہے اور افصح العرب اور صاحب جوامع الکلم (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) کے بلیغ جملوں کو کس طرح حماقت کی نذر کر دیا ہے۔ فوا اسفا! اور حیرت ہے کہ اس قسم کے حضرات ہی اہل الرائے پر اس طرح برستے ہیں جس طرح بلا وقفہ موسم ساون کی موسلا دھار بارش برستی ہے اور ان حضرات کو اہل فقہ اور اصحاب الرائے کی غلطیاں تو شب تاریک میں ریت کے باریک ذرات میں بھی نظر آجاتی ہیں مگر اپنی پہاڑ جیسی کوتاہیاں آفتاب نصف النہار میں بھی نظر نہیں آتیں۔ سچ ہے کہ ؎

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

امام سبکیؒ نے اہل ظاہر کے اختلاف کے بارے میں تین مسلک نقل کئے ہیں کہ ان کا اختلاف مطلقاً معتبر ہے، مطلقاً معتبر نہیں۔ قیاس جلی کے خلاف ہو تو معتبر نہیں ورنہ معتبر ہے۔ اور قاضی ابوبکرؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

ان اصحاب الظاھر لیسوا من علماء الشریعۃ وانما ھم نقلۃ ان ظھرت الثقۃ (طبقات ج ۲ ص ۴۵)

اصحاب ظاہر علماء شریعت سے نہیں ہیں بلکہ وہ صرف نقال ہیں جب کہ ان کی ثقاہت ظاہر ہو۔

الحاصل

حضرت امام ابوحنیفہؒ پر قدیماً و حدیثاً جتنے بھی اعتراضات کئے گئے ہیں وہ حسد و تعصب

مذہبی اور جہالت و لاعلمی کی پیداوار ہیں جن کی دلائل و براہین کی دنیا میں سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں ہے اور کچھ علمی طور پر ایسے اعتراضات بھی ہیں جو بعض حضرات نے دیانۃً اٹھائے ہیں مگر ان کے صحیح اور معقول جوابات بھی علماء احناف نے اپنے مقام پر ذکر کر دیئے ہیں اور ایسے فقہی جزئیات اور اجتہادی مسائل میں جس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے معصوم عن الخطا ہونے کا دعوٰے نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح باقی ائمہ مجتہدینؒ کا معصوم عن الخطاء ہونا بھی یقیناً باطل ہے اور ایسے مقام میں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ کل احد یؤخذ عنہ ویترك الا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع

کہ چوں باو نرسیدی تمام بولہبی است

شیخ الاسلام ابن عبد البرؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

الّذین رووا عن ابی حنیفۃ ووثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الّذین تکلّموا فیہ والذین تکلّموا فیہ من اھل الحدیث اکثر ما عابوا علیہ الاغراق فی الرأی والقیاس والارجاء اھ (جامع بیان العلم ج۲ ص۱۴۹ طبع مصر)

کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی اور ان کی توثیق کی اور ان کی تعریف کی ہے وہ اُن سے بدرجہا زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں کلام کیا ہے اور جن اہل حدیث نے ان میں کلام کیا انہوں نے ان کا زیادہ عیب یہ نکالا ہے کہ وہ رائے و قیاس اور ارجاء میں منہمک ہیں۔

ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ جس معنیٰ میں امام صاحبؒ مرجیہ تھے وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور جس رائے اور قیاس کے وہ قائل تھے وہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، پھر ان پر اعتراض کیوں اور کیسے؟ اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فمن قرأ فضائل مالكؒ وفضائل الشافعیؒ وفضائل ابی حنیفۃ بعد فضائل الصحابۃؓ والتابعینؒ وعنیٰ بہا ووقف علیٰ کریم سیرھم وھدیھم کان ذالك له عملاً زاکیاً نفعنا اللہ

جس نے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے بعد امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے فضائل پڑھے اور ان کا اہتمام کیا اور ان کی عمدہ سیرت اور خصلت پر مطلع ہوا تو یہ اس

بحب جميعهم قال الثوری رحمه الله عند ذکر الصالحين تنزل الرحمة ومن لم يحفظ من اخبارهم الامايدر من بعضهم فی بعض على الحسد والهفوات والغضب والشهوات دون ان يعنى بفضائلهم حرم التوفيق ودخل فی الغيبة وحاد عن الطريق اھ

(جامع بيان العلم ج۲ ص۱۶۲)

کا ایک مستقل عمل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب کی محبت سے نفع عطا فرمائے ۔ امام ثوریؒ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور جس شخص نے ان کی خبروں میں سے صرف وہی خبریں یاد کر لیں جو بعض سے انکے بارے میں حسد، بیہودگی، غصہ اور نفس پرستی کے طور پر صادر ہوئی ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فضائل بھی یاد رکھے تو وہ شخص حرمان نصیب ہے اور وہ غیبت میں داخل ہوگیا اور راہِ راست سے دُور ہوگیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ :-

کما ان اباحنيفةؒ وان کان الناس خالفوه فی اشياء وانكروها عليه فلا يستريب احد فی فقهه وفهمه وعلمه وقد نقلوا عنه اشياء يقصدون الشناعة عليه وهی كذب عليه قطعاً مثل مسئلة الخنزير البری ونحوها اھ

(منہاج السنۃ ج۱ ص۲۵۹ طبع مصر)

مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت دیکھیے کہ اگرچہ لوگوں نے ان کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مخالفت کی ہے اور ان کی وجہ سے ان پر انکار بھی کیا ہے مگر کوئی شخص ان کی فقاہت، فہم اور علم میں شک نہیں کرسکتا اور لوگوں نے محض اُن کی عیب جوئی کرتے ہوئے ان کی طرف کچھ ایسی چیزیں بھی منسوب کی ہیں جو قطعی طور پر جھوٹ ہیں جیسے جنگلی خنزیر کا حلال ہونا وغیرہ۔

سب سے بڑھ کر امام صاحبؒ کے مثالب جن حضرات نے ذکر کئے ہیں۔ ان میں علّامہ خطیب بغدادی الشافعیؒ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں اور ان کا تعصّب بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الجوزی الحنبلیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ جو الامام العلامة الحافظ اور عالم العراق تھے۔ تذکرہ ج۴ ص۱۳۱) اپنی سند کے ساتھ اسمٰعیلؒ بن ابی الفضل القومسی الاصبهانیؒ سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ :-

وكان من اهل المعرفة بالحديث يقول ثلاثة من الحفاظ لا اُحِبُّهُم لشدة تعصبهم وقلة انصافهم الحاكم ابو عبد اللّٰه وابو نعيم الاصبهانى وابوبكر الخطيب وصدق اسمٰعيل وكان من اهل المعرفة الخ

وہ حدیث کے جاننے والے تھے فرماتے تھے کہ تین حفاظ کو میں نہیں پسند کرتا کیونکہ وہ سخت متعصب اور قلیل الانصاف ہیں امام حاکمؒ ابُونعیم اصبہانیؒ اور خطیبؒ بغدادی اور اسماعیلؒ نے بالکل سچ کہا اور وہ اہل معرفت سے تھے۔

(المنتظم ج ۸ ص ۲۶۹ طبع دائرة المعارف حیدرآباد)

اور اسی قسم کا مقولہ بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ سعدؒ بن علی الریحانیؒ سے بھی منقول ہے (ملاحظہ ہو السہم المصیب ص ۱۱۹ للملک المعظمؒ)

اور الملک المعظمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قلت كان اسمٰعيل هذا حافظاً ثقةً صدوقا له معرفة بالرجال والمتون عزيز الديانة اھ

(السہم المصیب ص ۱۳۴)

میں کہتا ہوں کہ اسمٰعیلؒ مذکور حافظ ثقہ اور صدوق تھے ان کو رجال اور متون میں خاصی مہارت حاصل تھی اور عمدہ دیانت کے مالک تھے۔

حافظ ابن الجوزیؒ نے یہ مضمون اپنی کتاب السہم المصیب میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ:۔

واما الخطيبؒ فانه زاد عليهما فى التعصّب وسوء القصد اھ

امام خطیبؒ ان دونوں پر تعصّب اور بُرے قصد میں بڑھے ہوئے ہیں۔

(بحوالہ تانیب الخطیب ص ۱۱ طبع مصر)

اور بہت افسوس کی بات تو یہ ہے کہ امام ابُوحنیفہؒ کے مثالب میں جو روایات وہ نقل کرتے ہیں فنِ روایت کے لحاظ سے وہ نہایت ضعیف کمزور اور مخدوش ہیں، بجائے اس کے کہ ہم الملک المعظمؒ کی السہم المصیب یا علامہ کوثریؒ کی تانیب الخطیبؒ کے حوالجات سے علامہ خطیبؒ کی ان روایات اور ان کے راویوں کا حال ذکر کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر حنفی ہی کا حوالہ عرض کردیں تاکہ تعصب مذہبی کا وہم پیدا نہ ہو۔

امام ابن حجر مکی الشافعیؒ علامہ خطیب بغدادیؒ کی ان روایات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ :-

ومما يدل على ذالك ايضاً ان الاسانيد التى ذكرها للقدح لا يخلوا غالبها من متكلم فيه او مجهول ولا يجوز اجماعاً ثلم عرض مسلم بمثل ذالك فكيف بامام من ائمة المسلمين اھ (الخيرات الحسان ص۶۹)

اس پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ خطیب بغدادیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی قدح میں جو سندیں پیش کی ہیں وہ بیشتر متکلّم فیہ روات یا مجہول راویوں سے منقول ہیں اور ایسی اسانید سے بالاتفاق کسی مسلمان کی ہتک عزت نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ مسلمانوں کے امام کی۔

علامہ خطیب بغدادیؒ نے جہر بسم اللہ اور قنوت کے مسئلہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ قنوت کے بارے میں حضرت انسؓ کی یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ :-

مازال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقنت فى صلوة الصبح حتى مات ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تادم وفات صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔

اور اس پر وہ بالکل سکوت اختیار کر جاتے ہیں بلکہ اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ امام ابن الجوزی الحنبلیؒ جوش میں آکر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وسكوته عن القدح فى هذا الحديث و احتجاجه به وقاحة عظيمة وعصبية باردة وقلة دين لانه يعلم انه باطل اھ (بحواله نصب الرأية ج۲ ص۱۳۲ طبع مصر)

خطیب بغدادیؒ کا اس روایت پر سکوت کر جانا اور اس سے احتجاج کرنا بڑی کمینگی اور نرا تعصب اور کم دینی ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔

اور علامہ ذہبی الحنبلیؒ نے بھی ان کی اس اخلاقی پستی کا رونا رویا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

احمد بن على بن ثابت الحافظ ابوبكر تكلم فيه بعضهم وهو وابو نعيم وكثير من العلماء المتأخرين لا اعلم لهم ذنبا اكبر من روايتهم الاحاديث الموضوعة فى تاليفهم غير محذرين منها وهذا اثم وجناية على السنن فالله يعفو

علامہ خطیب بغدادیؒ اور ابو نعیمؒ اور بہت سے علماء متاخرینؒ کا گناہ میں اس سے بڑھ کر نہیں جانتا کہ وہ بے تحاشا اپنی کتابوں میں جعلی روایتیں نقل کرتے ہیں اور یہ گناہ ہے اور سنّت و حدیث پر ایک جنایت اور ظلم ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو

عفا وعنہم اھ (الرواۃ الثقات المتکلم فیہم کو معاف فرمادے۔ (آمین ثم آمین)
بسالا یوجب ردہم ص۱۱ طبع مصر)

قارئین کرام آپ انصاف کے ساتھ ان اقتباسات کو دیکھیں کہ بقول علامہ ذہبیؒ خطیب بغدادیؒ، ابونعیمؒ اور اکثر متاخرین نے سنت پر کس قدر ظلم کیا ہے کہ اپنی کتابوں میں بے تحاشا جعلی حدیثوں کی بھرمار کر دی ہے حالانکہ من کذب علیّ الحدیث بقول علامہ ابن الصلاح (المتوفیٰ ۶۴۳ھ) درجہ اوّل کی متواتر حدیث ہے (شرح نخبہ ص۱۱) اور امام ابومحمد الجوینیؒ (المتوفی ـــھ) کے نزدیک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر جھوٹ بولنا اور جعلی حدیث بنانا کفر ہے اور جمہور محدثین اس پر متفق ہیں کہ بلا بیان موضوع حدیث کو روایت کرنا حرام ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص۵۹) یہ وہی علامہ ذہبیؒ ہیں جن کے بعض حوالوں سے مؤلف نتائج التقلید نے (ص۱۹۹، ۲۰۱ میں) دھوکا دیا ہے ان ٹھوس اور معنیٰ خیز حوالوں کو بھی دیکھیں اور علامہ خطیبؒ کی کتابوں سے متأثر ہو کر حضرت امام ابوحنیفہؒ جیسے امام المسلمین کی پگڑی اچھالنے والوں کی دیانت اور علمی انصاف بھی ملاحظہ فرمائیں۔ افسوس ہے کہ اہلِ علم جو ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنے اور سوچنے کے عادی تھے اُٹھتے چلے گئے اور اعجاب کُلِّ ذِی رأيٍ برأيہ کا دَور دورہ شروع ہو گیا۔ اب ہم ان مبارک اور منصف مزاج ہستیوں کو کہاں سے تلاش کریں جن کے دیکھنے کے لیے ہماری آنکھیں ترستی ہیں۔ آہ ؎

پیرِ مغاں کا دم کہاں، اس کی وہ بزمِ جم کہاں
بادہ نہیں تو ہم کہاں، زیست پہ زیست ہی نہیں

اختلافات تو پہلے بھی ہوتے تھے لیکن عموماً ان میں زیادہ تر ملحوظ احقاقِ حق اور فریق ثانی کی علمی خامیوں پر اُسے آگاہ کرنا ہوتا تھا، اور اس میں خیر خواہی، ہمدردی اور دلسوزی کا حتی الوسع خیال ملحوظ رکھا جاتا تھا اور باوجود اختلاف کے فریقِ ثانی کی علمی اور خداداد بصیرت کی قدر ہوتی تھی یہ انداز تو ہرگز نہ ہوتا تھا جو آج اختیار کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ کرامؒ کو معاذ اللہ گمراہ ثابت کر کے ہی دم لیا جائے اور ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو یکسر پسِ پشت ڈال دیا جائے اور ان کی علمی تحقیقات کو معاذ اللہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشا

عین مدِّمقابل لاکھڑا کر دیا جائے اور یہ باور کرانے کی بیجا سعی کی جائے کہ ان حضرات نے ایک متوازی دین قائم کر رکھا ہے جس سے اصل دین کی بنیادیں ہی کھوکھلی کر دی گئی ہیں اور یہی حضرات دین حق میں رخنے ڈالنے کے اصل ذمّہ دار ہیں (العیاذ باللہ) اور خیر سے بات خود نہیں سمجھی ہوتی کہ ان بزرگوں نے کیا فرمایا اور اس کا مأخذ کیا ہے؟ اور ان کے بیان کردہ مسائل کی کڑی کن نصوص روشن براہین اور صحیح دلائل سے جا ملتی ہے؟ اور اگر بمقتضائے بشریت ان سے کہیں کوئی علمی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اس کی مناسب توجیہ بیان کر کے ان سے بدظنی کو دور کیا جائے مگر یہ کام تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو اور علم اور اہلِ علم کی قدر و منزلت ہو اور تحزّب (گروہ بندی) اور تعصب سے بچے ہوئے ہوں وَقَلِیْلٌ مَّاھُمْ۔
غرضیکہ ائمہ دین کے بارے میں طعن ولعن اور سبّ وشتم تو بڑی چیز ہی ہے ان کے متعلق سوءِ ظن بھی کچھ کم گناہ نہیں جو بزبان حال یہ کہتے ہیں ؎

اے مالی نہ دے گالی بگاڑا ہم نے کیا تیرا   چمن ہے سیر کرنے کو نہ گھر تیرا نہ گھر میرا

باب ہشتم

ایک لطیف بحث

غیر مقلدین حضرات نے فقہ حنفی اور کتب فقہ حنفی اور مسائل فقہ حنفی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے اور عوام کو ان سے بدظن کرنے کے لیے کئی حربے اختیار کر رکھے ہیں۔ کبھی تو کتب فقہ سے کمزور ضعیف اور متروک العمل جزئیات چن چن کر عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ ہے حنفی فقہ، جیسا کہ وادحق ، حقیقت الفقہ جلد دوم، نتائج التقلید اور شمع محمدی وغیرہ میں یہ طریق اختیار کیا گیا ہے مگر ازروئے انصاف اس پر غور نہ کیا کہ فقہ کی ہر جزئی اور ہر مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فرمودہ نہیں بلکہ بیشتر مسائل بعد کے فقہائے کرامؒ اور خصوصیت سے متأخرین کی تخریجات ہیں اور ظاہر بات ہے کہ غیر معصوم اور غیر مجتہد کے نظریات میں خطاء اور غلطی کا پہلو بہت نمایاں ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے، کہ غیر مقلدین حضرات نے کتب فقہ کے جو حوالے پیش کئے ہیں ان میں بعض مقامات میں حوالجات کے اندر قطع و برید اور بعض میں کم فہمی اور کج فہمی کی وجہ سے ناجائز مطلب برآری بھی بیشتر مسائل میں شامل ہے۔ اور جن مسائل کو اغلاط سے تعبیر کیا جا سکتا ہے وہ صرف معدودے چند مسائل ہی ہیں باقی سب غیر مقلدین حضرات کی کج فہمی ہے۔ اگر ہم فقہاء احنافؒ کے حوالے اس پر عرض کریں تو شاید غیر مقلدین حضرات کو ان سے اطمینان نہ ہو اس لیے خود اُن کے گھر کا ایک حوالہ سردست عرض کیے دیتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد اور صاحب قلم عالم مرزا حیرت صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ :-

"جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کہلاتی ہیں ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ایک ایک حرف امام اعظمؒ کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسے مجتہد (فی الفروع، صفدر) کی کتاب ہے جس کا رجحان بعض مسائل میں امام صاحبؒ کی طرف تھا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ آج تک امام صاحبؒ کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکلیہ امام کے ہر مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ صاحبینؒ بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انہوں نے اپنا کوئی نیا مذہب نہیں قائم کیا۔" (حیات طیبہ ص۲۴۵)

ہمارا بھی اس پر صاد ہے، نہ تو ہر ہر مسئلہ اور جزئی جو کتب فقہ میں مسطور و مذکور ہے حضرت امام اعظمؒ کی فرمودہ ہے اور نہ ہر جزئی اور مسئلہ صحیح اور معمول بہا ہے اور نہ اس کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت اور فقہ حنفی پر اعتراض درست ہے اور نہ ایسی متروک اور ناقابلِ عمل جزئیات کی وجہ سے وہ کتابیں ہی سرے سے مخدوش قرار دی جاسکتی ہیں جن میں ان متروک جزئیات کے علاوہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمّت کے عین مطابق اور معمول بہا ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو غیر مقلدین حضرات کے مسلّم اور معتبر علماء کی کتابوں سے ایسی ہی مردود جزئیات اور متروک مسائل پیش کر سکتے ہیں۔ العرف الجادی۔ روضۃ الندیہ، دلیل الطالب، بدور الاھلہ اور ایسی ہی دیگر متعدد کتابیں ہمارے پیشِ نظر ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ہم اتنے کم حوصلہ نہیں ہیں، کہ غیر مقلدین حضرات کی غلط روی سے متاثر ہو کر طعنہ بازی پر اتر آئیں۔ ہم تو صرف اصولی بات عرض کر رہے ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو یوں پیش کر سکتے ہیں کہ جس طرح کتبِ حدیث میں (باستثنائے صحیحین) بیسیوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں ضعیف معلول منکر بلکہ خالص جعلی اور من گھڑت بھی موجود ہیں۔ مگر نہ تو کسی دیانتدار اور خدا ترس فرقہ اور فرد نے ان ضعیف اور موضوع حدیثوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات گرامی پر کوئی اعتراض کیا ہے (منکرین حدیث اور باطل فرقوں کی بات نہیں ہو رہی اہل حق کی بات ہو رہی ہے) اور نہ اس قسم کی ضعیف اور موضوع روایات کی وجہ سے کسی متدیّن نے علمِ حدیث ہی کا انکار کیا ہے؟ اور نہ اُن کتابوں کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے جن میں یہ باطل اور موضوع حدیثیں موجود ہیں، بس یہی کرتے ہیں کہ ان روایات کو رد کرتے ہوئے صحیح اور حسن قسم کی روایات کو قابلِ عمل گردانتے ہیں۔

نہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کوئی حرف رکھتے ہیں اور نہ حدیث کو ناقابلِ اعتماد اور متروک العمل سمجھتے ہیں اور نہ ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں درج کرنے والے محدثین کرام پر برستے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

ولا ریب ان القیاس فیہ فاسد وکثیر من الفقھاء قاسوا اقیسۃ فاسدۃ بعضھا باطل بالنص وبعضھا مما اتفق السلف علی بطلانہ لکن بطلان کثیر من القیاس لا یقتضی بطلان جمیعہ کما ان وجود الکذب فی کثیر من الحدیث لا یوجب کذب جمیعہ اھ
(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۹۲ طبع مصر)

کوئی شک نہیں کہ بعض قیاس فاسد بھی ہوتے ہیں اور بہت سے فقہائے فاسد قسم کے قیاسات بھی کیے ہیں بعض کا بطلان تو نص سے اور بعض کا اتفاق سلف سے ثابت ہے لیکن ایسے بہت سے قیاسات کا بطلان اس کا متقاضی تو نہیں کہ سارا قیاس ہی باطل ہو جائے جس طرح کہ بہت سی حدیثوں میں جھوٹ کے پائے جانے سے یہ تو لازم نہیں کہ سب حدیثیں ہی جھوٹی ہو جائیں۔

اگرچہ اصولی طور پر یہ جواب بالکل کافی ہے مگر ہم غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور عناد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کی ذرا زیادہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تفریحِ طبع کے لیے ان کی مرکزی کتاب کے چند حوالے عرض کر دیں جس پر ان کے تقریباً سبھی علماء کی تصدیقات و تقریظات ثبت ہیں۔ ان کی مرکزی کتاب نتائج التقلید میں لکھا ہے کہ:۔

"مصنف ہدایہ کا باطل طوفان۔ مصنف ہدایہ کا قلم اس درجہ بے دھڑک اور بے خوف ہے کہ جھوٹ و افتراء میں اسے انتہائی لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے، چنانچہ تراویح باجماعت کو سنت ثابت کرنے کی غرض سے واضح الفاظ میں لکھا ہے:۔

انھا سنۃ کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃؒ لانہ واظب علیہ الخلفاء الراشدون (ھدایہ ج ۱ ص ۱ مطبوعۃ مجتبائی دھلی) تراویح باجماعت سنت ہے کیونکہ حسنؒ بن زیادؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ خلفاء راشدینؓ نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے

اصلیت واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام کا یہ قول زندگی میں تو کیا بعد وفات خواب میں بھی حسنؒ یا کسی دوسرے شاگرد سے منقول نہیں اور قطعاً نہیں گویا کہ حضرت امامؒ پر یہ ہدایہ ایسی مقدس و مستند کتاب کا کھلم کھلا افترا ہے۔ جس کتاب کی تقدیس کا یہ عالم ہو اسے حنفی مذہب کی اساس قرار دینا جنون اور مذہب سے مسخری مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حافظ زیلعیؒ جو کہ حنفی مذہب کا ذمہ دار رکن اور تخریج ہدایہ کا بہانگِ دہل مدعی ہے مصنف ہدایہ کے اس افتراءِ عظیم کو دیکھ کر انتہائی شرمندہ و نادم ہو کر اس پر کچھ ذکر کیے بغیر خاموشی سے گزر گیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ جو تخریج ہدایہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنی ناپیدا کنار علمی معلومات کے باوجود ہدایہ کے اس قولِ باطل پر حیرت زدہ ہو کر فرماتے ہیں: ماوجدنا یعنی مصنفِ ہدایہ کے اس قول کا کہیں سراغ و نشان نہیں ملا ؏

"جو من میں آیا اسے نام شریعت دے دیا" (نتائج التقلید ص۱۵۷)

اور مؤلف مذکور نے ص۱۵۷ تا ص۱۹۷ میں صاحب ہدایہ، صاحب درمختار اور توضیح و تلویح وغیرہ کے بارے میں بزعم خویش جعلی اور موضوع حدیثیں نقل کرنے کی آڑ میں خوب جلی کٹی سنائی ہیں۔ اس عبارت میں مؤلف نتائج التقلید نے جس طرح دل کھول کر صاحب ہدایہ اور علامہ زیلعیؒ پر قلبِ ماؤف کی بھڑاس نکالی ہے وہ محتاجِ تشریح نہیں ہے۔ تراویح کے مسئلہ پر الگ رسالہ کی ترتیب پیش نظر ہے اس لیے ہم اس پر یہاں بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں ہم بفضلہٖ تعالیٰ بتائیں گے کہ آیا صلوٰۃ تراویح کا حضرات خلفاء راشدینؓ سے ثبوت ہے یا نہیں؟ اور جب انہوں نے اس پر عمل شروع کیا تو کیا اس پر انہوں نے مواظبت کی تھی یا نہیں؟ یہ اور اس قسم کے اور کئی مسائل انشاء اللہ وہاں ہی عرض ہوں گے۔ سردست یہ بتانا مقصود ہے کہ مؤلف نتائج التقلید نے حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے جو ماوجدنا کے الفاظ نقل کیے ہیں وہ غلط ہیں۔ ان کے الفاظ لم اجدہ ہیں (دیکھیے درایہ ص۱۲۳) علاوہ ازیں مؤلف نتائج التقلید اور اس کے جملہ مصدقین حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ حافظ ابن حجرؒ نے مستقل طور پر احادیث ہدایہ کی تخریج نہیں کی جیسا کہ مؤلف نتائج التقلید اور اس کے حواریوں نے غلط سمجھ رکھا ہے بلکہ حافظ موصوفؒ نے علامہ زیلعیؒ کی تخریج ہدایہ کی تلخیص کی ہے اور اس کا نام الدرایہ رکھا ہے اور ص۲ میں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۳۸ میں بھی اس کی تصریح موجود

ہے۔ قطع نظر ان تمام باتوں سے جو بات ہم یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں وہ غور سے ملاحظہ فرمایئے:۔

اگر ہدایہ اور صاحب ہدایہ کی پوزیشن اس لیے مخدوش ہے کہ اس میں بعض بے اصل اور فرض کیجیے معلول بلکہ موضوع اور جعلی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں تو مؤلف نتائج التقلید اور ان کے حواری صحیحین کے علاوہ حدیث کی تمام کتابوں سے ہاتھ دھو ڈالیں کیونکہ حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی اپنے اپنے صحیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا اور ہم امام بخاریؒ کی کتاب تاریخ صغیر کے متعلق مولانا میر صاحب سیالکوٹیؒ کا حوالہ پہلے عرض کر چکے ہیں جس میں نعیمؒ بن حمادؒ جیسے شیر کی روایت بھی موجود ہے جو خیر سے بزعم خود سنّت کا شیدائی بن کر تقویت سنّت کی حدیثیں بھی وضع کیا کرتا تھا اور اسی طرح اُن کی باقی کتابوں میں بھی ضعیف اور کمزور روایتیں موجود ہیں۔ کیا مؤلف نتائج التقلید اور ان کے مصدقین کے نزدیک مشکوٰۃ اور صاحب مشکوٰۃ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جس میں لما خلق اللہ العقل الخ کی حدیث درج ہے جس کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ صرف یہ ہلکے سے لفظ استعمال کرتے ہیں:۔

وقد تکلم فیہ بعض العلماء (ج ۲ ص ۴۳) کہ اس میں بعض علماء نے کلام کیا ہے

حالانکہ علامہ السخاوی الشافعیؒ وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ:۔

انہ کذب موضوع باتفاق . کہ یہ اتفاقاً جھوٹی اور جعلی روایت ہے۔

(بحوالہ موضوعات کبیر ص ۲۹)

حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ بھی اس کو موضوع کہتے ہیں (ایضاً) اور محدث زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ھذا موضوع باتفاق (موضوعات کبیر ص ۶۷) یہ روایت بالاتفاق جعلی اور موضوع ہے۔

اور یہ روایت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بغیر کسی نکیر کے (بلکہ مقام استدلال میں) پیش کی ہے۔" (ملاحظہ ہو حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۳ باب ذکر عالم المثال طبع مصر)

تو کیا اب صاحب مشکوٰۃ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں مؤلف نتائج التقلید کی طرح سرخی اور عنوان قائم کر کے دل کی بھڑاس نکالی جائے جس طرح کہ اُنہوں نے صاحب ہدایہ کے لیے یہ مرغوب نفس عنوان قائم کیا ہے؟ اس کو بھی جانے دیجئے، یہ بتایئے کہ غنیۃ الطالبین میں کتنی حدیثیں خالص جعلی اور موضوع ہیں؟ اگر سب کے بارے میں کسی لائق اُستاد اور عارف

رجال اور ماہر طبقات رجال سے پوچھنے کی توفیق میسر نہ ہو تو صرف فضائل رجب اور شعبان وغیرہ ابواب ہی کے حدیثوں کے متعلق بتلیئے کہ ان میں کتنی جعلی اور موضوع حدیثیں ہیں؟ مگر افسوس ہے کہ غنیۃ الطالبین سے تو صرف مطلوب نفس حوالے ہی دیکھ لیے ہیں کہ حنفی مرجئہ کے باطل فرقہ میں داخل ہیں اور اہل حدیث ہی اہل علم ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہماری بات کا یقین نہ آئے تو علامہ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال (ج ۱ ص۲۰۰) ترجمہ حارثؒ بن اسد المحاسبیؒ ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ چند دیگر کتابوں کے علاوہ احیاء العلوم کی موضوع حدیثوں کے بارے میں اور خصوصیت سے غنیۃ الطالبین کے بارے میں انہوں نے کیا کہا ہے؟ انشاءاللہ العزیز آنکھیں خوب روشن ہو جائیں گی۔

اور مستدرک حاکم کے اندر مندرج بہت سی جعلی اور موضوع روایات کا حال بھی شاید غیر مقلدین حضرات سے مخفی نہ ہو گا جس کی احادیث سے وہ مطلوبہ مسائل میں احتجاج کرتے ہیں۔

اس کو بھی جانے دیجئے، یہ دیکھئے کہ سنن ابن ماجہ محدثین عظامؒ کی ایک خاصی جماعت کے نزدیک صحاح ستہ میں شامل ہے مگر امام ابن الجوزیؒ کے خیال میں اس کے اندر تقریباً چونتیس ۳۴ عدد روایتیں خالص جعلی اور موضوع ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:

وفی الجملۃ ففیہ احادیث کثیرۃ منکرۃ۔ الحاصل اس میں بہت سی حدیثیں منکر ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۹ ص۵۳۱)

اور حدیث منکر کو خود حافظ ابن حجرؒ (وغیرہ) نے مردود قسم کی حدیثوں کی مد میں ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر ص۵۹)

(اور حافظ ابو الحجاج المزی الشافعیؒ (المتوفی ۷۴۲ھ ہو العالم الحبر الحافظ الاوحد اور محدث الشام تھے، تذکرہ ج۴ ص۲۸) نے تو اس سے بھی زیادہ وزنی بات کہہ ڈالی ہے کہ:

کل ما انفرد بہ ابن ماجۃ فہو ضعیف یعنی بذالک ما انفرد بہ من الحدیث عن الائمۃ الخمسۃ اھ (تہذیب التہذیب ج۹ ص۵۳۱)

یعنی جو حدیث امام ابن ماجہؒ نے باقی پانچ اماموں سے منفرد ہو کر روایت کی ہے وہ ضعیف ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:

فانه تفرد باخراج احادیث عن رجال متھمین بالکذب وسرقة الاحادیث الخ (زھر الربی علی المجتبی ص۳)

کہ وہ جھوٹ اور حدیث میں چوری کرنے سے متہم راویوں سے احادیث روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وله حدیث فی فضل قزوین منکر بل موضوع ولهذا طعنوا فیه وفی کتابه اھ (الحطه ص۱۱)

انہوں نے فضائل قزوین کے بارے میں ایک منکر بلکہ جعلی اور موضوع حدیث بھی روایت کی ہے اور اس وجہ سے محدّثین نے ان میں اور ان کی کتاب میں طعن کیا ہے۔

مگر یقین جانئے کہ یہ طعن صرف دائرۂ تحقیق اور علم تک محدود رہا ہے۔ اس طرح کا نہیں جس طرح کہ مؤلف نتائج التقلید نے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بارے میں پیش کیا ہے، ان کے اصل الفاظ پھر وہاں ہی ملاحظہ کر لیجئے کہ مستحضر فی الذہن ہوں اور ان سے ذہول نہ ہو جائے۔

مسند امام احمدؒ بن حنبلؒ میں بتصریح حافظ عراقی الشافعیؒ نو حدیثیں موضوع ہیں۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے پندرہ حدیثیں اُن کی موضوع قرار دی ہیں۔ امام سیوطیؒ نے ان سے بھی زیادہ کا ذکر کیا ہے اور پھر جواب دہی کی سعی بھی کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تعجیل المنفعة میں اس کی تصریح کی ہے کہ مسند احمد میں لا اصل له قسم کی صرف تین یا چار روایات موجود ہیں۔ (محصله الجُنّة فی الاسوة الحسنة بالسّنة ص۸۶ نواب صاحبؒ)

صحاح ستہ میں سے ترمذی کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں بہت سی احادیث انتہائی درجہ کی کمزور، منکر اور ضعیف ہیں اور خصوصیت سے مناقب وغیرہ کے ابواب کی حدیثیں حتیٰ کہ محدثین ان کی تصحیح و تحسین کی شکایت کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ احسن الکلام میں ہم نے باحوالہ اس کی نشاندہی کی ہے۔ اب رہی بخاری، نسائی اور ابوداؤد کی تو بلاشک صحیحین کے بعد صحت اسناد کے لحاظ سے نسائی کا پھر ابوداؤد کا مقام بہت بلند ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ بعض کمزور اور ضعیف و منکر روایات کے علاوہ جعلی اور موضوع حدیث بھی ان میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

عن ابن عباسؓ قال السجل کاتب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وھٰکذا رواہ ابوداؤد والنسائی اھ (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۲۰۲ طبع مصر)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سجل جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور منشی تھا۔ اس کو ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

اور پھر اسی صفحہ میں آگے ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

وقد صرح جماعۃ من الحفاظ بوضعہ وان کان فی سنن ابی داؤد منھم شیخنا الحافظ الکبیر ابوالحجاج المزی اھ

حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ یہ سنن ابوداؤد (وغیرہ) میں ہے ان حفاظ میں ہمارے شیخ الحافظ الکبیر ابوالحجاج مزیؒ بھی شامل ہیں۔

اور حافظ ابن کثیرؒ اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص۳۴۷ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ھو حدیث موضوع۔ کہ یہ جعلی حدیث ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد ج ۲ ص۵۱ طبع مجیدی کانپور میں موجود ہے اور حافظ ابن القیمؒ بھی اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث جعلی اور موضوع ہے۔ (تہذیب سنن ابی داؤد ج۴ ص۱۹۶ طبع مصر)

مؤلف نتائج التقلید (اپنے مصدقین سمیت) ہمیں یہ بتائے کہ کیا امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ کے خلاف اسی طرح کی سُرخی قائم کردی جائے جس طرح کہ انہوں نے صاحب ہدایہ کے خلاف قائم کی ہے؟ اور اسی طرح ان کو جھوٹ اور افتراء وغیرہ کے ظالم تیروں سے چھلنی کردیا جائے اور یہ کہنا شروع کردیا جائے کہ جن کتابوں کی تقدیس کا یہ عالم ہو انہیں مذہب اسلام کی اساس قرار دینا جنون اور مذہب سے مسخرہ پن مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ حاشا وکلا کہ کسی متدین عالم بلکہ ادنیٰ ترین مسلمان کے ذہن میں یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہوگا۔ یہی کہا جائے گا کہ ان اکابر محدثینؒ نے اپنے اجتہاد و سعی سے ان احادیث کو صحیح سمجھ کر یا تسامح اور سہل انگاری سے کام لے کر کتابوں میں درج کردیا ہے اور دوسرے محققین علما نے ان کے اجتہاد کی غلطی واضح کردی ہے کیونکہ نہ تو یہ علامہ خطیب بغدادی وغیرہ کی طرح متعصب ہیں اور نہ ان کا مقصد و ارادہ ہی بُرا ہے۔ ہاں یہ غلطی ہے، اور آخر حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے علاوہ کون معصوم ہے؟ نہ تو ان کی ذات مخدوش ہے اور نہ ان کی کتابیں ناقابلِ اعتماد ہیں، صرف وہی حدیثیں قابلِ ردّ ہیں جن کو معتبر محدثین کرامؒ نے نقلاً و عقلاً مردود

قرار دیا ہے۔ باقی سب اپنے مقام میں قابلِ اخذ و عمل ہیں کیونکہ ؎

وہیں تک ظلمتِ بے کیف کی ہے کارفرمائی　　جہاں تک آپ کی محفل میں پروانے نہیں آتے

تصحیح و تضعیف بھی اجتہادی امر ہے۔

یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جس طرح فقہائے کرامؒ نے استنباطِ مسائل میں تفقہ و اجتہاد سے کام لیا ہے، اسی طرح محدثین عظامؒ بھی احادیث کی تصحیح و تضعیف میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے رہے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ جس طرح فقہاء کے اجتہاد میں غلطی کا وقوع ممکن ہے اسی طرح محدثین کے اجتہاد میں بھی غلطی غیر اغلب نہیں ہے اور کوئی اہل علم اس کا انکار نہیں کر سکتا جیسا کہ امام بخاریؒ نے حسن قسم کی حدیث کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھا مگر جمہور امت ان کے اس اجتہاد کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم صرف ایک ہی حوالہ عرض کرتے ہیں تاکہ ہمارا دعویٰ مبرہن ہو جائے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

أَعْلَمُ النَّاسِ به اهل العلم بحديثه الّذين اجتهدوا في معرفة ذالك وطلبه من وجوهه وعلموا احوال نقلة ذالك واحوال الرّسول صلى الله عليه وسلّم من وجوه متعددة و جمعوا بين رواية هذا وهذا وهذا فعلموا صدق الصادق وغلط الغالط و كذب الكاذب وهذا علم اقامه الله له من حفظ به على الامة ما حفظ من دينها وغيرهُو لاء لهم تبع فيه اما مستدل بهم واما مقلد لهم كما ان الاجتهاد في الاحكام اقام الله له رجالًا اجتهدوا فيه حتى حفظ الله بهم على الامة ما حفظ من الدين وغيرهم لهم تبع فيه اما مستدل بهم واما مقلد لهم اھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حالات کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے وہ حضرات ہیں جو حدیث کا علم رکھتے ہیں جنہوں نے اس کی معرفت میں اجتہاد کیا اور اس کے وجوہ سے اس کو طلب کیا اور راویوں کے احوال کو معلوم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حالات کو کئی طرق کے جمع کرنے سے سمجھا اور مختلف اور متعدد راویوں کی روایتوں کو جمع کیا پھر ان سے سچے کے سچ، غلط کار کی غلطی، اور جھوٹے کے جھوٹ کو معلوم کیا اور یہ ایسا علم ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت میں دین کی حفاظت کے لیے کچھ لوگ کھڑے کئے ہیں اور بقیہ لوگ، ان کے تابع ہیں وہ یا تو ان کے اصول سے استدلال کرتے ہیں اور یا ان کے مقلد ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مسائل و احکام میں اجتہاد کرنے

(منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۱۳ طبع مصر) والے حضرات کھڑے کئے ہیں جنہوں نے اجتہاد سے کام لیا اور ان کی وجہ سے اُمت کے لیے دین محفوظ رہا اور باقی لوگ ان کے تابع ہیں، یا تو وہ ان کے اصول کے ساتھ استدلال کرتے ہیں اور یا ان کے مقلد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ جس طرح فقہاء نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح محدثینؒ نے بھی اجتہاد کیا ہے اور سب لوگوں کو یہ مقام حاصل نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں میں سے کچھ نفوسِ قدسیہ کھڑے کئے ہیں، بقیۃ الناس یا ان کے قائم کردہ اُصول کے مطابق استدلال کرتے ہیں اور یا آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کرتے ہیں۔ صد حیف کی بات ہے کہ اس میں فقہاء کی تقلید تو ناجائز اور مُخرّب دین ہو مگر محدثین کی تقلید کسی کا کچھ نہ بگاڑے۔ فقہاء کی تقلید تو غیر مقلدین کے نقل کردہ حوالجات کے پیشِ نظر (دیکھو نتائج التقلید ص۱۱ وغیرہ) گمراہی کی ماں اور موجبِ ہلاکت و تباہی اور مستوجب ہزار قباحت ہو۔ حتیٰ کہ اس تقلید کے خلاف بیسیوں کتابوں کے علاوہ نتائج التقلید جیسی کتاب بھی معرضِ وجود میں آجائے اور اس کی تصدیقات بھی ہو جائیں مگر محدثین کی تقلید کی سرے سے ماں ہی کوئی نہ ہو اور نہ وہ موجبِ گمراہی و ضلالت اور باعثِ شرک ہو۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالکل بالاتر ہے کہ ایک ہی حدیث کے معنی اور درایت میں کسی امام کی تقلید تو مذموم ہو اور اسی روایت کی سند اور روایت میں تقلید عین ایمان ہو؟ خدارا فرمایئے کہ بات کیا ہے؟ اور تقلید کی اس شق کو کیوں معرضِ وجود اور منصۂ شہود پر نہیں لایا جاتا؟ آخر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

الحاصل ہدایہ ہو یا فقہ کی کوئی اور کتاب ہو، ان میں بعض لا اصل لہ قسم کی روایات یا بعض ضعیف اور ناقابل عمل مسائل اور جزئیات کی وجہ سے نہ تو پوری فقہ کی افادیت کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ اور نہ ایسی کتابیں اور ان کے مصنفین حضرات کو ہدفِ ملامت قرار دیکر ان کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا جا سکتا ہے جس طرح کہ آجکل غیر مقلدین حضرات نے جماعتی رنگ میں یہ

مہم شروع کر رکھی ہے۔ ورنہ معاذ اللہ اسی قسم ہی کے دلائل سے احادیث کا پورا ذخیرہ مخدوش ہو کر رہ جائے گا اور انہیں کے قائم کردہ اصول سے منکرین حدیث (جو بیشتر نام نہاد اہلحدیث ہی سے ترقی کر کے اس اسٹیج پر پہنچے ہیں اور ابھی تو سے

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا ؟ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟

کام لے کر اپنی نامبارک گاڑی چلاتے ہیں۔

نواب صاحبؒ فقہ کی افادیت کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

" وفائدہ تصنیف کتب فقہ دو چیز است، یکی استفادہ طرق اجتہاد و تصرف فقہاء در حوادث وکیفیت بناء بعض بر بعض، دوم معرفت متفق علیہ از مختلف فیہ تا فتوئے بغیر متفق علیہ ندہد" (ھدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ص۱۳۱)

غیر مقلدین حضرات کے جماعتی پرچہ الاعتصام میں اس کی تصریح موجود ہے کہ :-

" اہلحدیث یا غیر مقلدین کے ہاں فقہ حنفی کو علوم میں بہت ہی اونچا درجہ حاصل ہے۔ ان کے مدارس میں یہ باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ ان کے نصاب تعلیم میں داخل ہے اور قدوری سے لے کر ہدایہ تک تمام کتابیں بالالتزام طلباء کو پڑھائی جاتی ہیں اُن کے ہاں اسے مسائل کا بہت بڑا ماخذ سمجھا جاتا ہے وہ فقہ کے مسائل پر عمل کرتے ہیں اور قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے اس کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں "

(بلفظہٖ الاعتصام ص۲ کالم ۲ ۹ فروری ۱۹۶۲ء)

حقیقت الفقہ، درایت محمدی، شمع محمدی اور نتائج التقلید کے مؤلفین حضرات کو یہ حوالہ بار بار پڑھنا چاہیئے جو فقہ حنفی کو قرآن وحدیث کے عین مدمقابل کھڑا کرنے پر مصر ہیں حالانکہ اس حوالہ سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے فقہ کی تعلیم ضروری ہے۔ اور فقہ حنفی مسائل کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے اور اس کے مسائل قابلِ عمل ہیں۔ ع

" مانتے جس کو نہ تھے لیجے پہنچے وہاں ؟ "

اور مولانا میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ :-

" نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ہدایہ میں مسائل فقیہہ کی اسناد میں روایات سے جو

ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معقول باتیں سمجھائی ہیں۔ ان میں امام برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سود گنی جائے گی؟ اور یہ بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا؟ ھٰذا واللہ الهادی!

انتہی بلفظہ۔ تاریخ اہلحدیث ص۱۲۰)

ان الفاظ کے پیش نظر مؤلف نتائج التقلید اور اس کے جملہ مصدقین حضرات اپنا مقام اور خطاب و لقب خود سمجھ لیں کیونکہ ؏

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

ہدایہ وہ مبارک کتاب ہے کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے اپنے ذمہ صرف قرآن و حدیث، اصول حدیث اور ہدایہ کو خاص کر لیا تھا۔ (الحیات بعد الممات ص۲۹۵) اگر ہدایہ کوئی ایسی ویسی کتاب ہوتی تو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ آخر عمر میں اس کا شغف چہ معنی دارد؟

دیگر غیر مقلدین حضرات کی طرح مؤلف نتائج التقلید (ملاحظہ ہو ص۵۷) کتاب ہدایہ کے متعلق گرفت کرتے ہوئے دیدہ دلیری سے یہ بھی لکھتا ہے کہ:۔

"اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انتہائی جرأت اور پوری جسارت سے کھل کر کہا گیا ہے۔ ؎

ان الهدایة کالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها فی الشرع من کتب

ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل بے نظیر کتاب ہے اور اس کے وجود پذیر (تصنیف) ہونے سے پہلی تمام شرعی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ جل جلالہ یعنی جیسا کہ قرآن مجید سے تورات و انجیل منسوخ ہوگئیں ویسے ہی ہدایہ کی تصنیف سے کتب حدیث اور حنفی شافعی وغیرہم فقہی کتب بھی منسوخ ہوگئیں۔" (بلفظہ)

جواب:۔

مذکور نے جو عبارت نقل کی ہے انتہائی جرأت اور جسارت سے کام لیا ہے کیونکہ اصل الفاظ "فی الشرع من کتب" نہیں بلکہ "فی الفقہ من کتب" ہیں۔ خود راقم الحروف نے متعدد کتابوں میں فی الفقہ کا لفظ ہی دیکھا ہے، یہ یا تو مؤلف مذکور کی اپنی ذاتی تحریف ہے۔ اور

یا کہیں کسی رسالہ سے غلط لکھا ہوا گھسیٹ دیا ہے۔ اور جس طرح اسی عبارت میں مؤلف مذکور نے کتب کو ذوی العقول بناکر وغیرہم فقہی کتب الخ کر دیا ہے اسی طرح انہوں نے اپنی بے باکی سے لفظ "فی الفقہ" کو "فی الشرع" بنا دیا ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اصل ہی میں لفظ "فی الشرع" ہے تو بھی اس سے مراد کتب فقہ ہی ہیں اور نسخ سے یہ مراد نہیں کہ جملہ مسائل فقہ ہدایہ سے منسوخ ہو گئے جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے ناسمجھ حواری یہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ ورنہ صاحب ہدایہ متقدمین کے مسائل نقل نہ کرتے اور نہ قدوری اور جامع الصغیر وغیرہ کی شرح کرکے اس کا نام ہدایہ رکھتے بلکہ نسخ سے بقول شاعر صرف یہی مراد ہے کہ جس طرح نقلی اور عقلی دلائل اور براہین کو نہایت اختصار اور بلیغانہ انداز سے صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی فقہی کوئی کتاب مذاہب اربعہ میں موجود نہیں ہے۔ ہم نے بھی سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں دیکھی ہیں، مگر صاحب ہدایہ کا انداز بیان اور طرز استدلال کچھ اور ہی ہے۔ بقول غالب ؎

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مؤلف نتائج التقلید کے ترجمہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل بے نظیر کتاب ہے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لفظ کالقرآن کو حرف انّ کی خبر تصور کر لیا ہے حالانکہ اس کی خبر قد نسخت الخ کا جملہ ہے اور کالقرآن نسخت کے متعلق ہے اس لحاظ سے اس کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ بے شک ہدایہ نے ان کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے جن کو فقہائے نے اس سے قبل تصنیف کیا ہے جیسے قرآن کریم نے پہلی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ تو تشبیہ صرف نسخ میں ہے۔ اور نسخ بھی صرف مجازی یعنی ان سے بے نیاز کر دیا ہے نہ یہ کہ ہدایہ یقیناً قرآن مجید کی مثل ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے بلا وجہ سمجھ رکھا ہے۔

امام قاسمؒ بن فیرہ الشاطبیؒ (المتوفی ۵۹۰ھ جو الامام العلامہ احد الاعلام الکبار تھے مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۳۸۷) کی مدح و تعظیم میں مشہور محدث ابو شامہ المقدسی الشافعیؒ (المتوفی ۶۶۵ھ جو الحافظ العلامہ اور المجتہد تھے۔ تذکرہ ج ۴ ص ۲۴۳) فرماتے ہیں ؎

رأیت جماعۃ فضلاء فازوا ... برؤیۃ شیخ مصر الشاطبی

وکلهم یعظمه ویثنی کتعظیم الصحابة للنبی

(مفتاح السعادة ج ۱ ص ۳۸۸)

کہ میں نے فضلاء کی جماعت کو دیکھا جو شیخ مصر الشاطبیؒ کی رؤیت میں کامیاب ہوگئے اور وہ سب کے سب ان کی تعظیم اور مدح کرتے ہیں جیسے کہ صحابہ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ کیا اب یہ کہنا شروع کردیا جائے کہ محدّث ابوشامہؒ نے حافظ الشاطبیؒ کو (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مقام پر جا پہنچایا ہے اور ان کے فاضل شاگردوں کو صحابی بنا دیا ہے؟ اس کے بغیر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے شاعرانہ تخیل کے تحت اپنی حسنِ عقیدت کا اظہار کیا ہے اور بس، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ تشبیہہ میں من کل الوجہ مشابہت بھی ضروری نہیں ہوتی کما لا یخفی۔

رجع الحدیث

بات یہاں سے چلی تھی کہ علامہ ذہبیؒ نے امام خطیب بغدادیؒ امام ابونعیمؒ اور اکثر متأخرین پر یہ تنقید کی ہے کہ انہوں نے بے تحاشا موضوع، جعلی اور من گھڑت روایات اپنی کتابوں میں درج کرکے سنّت پر ظلم ڈھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان سب کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ مگر بایں ہمہ نہ تو ان کی شخصیّت پر مفتری اور کاذب وغیرہ ہونے کا فتویٰ درست ہے جس طرح کہ صاحب نتائج التقلید نے مصنّف ہدایہ پر ظلم کیا ہے اور نہ مجموعی لحاظ سے ان حضرات کی کتابیں درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں جس طرح کہ مؤلف مذکور نے ہدایہ کو ساقط الاعتبار قرار دینے کی نامسعود سعی کی ہے۔ اب اس کے بعد ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آمدم برسرِ مطلب کے طور پر کچھ بقیہ حوالجات عرض کرتے ہیں :۔

حافظ محمدؒ بن یوسفؒ الصالحی الشافعی (المتوفی ۹۴۲ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

ولا تغتر بما نقله الحافظ ابوبکر بن ثابت الخطیب البغدادی مما یخل بتعظیم الامام ابی حنیفه رضی الله عنه فان الخطیبؒ وان نقل کلام المادحین

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جو مخل تعظیم باتیں نقل کی ہیں ان سے دھوکا نہ کھانا۔ خطیب بغدادیؒ نے اگرچہ پہلے مدح کرنے والوں کی باتیں نقل کی ہیں مگر اس کے

فقد اعقبہ بکلام غیرھم فشان کتابہ   بعد دوسرے لوگوں کی باتیں بھی نقل کی ہیں۔